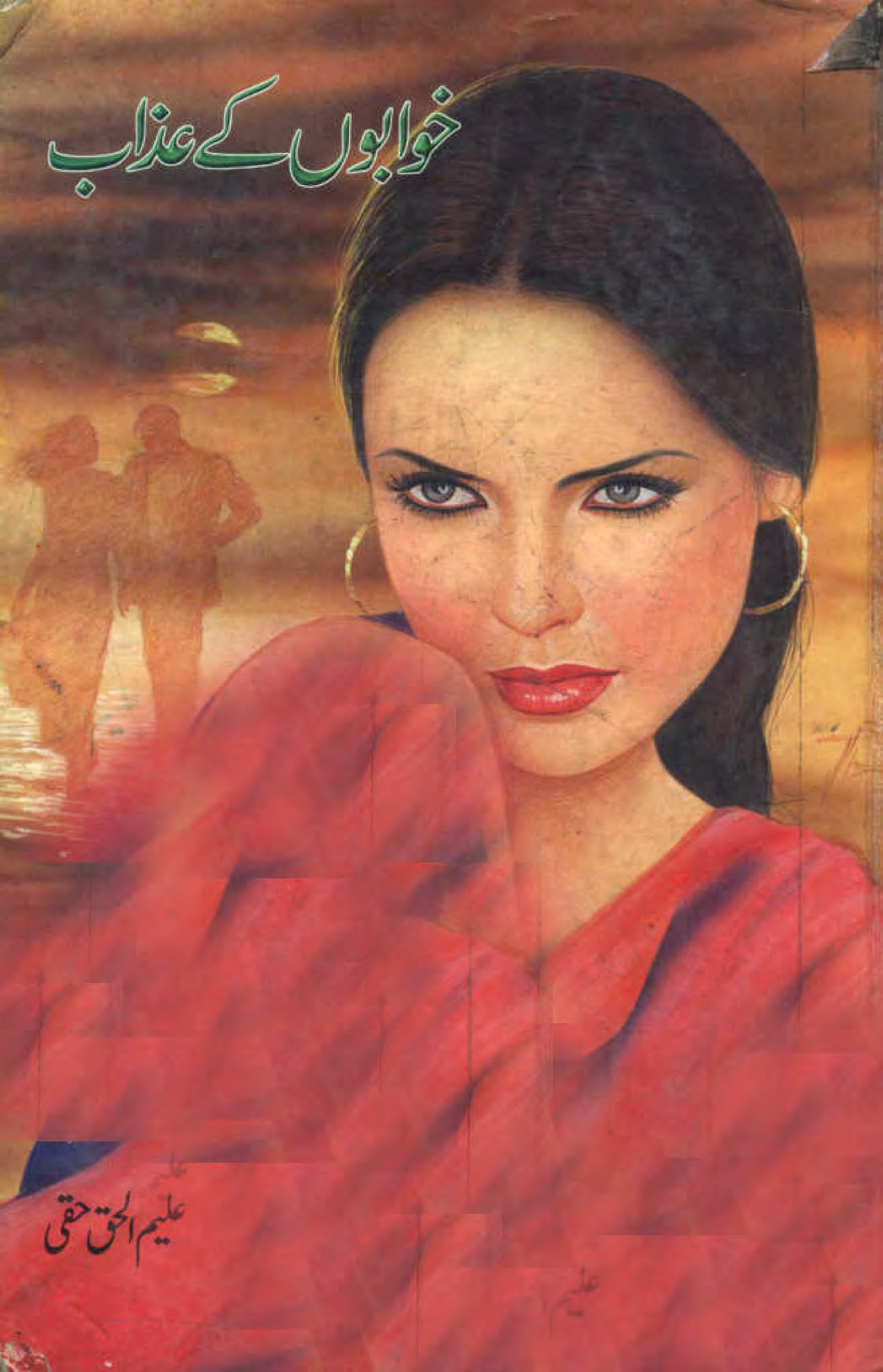

خوابوں کے عذاب
علیم الحق حقی

خوابوں کے عذاب

خواب ہر کوئی دیکھتا ہے۔ خواب رنگین بھی ہوتے ہیں اور سنگین بھی۔ خوابوں کی دنیا بڑی حسین اور دلفریب ہوتی ہے لیکن جب یہی خواب اپنا رنگ وروپ بدل کر ڈرانے لگیں تو زندگی عذاب بن جاتی ہے۔ ایک حساس اور تخیل پسند تخلیق کار کا قصہ اُس کے حسین خوابوں کا رنگ بھی اچانک بدل گیا تھا اور اس کی ہنستی کھیلتی زندگی میں زہر گھل گیا تھا۔

اطلاعی گھنٹی بجے جا رہی تھی، جیسے کوئی گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ کر بھول گیا ہو۔ چودہ پندرہ سال کا ایک لڑکا کمرے سے نکل کر ٹی وی لاؤنج سے ہوتا ہوا دروازے کی طرف لپکا۔ اس نے دروازے کی درمیان والی چٹخنی کو کھسیٹا پھر اوپر والی چٹخنی گرائی۔ اسی لمحے دروازہ پوری طاقت سے دھکیلا گیا۔ لڑکا سنبھل نہیں سکا۔ وہ نیچے گرا اور خوف زدہ نظروں سے اندر گھس آنے والوں کو دیکھتا رہا۔

اندر گھسنے والوں کی تعداد پانچ تھی۔ سب سے پیچھے والے نے دروازہ بند کر کے چٹخنیاں اوپر چڑھا دیں۔ نیچے گرا ہوا لڑکا سکتے کی سی حالت میں انہیں دیکھے جا رہا تھا۔ وہ پانچوں جوان تھے۔ عمریں بائیس اور تیس کے درمیان ہوں گی۔ وہ یقیناً خوش شکل بھی ہوں گے لیکن اس وقت تو ان کے پسینوں سے نہائے ہوئے چہروں سے وحشت اور درشتی ٹپک رہی تھی۔ آنکھوں میں سختی تھی۔

''اٹھو۔ کیا یونہی پڑے رہو گے؟'' مداخلت کاروں میں سے ایک نے کہا۔ انداز سے وہ سرغنہ معلوم ہو رہا تھا۔ وہ لڑکے سے مخاطب تھا۔

لڑکا بے بسی سے اسے دیکھتا رہا۔ اس کے ہونٹ لرزے لیکن کوئی آواز نہیں نکلی۔

''گھر میں اور کون کون ہے؟'' سرغنہ نے پوچھا۔

لڑکا اب بھی کچھ بولنے کے قابل نہیں تھا۔ اس کے ہونٹ بدستور لرز رہے تھے۔ تاہم اس کی شکل اسی دروازے سے آنے والی خاتون نے حل کر دی، جس سے وہ خود نکل کر آیا تھا۔ خاتون کی عمر پچاس کے قریب ہوگی۔ وہ بہت خوش پوش اور باوقار تھیں۔

''نعمان.......... کون آیا..........'' وہ کمرے سے کہتی ہوئی نکلیں لیکن وہ منظر دیکھ کر ان کی آواز بند ہو گئی۔

سرغنہ نے ان کی آواز سنی تھی یا آہٹ۔ بہرحال اس نے ان کی آمد کا اندازہ لگالیا تھا۔ اس نے جلدی سے ریوالور نکالا اور اسی سمت جھپٹا تھا۔ خاتون پہلے گنگ ہوئی تھیں اور پھر چیخنے ہی والی تھیں کہ سرغنہ نے ریوالور لہراتے ہوئے کہا۔ ''چیخنے کی حماقت مت

کرنا۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی کو کوئی نقصان پہنچے۔" اس کا لہجہ سخت تھا۔

خاتون کا ہاتھ اپنے منہ پر جم گیا۔ انہوں نے پُرتشویش نظروں سے اپنے بیٹے کو دیکھا جو فرش پر گرا ہوا تھا۔ سرغنہ نے ان کی پریشانی بھانپ لی۔ "اس کی فکر نہ کریں۔ وہ خیریت سے ہے۔ بس دھکے سے گر گیا تھا۔" اس نے نسبتاً نرم لہجے میں انہیں دلاسا دیا پھر بولا۔ "گھر میں جتنے لوگ بھی ہیں' سب کو آواز دے کر بلا لیجئے۔ نہیں.......... آپ یہاں سے نہیں ہلیں گی۔ میں پھر دہرا دوں کہ میں کسی کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم سے تعاون کیا جائے۔"

خاتون نے لرزتی آواز میں پکارا۔ "سنیں.......... یہاں آئیں۔ بچوں کو بھی لے آئیں۔"

ذرا دیر بعد پوری فیملی ٹی وی لاؤنج میں موجود تھی۔ گرا ہوا لڑکا بھی اٹھ کر سب کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ تین بہن بھائی اور تھے۔ گھرانے کے سربراہ کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

"میری بات سنو۔ ہمارے پاس بہت کچھ نہیں ملے گا تمہیں.........."

"خاموش رہیں۔ ہم خود اپنے مطلب کی چیز تلاش کر لیں گے۔" سرغنہ نے درشت لہجے میں کہا۔ "اب سب لوگ ڈرائنگ روم میں چلیں۔"

وہ سب ڈرائنگ روم میں چلے گئے۔ پوری فیملی ایک صوفہ سیٹ میں سما گئی۔ وہ سب ایک دوسرے سے قریب ہونے.......... لپٹنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"بیٹے.......... تمہارا جو جی چاہے لے جاؤ لیکن ہمارے ساتھ کچھ نہ کرنا۔" خاتون نے التجا کی۔

سرغنہ چند لمحے خاتون کو خشمگیں نگاہوں سے دیکھتا رہا پھر اس نے پوچھا۔ "فریج ہے آپ کے ہاں؟"

"ہاں.......... کچن میں ہے۔"

سرغنہ نے اپنے ایک ساتھی کو اشارہ کیا۔ وہ کمرے سے نکل گیا۔ سرغنہ مضطربانہ انداز میں ریوالور لہراتا رہا۔ اس کے ساتھی بہت نروس نظر آ رہے تھے۔ دوسری طرف فیملی کا بہت برا حال تھا۔ ان سبھوں کے جسموں پر لرزہ طاری تھا۔

چند لمحے ہوئے ہوں گے کہ جو لڑکا باہر گیا تھا' وہ ڈرائنگ روم میں واپس آ گیا۔ اس

بار اس کے چہرے پر تازگی تھی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ۔ اس کے ہاتھوں میں ایک ٹرے تھی جس پر پانچ گلاس اور ومٹو کولا کی ڈیڑھ لیٹر والی بوتل رکھی تھی۔ اس نے ٹرے میز پر رکھی اور بوتل سے گلاس بھر دیئے۔ ایک گلاس اس نے سرغنہ کو دیا۔ "یہ لو باس۔" پھر ایک گلاس اس نے اپنے لیے اٹھایا اور اپنے ساتھیوں سے بولا۔ "اپنی مدد آپ۔"

وہ پانچوں یوں پی رہے تھے' جیسے دن بھر کے پیاسے ہوں۔ متاثرہ فیملی انہیں خوف زدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ان لوگوں نے گلاسوں میں دوبارہ مشروب لیا۔ اب وہ بہت پُرسکون نظر آ رہے تھے۔ ان کے چہروں کے تاثرات یکسر بدل چکے تھے۔ درشتی کی جگہ نرمی نے لے لی تھی۔ آنکھوں میں طمانیت تھی۔

"تم لوگ جو چاہو لے جاؤ لیکن میرے بچوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔" خاتون نے التجا کی۔

اس بار سرغنہ مسکرایا۔ "سوری.......... ہم لوگوں نے آپ کو بہت تکلیف دی لیکن جو کچھ ہمیں چاہیے تھا' وہ ہم لے چکے ہیں۔"

صاحب خانہ اور خاتون خانہ کے منہ حیرت سے کھل گئے۔

"ک.......... کیا مطلب؟" انہوں نے بیک آواز کہا۔

"وم.......... م م.......... ٹو.......... وو.......... کو وولا آآ۔" پانچوں مداخلت کاروں نے بھی بیک آواز گنگناتے ہوئے کہا۔

گھر کے تمام افراد کی آنکھیں یوں چمکیں' جیسے بات ان کی سمجھ میں آگئی ہو پھر صاحب خانہ نے الجھن بھرے لہجے میں دریافت کیا۔

"لیکن ومٹو کولا تمہیں نیچے سٹور سے بھی مل سکتا تھا۔"

"جی نہیں۔ آپ بھول رہے ہیں کہ آج پہیہ جام ہے۔" سرغنہ بولا۔ اس کے ساتھ ہی وہ پانچوں ڈرائنگ روم سے نکل گئے۔ دروازہ کھلنے اور پھر بند ہونے کی آواز سنائی دی پھر بچوں نے کہا۔ "ہم بھی ومٹو کولا پئیں گے۔"

صاحب خانہ نے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیر کر پسینہ پونچھا اور بڑے بیٹے سے بولے۔ "نعمان.......... دیکھو فریج میں ایک اور بوتل ہو گی۔"

بڑا بیٹا اٹھ کر لپکا پھر اسکرین پر ماں باپ اور بچے ومٹو کولا پیتے ہوئے ساکت ہو گئے۔ ساتھ ہی اسکرین پر الفاظ اور پس منظر سے آواز ابھری۔ "چوائس آف ٹین ایجرز اپ

ٹونائنٹی! اور اسکرین پر اندھیرا چھا گیا۔

"ونڈر فل۔" ومٹوکولا بنانے والی کمپنی کے ڈائریکٹر نے بلند آواز میں کہا۔ "مجھے یہ کمرشل بہت اچھا لگا ہے۔ اب ٹی وی پر یہی چلوائیے۔"

ایڈورٹائزنگ کمپنی کے ایگزیکٹو نے اطمینان کی سانس لی۔

"ٹھیک ہے مشہدی صاحب۔ مجھے خوشی ہے کہ یہ آپ کو پسند آیا۔"

"یہ کام کس کا ہے؟" ومٹوکولا کے ڈائریکٹر نے پوچھا۔

"ایک جوان آدمی ہے عمران ایاز۔ اسے تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے ہمارے ہاں۔"

"میرا مشورہ مانیں تو اسے ہاتھ سے نہ نکلنے دیجئے گا۔ ہی از ویری امیجی نیٹیو۔ لکس لائیک ہی از فل آف فریش آئیڈیاز۔"

"ہی از اور اسیٹ سر۔" ایگزیکٹو کے ہونٹوں پر کاروباری مسکراہٹ ابھری۔ "آپ جانتے ہیں، ہم ٹیلنٹ ضائع نہیں ہونے دیتے۔"

"میں خوب جانتا ہوں۔" ڈائریکٹر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "لیکن اکاؤنٹ ایسے ہی لوگوں کے دم سے قائم رہتے ہیں۔"

"رائٹ سر۔ آئی ایگری ودھ یو۔"

☆======☆======☆

الفا ایڈورٹائزنگ کا ڈائریکٹر سعید بخاری گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ پریشان نہیں تھا۔ بلکہ مطمئن تھا لیکن اسے کوئی بڑا فیصلہ کرنا تھا۔ اب یہ ناگزیر معلوم ہو رہا تھا۔ گزشتہ چند ماہ میں تشہیر کا کام ارتقا کا متقاضی معلوم ہونے لگا تھا۔ یہ ضرور ہے کہ ایڈورٹائزنگ کا شعبہ وسعت اختیار کر رہا تھا۔ اس کاروبار میں کامیابی کے امکانات بہت زیادہ تھے اور ان میں مسلسل اضافے کا امکان تھا مگر ساتھ ہی یہ بھی تھا کہ ایڈورٹائزنگ کی تیکنیک بھی دنیا بھر میں آگے........ بہت آگے چلی گئی تھی۔ گھسے پٹے انداز میں پبلسٹی کرنے کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ بڑے اکاؤنٹ بہت زیادہ ڈیمانڈنگ ہو گئے تھے۔ اب ان کی تسلی اس سے نہیں ہوتی تھی کہ باہر کے کمرشلز کو اپنے ماحول میں اڈاپٹ کر لیا جائے۔ اب وہ اوریجنل اپروچ کا تقاضہ کر رہے تھے۔

سعید بخاری جانتا تھا کہ اپنے ملک میں ٹیلنٹ کی کمی نہیں لیکن اسے تلاش کرنا آسان نہیں تھا۔ اس کی نسبت یہ زیادہ آسان تھا کہ جو لوگ بھی میسر ہیں، انہیں گرومنگ

کے لیے بیرون ملک تربیتی کورس میں بھیجا جائے۔ اس سلسلے میں اس نے ایک جامع پروگرام بنا لیا تھا۔ اب بورڈ آف ڈائریکٹرز کی میٹنگ میں اسے پیش کرنا تھا۔ اس میٹنگ میں وہ ایک نوجوان کے مستقبل کا مسئلہ بھی اٹھانا چاہتا تھا۔

کام کے ڈیمانڈنگ ہونے کا مسئلہ تین ماہ پہلے سامنے آیا تھا۔ ومٹوکولا کے مشہدی صاحب نے دوٹوک انداز میں بتا دیا تھا کہ اگر روایتی ایڈورٹائزنگ جاری رہی اور کوئی نئی اپروچ نہیں دکھائی دی تو الفا ایڈورٹائزنگ سے یہ اکاؤنٹ چھن جائے گا۔ وہ پہلا موقع تھا کہ کمپنی کے سامنے کوئی چیلنج آیا تھا۔ الفا ایڈورٹائزنگ کو یہ علم بھی نہیں تھا کہ اس کے پاس اس چیلنج سے نمٹنے کے لیے وسائل بھی ہیں یا نہیں۔ جن چار نوجوانوں کو یہ چیلنج سونپا گیا تھا، عمران ایاز ان میں سب سے جونیئر تھا لیکن جب کام سامنے آیا تو وہ باقی تینوں سے میلوں آگے کھڑا نظر آیا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ دوسرے تین لڑکے مختلف اپروچ دکھا ہی نہیں سکے تھے۔

سعید بخاری کچھ لڑکوں کو ایڈورٹائزنگ کے تربیتی کورس کے لیے باہر بھجوانا چاہتا تھا۔ اس کے خیال میں عمران ایاز کو کسی کورس کی ضرورت نہیں تھی۔ اس میں جو صلاحیت تھی، وہ پیدائشی تھی اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ صلاحیت دریافت بھی کر لی گئی تھی۔ مشہدی صاحب نے مشورہ دیا تھا کہ اسے ہاتھ سے نہ نکلنے دیا جائے اور ان کا مشورہ صائب بھی تھا۔ ضروری تھا کہ عمران ایاز کو اہم مقام دیا جائے۔ یعنی غیر معمولی ترقی........ عہدے میں بھی اور تنخواہ میں بھی۔

سعید بخاری بورڈ آف ڈائریکٹر کی میٹنگ میں یہ مسئلہ اٹھانا چاہتا تھا لیکن اس کے خیال میں صرف ایک کمرشل کی بنیاد پر یہ سفارش نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس کی صورت یہ تھی کہ عمران ایاز کو کوئی اور کام سونپا جائے۔ دوبارہ بھی اس نے ایسی ہی کارکردگی دکھائی تو وہ اس کا کیس زیادہ مضبوطی سے پیش کر سکے گا اور کام کی تو کمی تھی ہی نہیں۔ وہ وقت آنے والا ہے کہ ہر کلائنٹ فریش اپروچ کا مطالبہ کرے گا۔ بہتر ہے کہ اس کے لیے پہلے ہی سے خوو کو تیار کر لیا جائے۔

اس نے انٹرکوم پر سیکریٹری کو ہدایت دی کہ عمران ایاز کو بلوائے۔

☆======☆======☆

عمران ایاز کمپنی کے ڈائریکٹر سعید بخاری کے کمرے سے لوٹا تو بہت خوش تھا۔ یہ

امید تو اسے پہلے سے تھی کہ اس کا ومٹو کولا والا کام سراہا جائے گا لیکن یہ اندازہ اسے نہیں تھا کہ اتنا سراہا جائے گا۔ بخاری صاحب نے جس انداز میں اس کی تعریف کی تھی' اس نے خود کو فضا میں اڑتا محسوس کیا تھا۔ یہی نہیں' بخاری صاحب نے اسے ایک اور کام بھی سونپا تھا۔

"عمران......... میں تمہیں ایک اور کام سونپ رہا ہوں۔" بخاری صاحب نے کہا تھا۔ "تمہیں دھنک لان کی پبلسٹی کے لیے پلاننگ کرنی ہے۔ تمہارا ومٹوکولا والا کام جتنا پسند کیا گیا ہے' اس کا تم تصور بھی نہیں کرسکتے۔"

"تھینک یو سر۔" عمران نے انکساری سے کہا۔ "اس نئے کام کے لیے کوئی خاص ہدایت؟"

"صرف یہ کہ روایت سے ہٹ کر ذرا جدت سے کام لینا ہوگا۔ وہی فریش اپروچ والا معاملہ ہے۔ اور ایک بات بتادوں۔ ذہن میں رکھنا۔"

"یس سر؟"

"یہ تمہارا آزمائشی کام ہے۔ اگر تم نے ومٹوکولا والا معیار برقرار رکھا تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ہمارے ہاں تمہارا مستقبل بے حد درخشاں ہے۔ اس وقت تمہیں یہاں کیا مل رہا ہے؟"

"چھ ہزار سر۔"

بخاری صاحب سوچ میں پڑگئے۔ چند لمحے بعد بولے۔ "یہ کام اچھا کر دکھاؤ تو بہت آگے سے اسٹارٹ لوگے۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ بس یہ سمجھ لو کہ اس کا جو انعام ملے گا' وہ تمہاری توقع سے بہت زیادہ ہوگا۔ بس اب تم جاؤ اور اس لان کے کمرشل پر کام شروع کردو۔"

سو عمران ایاز بہت خوش تھا لیکن خوشی اپنے ساتھ اداسی بھی لاتی ہے۔ اس خوشی کے موقع پر اسے زہرہ یاد آگئی۔ وہ اداس ہوگیا۔ دفتر میں اپنی میز پر بیٹھے بیٹھے وہ زہرہ کی یادوں میں کھوگیا۔

زہرہ اس کی پہلی محبت تھی۔ وہ اسے بے حد چاہتا تھا۔ اس سے ملاقات کالج میں ہوئی تھی۔ بعد میں بھی وہ ملتے رہے تھے۔ عمران تو باقاعدہ اس کی محبت میں گرفتار تھا۔ یہ اس نے کبھی سوچا ہی نہیں کہ زہرہ بھی اس سے محبت کرتی ہے یا نہیں۔

زہرہ میں آگے بڑھنے' اوپر جانے کی لگن بہت طاقت ور تھی......... خوف ناک حد تک طاقت ور' یہ اندازہ تو عمران کو بہت بعد میں ہوا کہ اس کے ساتھ وہ بس وقت گزاری کر رہی تھی۔

عمران کو اس سے آخری ملاقات اور اپنا شاک اب تک یاد تھا۔

"میری شادی ہو رہی ہے۔" زہرہ نے یوں کہا جیسے شاپنگ کے لیے جانے کے متعلق بات کر رہی ہو۔

عمران نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ مذاق کر رہی ہے لیکن اس کے چہرے پر ایسی کوئی بات نظر نہیں آئی۔

"تم سیریس ہو؟" اس نے پوچھا۔

"شادی تو ہوتی ہی سیریس معاملہ ہے۔"

"کون ہے وہ خوش نصیب.........؟"

"ایک مل اونر کا بیٹا۔"

"اور تم کرلوگی یہ شادی؟" عمران کے لہجے میں استعجاب تھا۔

"میں اپنے جملے میں ایک ترمیم کرلوں۔ وہ ایک مل اونر کا اکلوتا بیٹا ہے۔"

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔"

"میرا ترمیم شدہ جملہ تمہارے سوال کا جواب ہے۔" زہرہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں ایسے رشتے کو کیسے ٹھکرا سکتی ہوں۔"

وہ عمران کے لیے شاکنگ لمحہ تھا۔ "میرا خیال تھا کہ........."

"میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ یہی نا؟" زہرہ نے حقارت بھرے لہجے میں کہا۔ "یہی تو بیک ورڈ لوگوں میں خرابی ہوتی ہے۔ محبت کو لازمی مضمون سمجھ کر جزو تعلیم بنالیتے ہیں اور محبت کے نام پر خودغرضی کی حد کردیتے ہیں۔"

"کیا کہنا چاہتی ہو تم؟" عمران نے تند لہجے میں پوچھا۔

"میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ لوگ محبت کے نام پر محبوب کے پیروں میں زنجیر ڈال دیتے ہیں کہ وہ اوپر نہ جاسکیں اور یہ وہی لوگ کرتے ہیں جو خود پرواز کا حوصلہ رکھتے ہیں

نہ استطاعت۔"

"تم میری توہین کر رہی ہو زہرہ۔"

"نہیں، تم غلط سمجھ رہے ہو۔" زہرہ نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔ "بات صرف اتنی سی ہے کہ میں حقیقت پسند ہوں۔ میں بس تمہیں آئینہ دکھا رہی ہوں۔ تم بہت اچھے انسان ہو۔ ذہین بھی ہو۔ تخیل تمہارا بہت زرخیز ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گی کہ تم بے حد تخیلاتی ہو لیکن یہ کوئی خوبی نہیں۔ یہ تمہیں بے عمل بناتی ہے۔ ذرا سوچو کہ تم زندگی میں کیا کر سکتے ہو۔ بس یہ کلرکی ہی کرتے رہو گے اور کلرک کی زندگی کوئی زندگی ہوتی ہے۔" اس کے لہجے میں حقارت آ گئی۔

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔ میں ہمیشہ کلرک نہیں رہوں گا۔" عمران نے تند لہجے میں کہا۔

"ٹھیک کہتے ہو۔ تخیل کے زور پر تم کسی ملک کے بادشاہ بھی بن سکتے ہو۔" زہرہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "ورنہ شاعر تو بن ہی جاؤ گے۔ شاعر بھوکا سہی' بادشاہ ہی ہوتا ہے۔"

عمران اس توہین کو زہر کے گھونٹ سمجھ کر پی گیا۔ "خیر........... آنے والا وقت بتائے گا کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔" اس نے کہا۔ "البتہ اپنی اس خوش فہمی پر میں پشیماں ہوں کہ میرے خیال میں تمہیں مجھ سے..........."

"ہم بس اچھے دوست تھے۔" زہرہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"یہاں بھی تم غلطی پر ہو۔ دوسروں کے پروں کے زور پر اونچا اڑنے کی خواہش رکھنے والوں کی زمین پر چلنے والوں سے دوستی کبھی نہیں ہوتی۔" عمران نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "ویسے بھی مرد اور عورت کے درمیان دوستی کا تصور محض خود فریبی ہے۔"

"بہت تلخ ہو رہے ہو۔" زہرہ نے نرمی سے کہا۔ "لیکن یہ سچ ہے کہ ہم اچھے دوست ہیں اور رہیں گے۔ میں تم سے ملتی رہوں گی۔"

"اب اس کی ضرورت نہیں۔" عمران نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اس آخری ملاقات کے اگلے ہی دن اسے الفا ایڈورٹائزنگ میں انٹرویو کے لیے بلا لیا گیا۔ اپائنٹ منٹ لیٹر بھی مل گیا۔ کیوں نہ ملتا۔ زندگی میں پہلی اور آخری بار اس نے سفارش استعمال کی تھی۔ بس اسے یہ اطمینان تھا کہ وہ اس کام کی اہلیت رکھتا ہے۔ اس کی قوت متخیلہ یہاں کام آئے

گی۔ اسے یقین تھا کہ تقدیر نے کوئی موقع دیا تو اس فیلڈ میں وہ بہت آگے جا سکتا ہے۔

اور اب ایک سال سے ذرا ہی زیادہ ہوا تھا کہ اس کی بات درست ثابت ہو گئی۔ بخاری صاحب نے لفظ بہ لفظ یہی بات کہی تھی اس سے۔ ایک بے عمل آدمی کے لیے تو چھ ہزار تنخواہ ہی کم نہیں۔ اس نے تلخی سے سوچا۔ جب کہ بخاری صاحب کہہ رہے تھے کہ ایک اور کامیاب کمرشل کے بعد وہ اس سے بہت آگے سے اسٹارٹ لے گا۔ کاش........ کاش وہ زہرہ کو جا کر بتا سکتا لیکن یہ ممکن نہیں تھا۔ چھ ماہ قبل مل اونر کے اکلوتے بیٹے سے زہرہ کی شادی ہو چکی تھی۔

اس نے سر جھٹکا' جیسے زہرہ کو پرے دھکیلنے کی کوشش کر رہا ہو۔ یہ کیا مصیبت ہے۔ اس نے جھنجلا کر سوچا۔ زہرہ کی یاد سے میں پیچھا کیوں نہیں چھڑا سکتا۔ ہر موقع پر وہ کیوں یاد آتی ہے مجھے۔ جب کہ سچ پوچھو تو اس سے قطع تعلق میرے لیے مبارک ہی ثابت ہوا۔ اگلے ہی روز تو مجھے یہ جاب ملی تھی۔

اس نے زہرہ کے خیال کو ذہن سے دھکیلا اور لان کے بارے میں سوچنے لگا۔ یہ کام بہت اچھا تھا۔ اسے بہت زیادہ اہمیت دینا تھی۔

☆======☆======☆

ثمینہ اوپر اپنے کمرے میں تھی کہ اس نے نیچے شہلا کی آواز سنی۔ وہ اس کی امی سے باتیں کر رہی تھی۔ ثمینہ کو اندازہ تھا کہ ابھی شہلا کو اوپر آنے میں کچھ دیر لگے گی۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ امی شہلا سے کیا باتیں کر رہی ہوں گی۔ اب شہلا کے ذریعے اس پر دباؤ ڈالا جائے گا۔ اس نے گہری سانس لی اور صوفے پر ٹک گئی۔

تھوڑی دیر بعد شہلا اوپر آ گئی۔ ثمینہ نے اٹھ کر اسے لپٹا لیا۔ "نیچے سے اوپر تک آنے میں بہت دیر لگی تمہیں؟" اس نے شکایتاً کہا۔

"تم نے چکر ہی ایسے چلا رکھے ہیں۔" شہلا نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

"چھوڑو ان باتوں کو۔" ثمینہ نے بے پروائی سے کہا۔ "اور سناؤ۔ تم کیسی ہو؟"

"میں ٹھیک ٹھاک ہوں۔ تم اپنی کہو۔"

شہلا نے اسے سر تاپا غور سے دیکھا۔ "تم تو ٹھیک لگ رہی ہو لیکن آنٹی بہت پریشان ہیں۔"

"بلاوجہ پریشان ہیں۔" ثمینہ جھنجلا گئی۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ پریشانی کی کیا

بات ہے۔"

"پریشانی کی بات تو ہے۔ رشتوں کے معاملے میں لڑکیاں ایسی شرطیں تو عائد نہیں کرتیں۔"

"چاہے عملاً یہی کچھ کریں۔" ثمینہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہاں' چاہے عملاً یہی کچھ کریں۔" شہلا نے سر کو تائیدی جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "لیکن قبل از وقت اعلان کوئی نہیں کرتا۔"

"مجھے منافقت اچھی نہیں لگتی۔ اس لیے پہلے ہی شرط عائد کردی۔"

شہلا اب اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ "بہتر یہی ہے کہ اب مجھے اصل بات بتادو۔ مجھ سے تو تم کچھ چھپا نہیں سکتیں۔"

ثمینہ نے سر جھکا لیا۔ بات درست تھی۔ شہلا اس کی بچپن کی سہیلی تھی اور اسے اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ یقیناً اس سے حقیقت اگلوا لیتی۔ جب کہ ثمینہ نہیں چاہتی تھی کہ بات کھلے۔ "سنو شہلا۔ اگر تم وعدہ کرو کہ بات میرے اور تمہارے درمیاں ہی رہے گی تو میں تمہیں سب کچھ بتادوں گی۔"

"ٹھیک ہے......... وعدہ۔ میں کسی کو بھی نہیں بتاؤں گی۔"

ثمینہ نے اطمینان کی سانس لی۔ وہ جانتی تھی کہ شہلا جھوٹا وعدہ کبھی نہیں کرتی۔

"میں جانتی ہوں شہلا کہ شادی سے پہلے کسی لڑکی کی یہ شرط معیوب ہے کہ وہ شوہر کے گھر میں ساس سسر اور نند دیور کے ساتھ رہنے کے بجائے اپنا الگ گھر بسانا چاہتی ہے لیکن کئی زاویوں سے اس کی افادیت ہے' جس نے مجھے یہ شرط عائد کرنے پر مجبور کردیا۔"

"میں بھی اس افادیت کو سمجھنا چاہتی ہوں۔" شہلا نے گہری سانس لے کر کہا۔

"پہلے تو یہ بتادوں کہ میں چھ ماہ بعد خود اپنی سسرال جانا پسند کروں گی۔" ثمینہ نے شہلا کو حیران کردیا۔

"تو پھر ابتدا ہی سے علیحدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے؟؟"

"وہی تو میں تمہیں بتا رہی ہوں۔ پہلی بات تو یہ کہ عام طور پر بیٹے کے لیے لڑکی تلاش کرنے والی خواتین دراصل اپنے لیے بہو تلاش کررہی ہوتی ہیں' اپنے بیٹے کے لیے شریک حیات نہیں۔ جو خاتون میری شرط مانیں گی' وہ اس طرح دو باتیں ثابت کریں گی۔

ایک تو یہ کہ وہ بیٹے کے لیے شریک حیات کی تلاش میں ہیں۔ دوسری یہ کہ میں انہیں اتنی پسند آئی ہوں کہ میری خاطر وہ بیٹے سے ہاتھ دھونے کے لیے بھی تیار ہیں۔"

"عجیب منطق ہے۔ بہر حال کہتی رہو۔ میں سن رہی ہوں۔"

"دوسری افادیت سنو۔ شادی کے فوراً بعد فطری بات ہے کہ میاں بیوی زیادہ وقت ساتھ گزارتے ہیں۔ یہ بھی فطری بات ہے کہ شوہر کی ماں یہ بہت بڑی تبدیلی قبول نہیں کرپاتی۔ اسے نظر انداز کیے جانے کا احساس ہوتا ہے اور وہ بتدریج رقابت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ابتدائی عرصہ دور گزرے گا تو یہ مسئلہ پیدا نہیں ہوگا۔"

"بہت خوب۔"

"اور تیسری بات یہ ہے کہ میں یہ دو طرفہ احساس پیدا کرنا چاہتی ہوں کہ ساتھ رہنا میری مجبوری نہیں۔ میں جب ساتھ رہوں گی تو اپنی مرضی سے' اپنی خوشی سے رہوں گی پھر میں بھی زیادہ آسانی سے سمجھوتے کروں گی اور وہ بھی' بس اتنی سی بات ہے۔"

"یہ باتیں کہنے کی حد تک بہت اچھی اور خوب صورت ہیں لیکن عملی زندگی میں فلسفہ نہیں چلتا۔" شہلا نے سنجیدگی سے کہا۔ "یہ تو ابتدا میں ہی بات خراب کرنے والی بات ہے۔ تمہاری ساس کو تو یہ شکایت ہوگی کہ تم نے بہو بننے سے پہلے ہی بیٹے کو ان سے چھین لیا........"

"اگر انہیں یہ سوچنا ہوگا تو وہ یہ شادی کریں گی ہی کیوں اور شادی کریں گی تو گویا خود ہی بیٹے سے دستبردار ہورہی ہوں گی۔"

"پھر وہ بعد میں یہ نہیں سوچیں گی کہ تم اکیلی زندگی سے گھبرا کر سب کے ساتھ رہنا چاہتی ہو۔ یعنی مجبور ہوگئی ہو۔"

"ایسا نہیں ہوگا۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔"

"ٹھیک ہے بھئی۔ تم جانو۔" شہلا نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "آنٹی نے کہا تھا کہ میں تمہیں سمجھاؤں۔ یہاں الٹا تم مجھے سمجھا رہی ہو۔"

"تم بس امی کو بتادو کہ وہ لوگ بات پکی کرنے آئیں تو انہیں یہ بات کہہ دیں۔"

شہلا کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ چند لمحے بعد اس نے سر اٹھایا۔ "ایک بات سچ سچ بتاؤ گی؟"

"پوچھو۔"

"بجائے اتنا طویل چکر چلانے کے تم اس رشتے سے صاف انکار کیوں نہیں کردیتیں؟"

"اس لیے کہ انکار کرنا ہی نہیں چاہتی۔ امی اور ابا جان کو وہ صاحب اور ان کے والدین بہت اچھے لگے ہیں۔ میرے لیے اتنا ہی بہت ہے۔"

"سچ کہو۔ کوئی پرانی ٹیس تمہیں شادی کے خلاف مزاحمت پر تو نہیں اکساتی؟"

"اگر تمہارا اشارہ ثاقب کی طرف ہے تو تم خود بھی جانتی ہو کہ ایسا نہیں ہے۔ ثاقب کی میرے لیے اتنی اہمیت تو نہیں۔"

شہلا اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ "بعض اوقات انسان کو...... خاص طور پر ہم لڑکیوں کو محبت کا پتا نہیں چلتا۔" اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "پھر تمہارے اور اس کے درمیان اتنا طویل تعلق رہا ہے۔ کون جانے تم......"

"مجھے اس سے انکار نہیں کہ اتنی طویل نسبت نے میرے دل میں ثاقب کے لیے انسیت پیدا کردی تھی۔ یہ تو فطری بات ہے لیکن اسے محبت نہیں کہا جاسکتا پھر جب یہ سلسلہ ختم ہوا تو مجھے نہ رنج ہوا نہ افسوس۔ اس کے برعکس میں نے سکون کی سانس لی۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم اپنے تخیل کو بے لگام نہ ہونے دو۔"

"تمہارا مشورہ سر آنکھوں پر لیکن پھر کہوں گی کہ اپنے دل کو ٹٹولتی رہا کرو۔"

"اچھا بس۔" ثمینہ نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "یہ موضوع ختم۔ اب کوئی اور بات کرو۔"

شہلا کے پاس موضوعات کی کمی نہیں تھی۔ اس نے اور باتیں شروع کردیں۔

☆======☆======☆

عمران اس دوسرے کمرشل کو جلد از جلد کرلینا چاہتا تھا۔ دوسری طرف ذہن کا یہ حال تھا کہ بنجر زمین کی طرح ہوگیا تھا۔ تخلیقی کاموں میں ایسا ہوتا ہے اور جب ایسی کیفیت طاری ہوجائے تو اس کے دوران آدمی بے یقینی کی آخری حد کو پہنچ جاتا ہے۔ اسے لگتا ہے کہ اس میں کبھی صلاحیت تھی ہی نہیں۔ اپنے پچھلے کام پر بھی اعتماد نہیں رہتا۔ لگتا ہے کہ وہ بھی اتفاقاً سرزد ہوگیا تھا۔ اس ایک ہفتے میں عمران بھی اس کیفیت سے گزرا۔

پھر عین اس وقت جب وہ خود سے مایوس ہونے والا تھا' ذہن میں اچانک جھماکا سا ہوا اور اسے آئیڈیا سوجھ گیا۔ اسے پالش کرنے میں دو دن لگے۔ دو ہفتے پورے ہونے

سے پہلے اس نے اپنا کام مکمل کرلیا۔

اس کی توقع کے عین مطابق اس کا یہ کمرشل بھی بہت پسند کیا گیا اور وعدے کے مطابق اسے انعام بھی اس کی توقع سے بڑھ کر ملا۔

پانچویں دن بخاری صاحب کی وساطت سے اسے پیغام ملا کہ اسے بورڈ آف ڈائریکٹرز کی میٹنگ میں شرکت کرنی ہے۔ وہ مقررہ وقت پر بورڈ روم میں داخل ہوا تو اس کے دل کے دھڑکنے کی رفتار بہت تیز تھی۔ میٹنگ میں شاید دیگر تمام معاملات نمٹائے جاچکے تھے۔ صرف اس کا مسئلہ باقی تھا۔

ایم ڈی صاحب نے اس کی کارکردگی کو سراہا اور بتایا کہ بورڈ نے اسے ترقی دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اب وہ کمپنی کا ایگزیکٹو ہے۔ چند اہم ترین اکاؤنٹس اس کے حوالے کیے جارہے ہیں' جن میں ومٹو کولا بھی شامل ہے۔

"اب یہ تمہاری ذمے داری ہوگی کہ ان مصنوعات کی پبلسٹی کے سلسلے میں تجربات کرتے رہو۔" ایم ڈی صاحب کہہ رہے تھے۔ "یہ تمام کمپنیاں اس بات کے خلاف ہیں کہ ٹی وی پر ایک ہی کمرشل دکھایا جاتا رہے۔ تمہیں سال میں کم از کم تین کمرشل بنانے ہوں گے ان کے اور اپروچ فریش ہونی چاہیے۔"

"یہ کام آسان نہیں ہوگا سر۔" عمران نے بمشکل کہا۔

"اس صورت میں زیادہ مشکل نہیں ہوگا کہ تمہارے پاس ایگزیکٹو عہدہ ہو اور معقول بجٹ بھی ہو۔" ایم ڈی صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اور اب ہم تمہیں پندرہ ہزار روپے ماہانہ سیلری آفر کررہے ہیں۔ مراعات اس کے علاوہ ہوں گی۔"

عمران گنگ ہوکر رہ گیا۔ یہ تو اس کی توقع سے بہت...... بہت زیادہ تھا۔

"تم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہ آفر قبول کروگے یا نہیں؟"

"یہ...... یہ تو میرے لیے اعزاز ہوگا سر۔"

"بس اب تم جاسکتے ہو۔ کل تمہیں لیٹر مل جائے گا۔"

اپنے دفتر کی طرف آتے ہوئے عمران کے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ قدرت نے اتنے کم وقت میں اسے کتنا زیادہ نواز دیا تھا۔ وہ اس وقت احسان مندی کے جذبے سے سرشار تھا لیکن اپنی میز پر پہنچتے ہی اسے ایک بار پھر زہرہ یاد آگئی۔ البتہ اس بار اس کی یاد نے اسے اداس نہیں کیا۔ ہاں اس کا جی چاہا کہ کاش اس وقت زہرہ اس کے پاس ہوتی

اور وہ اسے بتاتا کہ اس کے تخیل نے بہت کم وقت میں اسے کتنا کچھ دیا ہے...... اور یہ کہ وہ محض کلرک نہیں ہے۔ اسے یہ اندازہ بھی پہلی بار ہوا تھا کہ زہرہ کی توہین کو اس نے کس حد تک دل پر لیا تھا اور اب جب کہ وہ اس توہین کا جواب دے سکتا تھا تو زہرہ سے اس کا رابطہ ہی نہیں تھا۔ رابطہ ہونے کا امکان بھی نہیں تھا۔ یعنی وہ ازالہ نہیں کر سکتا تھا۔

کامیابی اچھے انسانوں کو عالی ظرف بنا دیتی ہے۔ اس وقت عمران کو بھی زہرہ بہت چھوٹی، غیر اہم اور قابلِ معافی لگی۔ اس نے سوچا، شاید زہرہ توہین نہ کرتی تو مجھے کامیابی کی اتنی لگن بھی نہ ہوتی۔ میں اتنی جدوجہد بھی نہ کرتا۔ ایک لحاظ سے اس کی کامیابی زہرہ کی ہی مرہونِ منت تھی۔ ویسے بھی زہرہ اب اس کے لیے وہ ماضی تھی، جس سے ناتا ٹوٹ چکا تھا، جسے اب لوٹ کر نہیں آنا تھا۔ تو اب وہ اسے خراب انداز میں کیوں یاد کرے۔

یہ بات تو اس نے ابتدا میں ہی سمجھ لی تھی کہ زہرہ اور اس کی محبت اب ماضی کا حصہ ہے اور ماضی پلٹ کر کبھی نہیں آتا۔ اسی لیے تو چھ ماہ پہلے اس نے اپنی امی سے کہہ دیا تھا کہ وہ جہاں چاہیں اس کا رشتہ طے کر دیں۔

"عمران...... اب ہم تمہاری شادی کر دینا چاہتے ہیں۔" امی نے اس سے کہا تھا۔ "اگر تمہیں کوئی لڑکی پسند ہو تو بتا دو۔ ہم اسے ترجیح دیں گے۔"

"نہیں امی۔ ایسی کوئی بات نہیں اور مجھے یقین ہے کہ آپ میرے لیے جو کچھ پسند کریں گی وہ بہترین ہو گا۔" یہ کہتے ہوئے عمران کے دل میں ٹیس سی اٹھی تھی۔

امی اور اس کی بہن فرزانہ اسی دن سے لڑکی تلاش کرنے میں لگ گئی تھیں۔ کبھی کبھی عمران سوچتا کہ کیا لڑکی تلاش کرنا اتنا مشکل اور دیر طلب کام ہے پھر وہ اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیتا۔ اسے اس کی کوئی پروا نہیں تھی کہ یہ کام کب ہوتا ہے۔

پھر ایک دن امی اور فرزانہ دونوں بہت خوش نظر آئیں۔ عمران سمجھ گیا کہ انہیں کوئی لڑکی پسند آ گئی ہے...... بلکہ بہت زیادہ پسند آ گئی لیکن اس نے کرید نہیں کی۔ تین دن بعد فرزانہ نے خود ہی اس سے بات کی۔ "بھیا...... ہم نے بھابی پسند کر لی ہے۔"

"اچھا۔" عمران نے سرسری انداز میں کہا۔

"کیوں۔ اس کے بارے میں کچھ پوچھیں گے نہیں؟" فرزانہ کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"بھئی تم نے پسند کی ہے تو یقیناً کوئی بے مثال لڑکی ہی ہو گی۔"

فرزانہ خوش ہو گئی۔ "یہ تو ہے مگر آپ کو یہ پتا نہیں کہ ہم ان کی تصویر بھی لائے ہیں۔ دکھاؤں آپ کو۔"

عمران کو تصویر کی کوئی پروا نہیں تھی لیکن بہن کا دل رکھنے کے لیے اس نے اشتیاق ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "ارے واہ، دکھاؤ تو۔"

فرزانہ نے تصویر اس کی طرف بڑھا دی۔ وہ پوسٹ کارڈ سے بڑے سائز کی رنگین تصویر تھی، جو کسی تقریب میں لی گئی تھی۔ تصویر میں ایک معمر خاتون کے ساتھ اکیس سال کی ایک لڑکی کھڑی تھی۔ عمران لڑکی کو دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا۔ وہ بلاشبہ بہت حسین لڑکی تھی۔ غیر شعوری طور پر وہ اس کا موازنہ زہرہ سے کرنے لگا۔ زہرہ، خود بہت خوبصورت لڑکی تھی لیکن یہ لڑکی حُسن میں زہرہ سے بہت آگے تھی۔ یہی نہیں، اس کے چہرے پر جو معصومیت تھی، وہ دل کو چھوتی محسوس رہی تھی۔ اسے دیکھ کر عمران کے دل میں ایک کچی، نیم دلانہ مسرت کی لہر اٹھی۔ اس کے لیے یہ ایک چھوٹی سی فتح ہوتی کہ اس کی بیوی زہرہ سے زیادہ خوبصورت ہے۔ اسے فوراً ہی یہ احساس بھی ہو گیا کہ اس کا یہ رویہ بچکانہ ہے۔ وہ اس حسن اور معصومیت سے محظوظ ہونے کی بجائے اپنے انتقامی جذبے کی تسکین کر رہا ہے۔ اسے شرمندگی تو ہوئی لیکن اسے اپنی سوچ پر اختیار بھی نہیں تھا۔

اس نے تصویر فرزانہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "بہت اچھی ہیں لیکن عمر بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔"

فرزانہ نے حیرت سے سے دیکھا پھر مسکرانے لگی۔ "مذاق کر رہے ہیں۔ یہ بھابی کے ساتھ ان کی امی ہیں۔"

"اوہ...... یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔"

اور یہ اسی روز کی بات تھی، جب بخاری صاحب نے اسے دوسرا پروجیکٹ دیتے ہوئے روشن مستقبل کی نوید سنائی تھی۔

عمران نے یہ بات بارہا سنی تھی کہ روپیہ پیسہ عورت کے نصیب سے ہوتا ہے۔ اب وہ اس صورت حال کو اسی زاویے سے دیکھ رہا تھا۔ جس روز زہرہ سے قطع تعلق ہوا تھا، اس کے اگلے روز ہی اسے کمپنی کا انٹرویو لیٹر ملا تھا۔ حالانکہ وہ اس کے لیے کوشش بہت پہلے سے کر رہا تھا اور اس کے پاس سفارش بھی بہت تگڑی تھی۔ شاید یہ اس بات کی

علامت تھی کہ زہرہ اس کے لیے مبارک نہیں تھی۔

اور اس لڑکی ثمینہ کو امی نے جس عرصے میں پسند کیا' اس میں وہ دمٹو کولا کا کمرشل کر رہا تھا۔ جس روز امی اور فرزانہ اس کی تصویر لائیں' وہ دفتر میں بخاری صاحب سے دمٹو کولا کے سلسلے میں داد وصول کر رہا تھا۔ اسے روشن مستقبل کی نوید سناتے ہوئے ایک اور اہم کام سونپا جا رہا تھا۔ تو کیا یہ لڑکی ثمینہ جو امی اور فرزانہ کو بہت زیادہ پسند آگئی ہے' اس کے اور اس کے مستقبل کے لیے مبارک ہے۔

عمران کو اچانک احساس ہوا کہ شاید ترک تعلق کے باوجود وہ ترک محبت نہیں کر سکا ہے۔ اس ہاری ہوئی محبت سے لڑنے کے لیے' اسے دل سے نکالنے کے لیے وہ ان تاویلات کا سہارا لے رہا ہے۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں۔ ایک دیانت دارانہ ازدواجی زندگی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے دل سے محبت کے اس آسیب کو شعوری کوشش کے ذریعے نکال باہر کرے۔ ورنہ یہ تو ثمینہ کے ساتھ زیادتی ہوگی اور یہ کام کچھ مشکل بھی نہیں تھا۔ وہ خوب دیکھ چکا تھا کہ زہرہ کس قدر سطحی لڑکی ہے۔ اس کے نزدیک کامیابی بھی دولت سے ناپی جانے والی چیز ہے اور جہاں تک خوب صورتی کا تعلق ہے' ثمینہ زہرہ سے بدرجہا خوب صورت ہے۔

اس نے سر جھٹکا' جس کی اب اسے عادت سی ہوگئی تھی۔ اس نے سوچوں کو ذہن سے جھٹکتے ہوئے خود کو یاد دلایا کہ اب دفتری ذمے داریاں بڑھ گئی ہیں اور وہ ان سوچوں میں وقت ضائع کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اب اسے قوت متخیلہ سے مالا مال عملی آدمی بننا ہے۔ تخلیق کے سلسلے میں استعمال کرنا ہے۔ اسے خود کو ڈسپلن کرنا ہوگا۔

☆=====☆======☆

اس شام ایاز محمود بہت پریشان نظر آرہے تھے۔ "بھئی آپ کیوں پریشان ہیں۔" دردانہ بیگم نے ان سے کہا۔ "پریشان تو مجھے ہونا چاہیے۔"

"اسی لیے تو پریشان ہوں کہ تم پریشان کیوں نہیں ہو۔" ایاز صاحب نے برجستہ کہا۔

"واقعی' پریشان تو مجھے ہونا چاہیے تھا لیکن نہیں ہوں۔" دردانہ بیگم بولیں۔ "شاید اس لیے کہ مجھے یقین ہے' ثمینہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ وہ عمران کو بہت خوش رکھے گی۔ یہی نہیں' مجھے یہ بھی یقین ہے کہ وہ بالآخر ہمارے ہی ساتھ آکر رہے گی۔"

"اس یقین کی کوئی وجہ؟"

"بات یہ ہے کہ وہ لوگ بہت اچھے ہیں۔ اولاد کی بہت اچھی تربیت کی ہے انہوں نے۔ آپ نے دیکھا نہیں' اس شرط کا تذکرہ کرتے وقت وہ لوگ کتنے شرمندہ نظر آرہے تھے۔ کتنی معذرت تھی ان کے لہجوں میں۔"

"تو پھر؟"

"ایسے گھر کی بچی ایسی کوئی شرط عائد کرے تو ضرور کوئی خاص بات ہوگی۔ کیا پتا' وہ ہمیں آزما رہی ہو۔ بہر حال مجھے یقین ہے کہ آخر میں وہ ساتھ ہی رہے گی۔ مجھے نہ تو وہ سرکش لگتی ہے نہ نافرمان۔"

"عجیب منطق ہے تمہاری۔" ایاز صاحب جھنجلا گئے۔ "شرط یہ سوچ کر قبول کر رہی ہو کہ اس پر عمل درآمد نہیں ہوگا۔ بعد میں روؤ گی اور بہو کو برا بھلا کہو گی۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔" دردانہ بیگم نے بے حد رسان سے کہا۔ "اگر وہ الگ بھی رہے تو مجھے دکھ نہیں ہوگا۔ اگر کوئی ایسی بہو لے آئے' جو ابتدا میں تو ساتھ رہے اور بعد میں تلخی اور لڑائی جھگڑے کے بعد علیحدہ ہوئی تو وہ زیادہ تکلیف دہ بات ہوگی۔ یہ بات بہتر ہے کہ ابتدا ہی سے بیٹا علیحدہ رہے پھر میں روایتی ساس بھی نہیں۔ دل سے کہہ رہی ہوں کہ اسے بیٹی کی طرح چاہوں گی۔ تو ممکن ہے کہ میں اسے جیت لوں۔ نہیں تو کوئی فرق پڑتا۔ میں تو عمران کی خوشی میں خوش ہوں۔"

"ہاں۔ یہ معقول بات ہے۔" ایاز صاحب نے سرہلا کر کہا۔

دردانہ بیگم نے انہیں بہت غور سے دیکھا۔ "خیر مائیں تو بیٹوں سے چمٹ کر رہنا چاہتی ہیں۔ باپ تو ایسے نہیں ہوتے۔ آپ کیوں پریشان ہیں۔"

"میں تو عمران کی طرف سے پریشان ہوں۔" ایاز صاحب نے گہری سانس لے کر کہا۔ "وہ یہ شرط سن کر بھڑک جائے گا۔ میں یہ نہیں چاہتا۔ ہمارے معاشرے میں شادی محض دو افراد کا نہیں' دو گھرانوں کا ملاپ ہوتی ہے۔ مجھے یہ لوگ بہت اچھے لگے ہیں۔ میں یہاں ہر حال میں رشتہ جوڑنا چاہتا ہوں۔ جہاں تک اس شرط کا تعلق ہے تو میرے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں۔"

دردانہ بیگم سوچ میں پڑ گئیں۔ چند لمحے بعد انہوں نے کہا۔ "تو ایسا کرتے ہیں کہ عمران کو اس شرط کے بارے میں بتاتے ہی نہیں۔ ہم اس سے کہہ دیں گے کہ ہم چاہتے

ہیں کہ شادی کے بعد وہ اپنی بیوی کے ساتھ الگ گھر میں رہے۔"

"بچکانہ بات مت کرو۔" ایاز صاحب نے درشتی سے کہا۔ "اتنے بڑے معاملات میں جھوٹ سے کام نہیں چلتا۔ بعد میں حقیقت معلوم ہوئی تو جانتی ہو' کتنی بڑی خرابی پیدا ہوگی۔ ہمیں عمران کو سب کچھ سچ سچ بتانا ہوگا۔"

"خیر' آپ فکر نہ کریں۔ عمران کو میں سنبھالوں گی۔"

☆======☆======☆

دردانہ بیگم اور ایاز محمود کو اندازہ نہیں تھا کہ دوسری طرف بھی اس مسئلے پر ایسی ہی گفتگو ہوئی تھی۔ انیس الرحمان سے ان کی بیوی سلطانہ نے بھی یہی کہا تھا کہ ثمینہ کو ایک طرف ہٹا کر بات اپنے اوپر لے لی جائے۔

"نہیں بیگم۔ یہ غلطی ہرگز نہ کرنا۔" انیس صاحب نے کہا تھا۔

"کیوں۔ اس میں حرج ہی کیا ہے۔ اس طرح ثمینہ کا تاثر تو خراب نہیں ہوگا۔"

"دیکھو......... ایک تو یہ بات انہیں عجیب لگے گی کہ ابتدا میں ہم نے کوئی شرط نہیں لگائی۔ بلکہ ہمیشہ بہت اچھی طرح ان کی پذیرائی کی۔ اب انہیں ہمارا یہ مطالبہ غیر فطری معلوم ہوگا اور وہ بدگمانیوں میں مبتلا ہونے لگیں گے۔ وہ سوچیں گے کہ ہم یہ رشتہ کرنا نہیں چاہتے۔ یوں ایک بے حد منفی تاثر ان پر مرتب ہوگا پھر وہ اس کی وجوہات پر بھی سوچنے بیٹھ جائیں گے۔ خواہ مخواہ کی پیچیدگیاں پیدا ہوں گی۔ دوسرے اتنے بڑے معاملات میں جھوٹ بولنا بھی نہیں چاہیے انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ ثمینہ کا مطالبہ ہے۔ ورنہ بعد میں یہ بات سامنے آئے گی تو بڑی تلخیاں پیدا ہوں گی۔"

"مگر یہ تو سوچیں کہ اس طرح بات ختم بھی ہو سکتی ہے۔ مجھے وہ لڑکا اتنا اچھا لگا ہے کہ بتا نہیں سکتی۔"

"مجھے وہ لڑکا تم سے زیادہ اچھا لگا ہے۔ مجھے اس کی فیملی بہت پسند آئی ہے۔ میں بھی یہ رشتہ نہیں گنوانا چاہتا لیکن جھوٹ بولنے کے حق میں بھی نہیں ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہاری بیٹی نے کیسے عجیب نظریات پال رکھے ہیں۔"

"یہ بھی خوب ہے۔" سلطانہ تلخی سے مسکرائیں۔ "وہ کوئی ناپسندیدہ حرکت کرے تو میری بیٹی۔ ورنہ آپ کی ہے۔"

"ان باتوں کو چھوڑو۔ یہ فکر کرو کہ ان سے یہ بات کیسے کہی جائے۔"

"یہ فکر آپ کریں۔ اس لیے کہ یہ بات آپ ہی کو کہنی ہے ان سے۔ مجھ پر چھوڑیں گے تو میں تو اپنے سر لے لوں گی وہ شرط۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ہی دیکھ لوں گا۔" انیس صاحب بولے۔

☆======☆======☆

عمران اس روز بہت خوش تھا۔ اس کا دل تو چاہ رہا تھا کہ گھر پہنچتے ہی خوش خبری سب کو سنا دے لیکن اس نے خود کو روکے رکھا۔ یہ خوش خبری کھانے کے بعد ہی بہتر رہتی۔ امی کا مزاج ایسا تھا کہ خوشی ہو یا پریشانی' ان کی بھوک مرجاتی تھی۔

لیکن کھانے کے دوران اسے اندازہ ہوا کہ امی اس سے کچھ کہنا چاہتی ہیں۔ وہ کچھ فکرمند بھی نظر آرہی تھیں اور ہچکچا بھی رہی تھیں۔

"کیا بات ہے امی۔ کچھ پریشان ہیں؟" اس نے امی سے کہا۔

"نہیں تو۔ بلکہ میں تو خوش ہوں۔"

"لگتا تو نہیں ہے ایسا۔ میرا خیال ہے' آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہیں۔"

دردانہ بیگم نے گہری سانس لی۔ "ہاں۔ بات تو میں کرنا چاہتی ہوں۔ تمہاری شادی سے متعلق ہے۔"

"شادی؟ یہ معاملہ تو میں پوری طرح آپ کے سپرد کرچکا ہوں۔ آپ کو مکمل اختیار ہے۔ مجھ سے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں۔"

دردانہ بیگم قدرے مطمئن نظر آنے لگیں۔ "یہ تو تمہاری سعادت مندی ہے بیٹے لیکن پھر بھی کچھ باتوں کا تمہارے علم میں آنا ضرور ہے۔"

"میری تو سمجھ میں نہیں آتا........."

عمران نے چونک کر باپ کو دیکھا۔ وہ بہت سنجیدہ نظر آرہے تھے۔ "ٹھیک ہے امی۔" اس نے ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "پہلے میں یہ بتادوں کہ یہ لڑکی ثمینہ مجھے اتنی اچھی لگی ہے کہ اب دنیا کی کوئی لڑکی میری نظروں میں نہیں جچ سکتی۔ پھر گھرانا بھی بہت اچھا ہے۔ یعنی تمام انفرادی اور اجتماعی خوبیاں اس رشتے میں موجود ہیں۔ میں یہ تمہیں اس لیے بتا رہی ہوں کہ اس لڑکی کو بہو بنانے کے لیے میں ہر شرط قبول کرسکتی ہوں اور یہ صرف میرے ہی نہیں' تمہارے ابو کے بھی یہی جذبات ہیں۔"

عمران نے باپ کی طرف دیکھا۔ وہ سرکو تائیدی جنبش دیتے ہوئے بولے۔ "یہ

درست ہے بیٹے۔ اگر ان کی جگہ میں بیان کررہا ہوتا تو شاید اس سے زیادہ ہی تعریف کرتا۔ وہ لوگ واقعی بہت اچھے ہیں بیٹے۔"

"تو پھر مسئلہ کیا ہے؟" عمران قدرے جھنجلا گیا۔ "میں تو پہلے ہی امی کو مکمل اختیار سونپ چکا ہوں۔"

"سوچ لو۔ ایسا نہ ہو کہ بعد میں وہ اختیار واپس لے لو۔" ایاز صاحب نے کہا۔

"آپ مجھے ایسا سمجھتے ہیں۔" عمران کے لہجے میں شکایت تھی۔

"یہ بات نہیں بیٹے۔" دردانہ بیگم نے جلدی سے کہا۔ "ایک بات ایسی ہے کہ مجھے تو وہ اہم نہیں لگی لیکن تم اس پر بھڑک سکتے ہو۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ شادی کے بعد تمہیں اپنا گھر الگ بسانا ہوگا۔ تم ہمارے ساتھ نہیں رہو گے۔"

عمران بری طرح چونکا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے امی۔ کیا یہ ان لوگوں کی شرط ہے؟"

"ان لوگوں کی نہیں، یہ ثمینہ کی شرط ہے۔" دردانہ بیگم نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔

"اور یہ میرے لیے ناقابلِ قبول ہے۔ یہی نہیں، اب تو میں اس لڑکی کو بھی قبول نہیں کرسکتا۔"

"تم خواہ مخواہ بھڑک رہے ہو۔ اگر یہ بات میرے لیے قابلِ قبول ہو سکتی ہے تو تمہارے لیے کیوں نہیں ہو سکتی۔"

"نہیں امی۔ یہ ممکن ہی نہیں......" عمران اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم بھول رہے ہو کہ مجھے مکمل اختیار دے چکے ہو۔"

"امی......... میں اس لڑکی کو کبھی عزت نہیں دے سکوں گا۔ محبت تو بہت دور کی بات ہے۔"

"بس آئندہ اختیار کی بات مت کرنا۔" دردانہ بیگم نے خفگی سے کہا۔

عمران نے بے بسی سے باپ کی طرف دیکھا۔ وہ بولے۔ "بیٹا، تم اس بات کو اہمیت نہیں دے رہے ہو کہ میں اور تمہاری امی دونوں اس شرط کے باوجود تمہاری شادی وہیں کرنا چاہتے ہیں تو کوئی خاص بات ہی ہوگی۔ یہ سچ ہے کہ اس شرط کے باوجود وہ لڑکی ہمیں تفرقہ ڈالنے والی نہیں لگتی۔"

"اور تم اس انداز میں نہیں سوچتے کہ اگر کسی لڑکی نے تمہاری بیوی بننے کے بعد

صرف علیحدہ گھر بسانے کے لیے اس گھر کو جہنم بنا دیا تو کیا کرو گے۔" دردانہ بیگم نے کہا۔ "تب بھی تو علیحدگی اختیار کرنا پڑے گی تمہیں۔"

"جی نہیں۔ میں اس پر بیوی سے علیحدگی اختیار کر سکتا ہوں لیکن ایسا نہیں کر سکتا۔"

"یہ بات غیر حقیقت پسندانہ ہے۔" ایاز صاحب نے نرم لہجے میں کہا۔ "لیکن ابھی تم اس بات کو نہیں سمجھ سکتے۔ اولاد کی خاطر مرضی کے خلاف بھی بہت کچھ گوارا کرنا پڑتا ہے بیٹے۔ ہم زیادہ سمجھتے ہیں، زندگی گزار چکے ہیں۔ جب کہ تم زندگی شروع کرنے والے ہو۔"

تخیل کے حوالے سے ایک طعنہ تو عمران کے دل میں پہلے ہی سے چبھ رہا تھا۔ حقیقت پسندی کا یہ درس اسے بہت برا لگا لیکن جانتا تھا کہ ابو نے محبت سے یہ بات کہی ہے اور اس میں صداقت بھی ہے۔ "ٹھیک ہے امی۔ آپ کو اختیار پہلے ہی دے چکا ہوں۔ آپ جو چاہیں کریں لیکن شرط کے جواب میں ایک شرط میری بھی ہے مکان یا فلیٹ جو بھی ہو، وہ لوگ مجھے دیں گے۔"

دردانہ بیگم اور ایاز محمود دونوں سناٹے میں آگئے پھر ایاز صاحب نے سنبھلتے ہوئے کہا۔ "بیٹے، یہ مناسب نہیں کہ شرط کے جواب میں شرط عائد کی جائے۔"

"بس تو پھر اس رشتے کا خیال دل سے نکال دیں۔" عمران نے کہا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ "میری شرط بھی حتمی ہے۔" جاتے جاتے اس نے پلٹ کر کہا۔

دردانہ بیگم اور ایاز محمود نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر ایاز محمود مسکرائے۔ "چلو اچھا ہے۔ شرمندگی بھی برابر ہو جائے گی۔" انہوں نے کہا۔ "اولاد شرمندہ کرانے پر آجائے تو خوب شرمندہ کراتی ہے۔ اب کل ہماری شرمندگی کا دن ہے۔ تیاری کرلو۔"

دردانہ بیگم کچھ نہیں بولیں۔ ان کی پیشانی پر شکنیں تھیں۔

☆======☆======☆

انیس صاحب نے پوری بات سننے کے بعد ایاز محمود اور دردانہ کو دیکھا، جو مجرموں کی طرح سر جھکائے بیٹھے تھے اور بے حد شرمندہ نظر آرہے تھے۔ "تو بھائی آپ ایسے سر جھکا کر کیوں بیٹھ گئے؟" انہوں نے کہا۔

"آپ نہیں سمجھ سکتے کہ یہ بات کہہ کر ہم کتنے شرمندہ ہیں۔" ایاز صاحب نے سر

اٹھائے بغیر کہا۔ "ہمیں یہ رشتہ عزیز نہ ہوتا تو ہم کبھی آپ کا سامنا نہ کرتے۔"

"ہم سمجھ سکتے ہیں۔" انیس صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کیونکہ ہم پہلے ہی اس مرحلے سے گزر چکے ہیں اور ہماری شرمندگی زیادہ بڑی تھی۔ کیونکہ ہم لڑکی والے تھے۔ اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ہم پر کیا گزری تھی۔"

"میں یہ سوچ کر حیران ہوں کہ اولاد انسان کو اتنا شرمندہ بھی کرا سکتی ہے۔" ایاز محمود بولے۔

"ہوتا ہے ایاز صاحب۔ بچے ہیں لیکن اس میں عمران کو قصوروار نہیں سمجھتا۔ اس کا ردِ عمل فطری ہے۔ ثمینہ کی بے ہودہ شرط کے جواب میں اسے بھی کوئی نہ کوئی شرط تو لگانی ہی تھی۔ مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ جوابی شرط عائد کرتے ہوئے اس نے ثمینہ کی شرط کو ہی سامنے رکھا۔ اس سے اچھی شرط لگا ہی نہیں سکتا تھا وہ۔"

"آپ بھی کمال کرتے ہیں بھائی صاحب۔" دردانہ بیگم بولیں۔ "ہمارا تو شرمندگی سے برا حال ہے۔"

"شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں بہن۔" انیس صاحب نے کہا۔ "میں آپ کو ایک راز کی بات بتا رہا ہوں۔ عمران میاں کو فلیٹ تو میں ویسے ہی دے رہا تھا اور ثمینہ کی شرط کے بعد میں نے یہ فیصلہ بھی کر لیا تھا کہ فلیٹ عمران ہی کے نام کروں گا۔ اب اگر عمران میاں نے کچھ مانگا ہے تو وہ درحقیقت ان کی اپنی ہی چیز ہے۔ اس سے نہ آپ پر کچھ اثر پڑتا ہے نہ ہم پر۔ اس بات کو دل پر نہ لیں۔"

"یہ تو آپ کی اعلیٰ ظرفی ہے بھائی صاحب کہ بات اس طرح برابر کر رہے ہیں۔" دردانہ بیگم نے کہا۔

"یہ بات نہیں۔" سلطانہ پہلی بار بولیں۔ "میں اس بات کی گواہ ہوں کہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے' سچ ہے۔ یہ بات تو ہم پہلے ہی طے کر چکے تھے۔"

ایاز صاحب نے نظریں اٹھائیں۔ "ہم بہرحال آپ کے شکر گزار ہیں۔"

"شکر گزار تو ہمیں ہونا چاہیے۔ اصولاً تو ثمینہ کی شرط پر یہ رشتہ ہی ٹوٹ جانا تھا۔ خیر' اب اس موضوع پر آئندہ بات نہیں ہوگی۔" انیس صاحب بولے۔

"تو اب ہم تاریخ لینے آجائیں؟" دردانہ بیگم نے پوچھا۔ سلطانہ مسکرائیں۔ "جب آپ کا جی چاہے۔ بس ہمیں مطلع کر دیجیے گا۔"

☆======☆======☆

سب کچھ اتنی تیزی سے بدلا تھا کہ عمران خود بھی حیران تھا۔ دفتر میں اب اس کا ایک الگ کمرا تھا' ایک سیکرٹری بھی تھی۔ کئی دن تک تو وہ اس کمرے میں یوں داخل ہوتا رہا' جیسے کسی اور سے ملنے کے لیے آیا ہو۔ وہ بہت بڑی تبدیلی تھی۔ وہ اس سے مطابقت پیدا نہیں کر پا رہا تھا۔

اس عرصے میں ایک بات مایوس کن ہوئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی فلیٹ یا مکان کی شرط کے بعد وہ رشتہ ختم ہو جائے گا لیکن امی نے اسے بتایا کہ لڑکی والوں نے بلا تامل اس کی شرط قبول کر لی ہے۔ حسبِ سابق وہ دیر تک لڑکی اور اس کے گھر والوں کی تعریف کرتی رہیں۔

عمران ثمینہ کے سلسلے میں تضادات کا شکار ہو گیا تھا۔ ایک طرف تو اسے اس سے چڑ سی ہو گئی تھی۔ اس کی وجہ صرف اس کی وہ شرط تھی۔ وہ سوچتا کہ جو لڑکی شادی سے پہلے اس طرح شرط عائد کر رہی ہے' وہ کیسا تحکمانہ مزاج رکھتی ہوگی۔ ایسی لڑکی کے ساتھ پوری زندگی گزارنے کا تصور اس کے لیے بے حد ڈراؤنا تھا۔ اسے لگتا تھا کہ وہ ہر وقت اسے بتاتی رہے گی کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو پھر اپنے گھر سے دوری کا تصور بھی بہت ناگوار تھا۔

البتہ ایک بات اس کی ڈھارس بندھاتی تھی۔ امی اور ابو نے اس شرط کو اتنی خوش دلی سے اور ذرا ہچکچائے بغیر قبول کیا تھا تو اس کا واضح مطلب تھا کہ انہیں لڑکی بھی بہت زیادہ پسند آئی ہے اور اس کے گھر والے بھی۔ ورنہ مائیں تو شادی کے بعد بھی بیٹوں کی علیحدگی کے تصور کو آسانی سے قبول نہیں کرتیں۔ امی کا کہنا کہ اول تو لڑکی کی شرط کا یہ مطلب ہے ہی نہیں کہ وہ اسے اس کے گھر والوں سے الگ کرنا چاہتی ہے پھر اسے محبت سے جیتا بھی جا سکتا ہے۔ انہوں نے عمران سے کہا تھا کہ وہ خود اس سلسلے میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ ممکن ہے' لڑکی نے روایتی ساسیں دیکھی بھی ہوں اور ان کے قصے بھی پڑھے ہوں۔ اس وجہ سے وہ خائف ہو۔ تو وہ خوف اپنے طرز عمل سے دور بھی کیا جا سکتا ہے۔ امی نے یہ بھی دعوے سے کہا تھا کہ ثمینہ پورے گھر کو یکجا رکھنے والی اور گھر کو بنانے والی بہو ثابت ہوگی۔ امی اور ابو کی رائے کو وہ نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ بہرحال انہوں نے ایک دنیا دیکھی تھی اور اچھے برے کی پہچان انہیں اس سے بہت زیادہ تھی۔

دوسری طرف اس کے ذہن میں بار بار یہ خیال آتا تھا کہ ثمینہ اس کے لیے مبارک ہے۔ اس کے علاوہ ثمینہ کی تصویر نے بھی اسے بہت متاثر کیا تھا۔ وہ جس فیلڈ میں تھا' اس میں آدمی میں قیافہ شناسی خود بخود آجاتی ہے۔ اس فیلڈ میں آنے کے بعد لڑکیاں اس نے بہت دیکھی تھیں۔ ثمینہ کے چہرے پر بلا کی نرمی اور معصومیت تھی۔ ایسے چہروں والی لڑکیوں کو اس نے بہت سخت اور حاکمانہ مزاج رکھنے والی بھی دیکھا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ آنکھیں بہت کچھ بتا دیتی ہیں۔ فطرت کی سختی آنکھوں میں ضرور جھلکتی ہے۔ جب کہ ثمینہ کی آنکھیں بھی ایسی نہیں تھیں۔

ثمینہ کی وہ تصویر اس نے لے لی تھی۔ وہ تصویر دیکھتا اور حیران ہوتا کہ کیا یہ لڑکی شادی جیسے معاملے میں ایسی شرط عائد کرسکتی ہے؟ عقل یہ بات تسلیم نہیں کرتی تھی لیکن ہوا یہی تھا۔ پھر عمران ایک اور زاویے سے اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرتا تو اور حیران ہوتا۔ یہ بات طے تھی کہ کوئی بے وقوف سے بے وقوف لڑکی بھی شادی سے پہلے ایسی کوئی شرط عائد نہیں کرسکتی۔ جن لڑکیوں نے پہلے سے ہی علیحدہ رہنے کا سوچا ہو' وہ بھی ایسی غلطی نہیں کرتیں۔ ہاں شادی کے بعد وہ حالات کو اس نہج پر لے جاتی ہیں' جہاں یہ ناگزیر ہوجاتا ہے۔ اس کے لیے بھی وہ پہلے شوہر کا دل جیتنے کی ترکیبیں کرتی ہیں۔ تحکمانہ انداز اختیار نہیں کرتیں۔ بلکہ اطاعت شعار بیوی بن کر دکھاتی ہیں۔

تو پھر ثمینہ نے حماقت کیوں کی؟ اس سوال کا ایک ہی ممکنہ جواب ذہن میں آتا تھا۔ وہ یہ کہ ثمینہ یہ شادی نہیں کرنا چاہتی اور عمران کے لیے یہ بات نہایت تکلیف دہ تھی۔ وہ تو ایک بار پہلے محبت کے معاملے میں رد کیا جاچکا تھا مگر پھر وہ سوچتا کہ جو لڑکی اتنے بولڈ انداز میں ایسی شرط عائد کرسکتی ہے' وہ شادی سے صاف انکار کیوں نہیں کرسکتی۔ جب کہ شرط کے مقابلے میں انکار زیادہ آسان ہے۔ یہ دلیل اتنی زوردار تھی کہ عمران الجھ کر رہ گیا۔

عمران کی ایک کمزوری تھی۔ وہ زہرہ سے زیادہ حسین لڑکی سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ زہرہ بہت حسین لڑکی تھی لیکن تصویر سے ہی اندازہ ہورہا تھا کہ ثمینہ زہرہ کے مقابلے میں کہیں زیادہ حسین ہے اور سچی بات یہ ہے کہ عمران ثمینہ کو پسند کرنے لگا تھا۔ اب تو اسے علیحدہ رہنے کی شرط کے معاملے میں بھی اچھائی کا پہلو نظر آنے لگا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ کم از کم اس لڑکی میں منافقت تو نہیں ہے۔ ورنہ لڑکیاں سسرال سے علیحدہ ہونے کے معاملے

میں سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے کے مقولے پر عمل کرتی ہیں۔

عمران نے ماں سے کہا کہ وہ ثمینہ کو دیکھنا چاہتا ہے۔ دردانہ بیگم نے شادی کی ایک تقریب میں اس کا سامان بھی کردیا۔ عمران نے ثمینہ کو اس طرح دیکھا کہ ثمینہ کو خبر تک نہیں ہوئی۔ یوں دیکھنے میں وہ پوری طرح ثمینہ کا اسیر ہوگیا لیکن ساتھ ہی اس کی الجھنیں بھی بڑھ گئیں۔

ثمینہ اپنی تصویر سے زیادہ حسین تھی۔ عمران اسے دیکھ کر مبہوت ہوگیا۔ یہ خیال اس کے دل میں سما گیا کہ اس لڑکی سے شادی کرنا اس کی خوش قسمتی ہی ہوگی۔ وہ اس کی آنکھوں میں کچھ تلاش کرتا رہا لیکن ان میں سختی کی کوئی جھلک نہیں تھی۔ وہ تو بہت نرم خو' خوش اخلاق' خوش اطوار اور خوش گفتار لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ اس کی الجھن اور بڑھ گئی کہ ایسی لڑکی اس طرح کی شرط عائد کرسکتی ہے؟

بہرحال اب وہ اس شادی کے لیے ذہنی طور پر تیار تھا.......... بلکہ بے چینی سے منتظر تھا۔

☆======☆======☆

شادی کی تاریخ طے ہوگئی۔ شادی سے ایک ہفتہ پہلے عمران کی سیکریٹری نے اسے بتایا کہ کوئی صاحب اسے ملنا چاہتے ہیں۔ اپنا نام انیس الرحمٰن بتاتے ہیں۔ عمران کو حیرت ہوئی۔ وہ گھر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ انیس صاحب کا نام سن کر وہ خود کمرے سے نکل آیا۔ "آپ نے کیوں زحمت کی۔ مجھے بلوالیا ہوتا۔" اس نے انیس صاحب کو سلام کرنے کے بعد کہا۔

"بس تمہیں ساتھ لے کر کہیں جانا تھا بیٹے۔ اسی لیے چھٹی کے وقت پر آیا ہوں۔" انیس صاحب نے کہا۔

"آیئے.......... بیٹھیں گے نہیں کچھ دیر؟"

انیس صاحب بیرونی کمرے کا جائزہ لے رہے تھے۔ "کیوں نہیں۔" انہوں نے بے دھیانی سے کہا۔ "پانچ منٹ بیٹھنے میں کوئی حرج بھی نہیں۔"

عمران انہیں اپنے دفتر میں لے گیا.......... دفتر کی آرائش دیکھ کر وہ اور متاثر ہوئے۔

"انکل.......... کولڈ ڈرنک لیں گے یا کافی منگواؤں؟" عمران نے پوچھا۔

"کچھ نہیں بیٹے۔ بس ایک گلاس ٹھنڈا پانی۔"

عمران نے سیکریٹری سے پانی لانے کو کہا اور انیس صاحب کی طرف متوجہ ہوگیا۔ وہ اسی کو دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں سیکریٹری پانی لے آئی۔ انیس صاحب نے گلاس خالی کر کے طشتری پر رکھا۔ سیکریٹری گلاس لے کر واپس چلی گئی۔

"ایک بات پوچھوں بیٹے۔ یہ دفتر تمہارے عہدے سے مطابقت تو نہیں رکھتا۔" انیس صاحب نے کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں انکل۔ تین ماہ پہلے مجھے ایگزیکٹو عہدے پر ترقی دے دی گئی تھی۔" عمران نے بتایا۔

"ہمیں تو علم نہیں اس کا۔"

"میں نے امی ابو کو منع کردیا تھا۔ میں سرپرائز دینا چاہتا تھا آپ لوگوں کو۔"

"اور مجھے واقعی حیران کردیا تم نے۔ اچھا......... اب چلیں؟"

"جو حکم آپ کا۔ جانا کہاں ہے؟"

"چلو تو۔ میں تو تمہیں سرپرائز بھی نہیں دے سکتا۔"

عمران جھینپ گیا۔ وہ دونوں باہر نکل آئے۔ "ٹرانسپورٹ کا کیا کرتے ہو تم؟" انیس صاحب نے پوچھا۔

"جی......... بائیک ہے میرے پاس۔"

"بائیک یہاں چھوڑ دو تو کوئی حرج تو نہیں۔" انیس صاحب نے پوچھا۔ "میرا مطلب ہے' محفوظ تو رہے گی نا؟"

"جی ہاں۔ بشرطیکہ واپسی میں زیادہ دیر نہ لگے۔" عمران نے جواب دیا۔

"دو گھنٹے تو لگیں گے۔ آؤ میرے ساتھ۔" وہ اسے اپنی بلیو ٹیوٹا کرولا کے پاس لے گئے۔ انہوں نے چابی لگا کر دروازہ کھولا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے کے بجائے وہ گھوم کر آئے اور اس کے لیے دروازہ کھولا۔ "بیٹھو۔"

عمران کو بہت شرمندگی محسوس ہورہی تھی۔ ایک بزرگ کی طرف سے ایسا رسمی برتاؤ اسے عجیب سا لگ رہا تھا۔ جب کہ رشتہ بھی ایسا تھا۔

چند لمحے بعد گاڑی پُرہجوم سڑکوں پر دوڑ رہی تھی۔ "کام تمہارا بے حد دلچسپ ہے؟" اچانک انیس صاحب نے پوچھا۔

کچھ دیر اسی موضوع پر گفتگو ہوتی رہی پھر اچانک انیس صاحب نے موضوع بدل دیا۔ "ڈرائیونگ آتی ہے تمہیں؟"

"جی ہاں۔ سیکھی تو ہے۔"

"اچھا کیا۔ کام آئے گی۔"

عمران کو اندازہ ہوگیا کہ وہ گلستان جوہر کی طرف جارہے ہیں۔ ذرا دیر بعد اس کے اندازے کی تصدیق ہوگئی۔ وہ گلستان جوہر کے علاقے میں داخل ہوچکے تھے اور اب اس طرف بڑھ رہے تھے' جہاں آبادی کم تھی۔ البتہ مختلف رہائشی پروجیکٹس کی تعمیر کا کام ہورہا تھا۔

انیس صاحب نے ایک اپارٹمنٹ ہاؤس کے سامنے گاڑی روک دی۔ وہ عمارت ہر اعتبار سے مکمل تھی۔ رنگ روغن تک مکمل ہوچکا تھا۔ نیاپن الگ سے نظر آرہا تھا۔ ایک نظر میں اندازہ ہوگیا کہ بلڈنگ حال ہی میں مکمل ہوئی ہے۔ کچھ فلیٹ آباد نظر آرہے تھے لیکن بیشتر ابھی خالی تھے۔ بلڈنگ کا صرف ایک ہی بلاک تھا۔ فلیٹ بھی بہت قیمتی معلوم نہیں ہوتے تھے۔

انیس صاحب نے نیچے اتر کر گاڑی کو لاک کیا۔ عمران پہلے ہی اتر چکا تھا۔ اسی وقت ایک ادھیڑ عمر مگر تنومند آدمی ان کی طرف آیا۔ اس نے انیس صاحب کو بہت ادب سے سلام کیا۔ "تم یہیں رکو رمضان۔" انیس صاحب نے کہا۔ "ہم بھی آتے ہیں۔"

"بہتر صاحب جی۔"

انیس صاحب عمران کو لے کر بلڈنگ کے گیٹ کی طرف بڑھ گئے۔ زینے چڑھ کر وہ دوسری منزل پر پہنچے اور داہنی جانب والے فلیٹ کے دروازے پر رک گئے۔ انہوں نے جیب سے چابی نکالی اور عمران کی طرف بڑھائی۔ "لو میاں' بسم اللہ کرو۔"

عمران گڑبڑا گیا۔ "کیا مطلب انکل؟"

"ارے بھئی' یہ تمہارا فلیٹ ہے۔ اب اسے دیکھو چل کر........." عمران ہچکچا رہا تھا۔ اس نے ابھی تک چابی لینے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔

"لونا بیٹے۔ ہچکچا کیوں رہے ہو۔"

عمران نے چابی لی' دروازہ کھولا۔ پہلے اندر بھی وہی داخل ہوا۔ فلیٹ اس کے لیے جہانِ حیرت ثابت ہوا۔ وہاں صرف فرنیچر ہی نہیں تھا۔ بلکہ ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔

کچن تک میں ضرورت کی ہر چیز تھی۔ فلیٹ میں پانچ کمرے تھے۔ تین بیڈ روم تھے اور کہیں کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ اسے دیکھ کر لگتا تھا کہ کوئی بڑی فیملی پہلے سے فلیٹ میں رہ رہی ہے۔ اگر ہر چیز نئی نہ ہوتی تو عمران یہی سمجھتا کہ فلیٹ کسی کے استعمال میں ہے۔

"انکل........ یہ سب کیا ہے؟" عمران نے متوحش ہو کر پوچھا۔

"یہ تمہارا فلیٹ ہے بیٹے۔ تم یہی چاہتے تھے نا۔"

عمران شرمندگی سے کٹ کر رہ گیا۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ یہ تو تمہاری شرط تھی بیٹے۔ اسی لمحے اس کی سمجھ میں امی اور ابو کی بات آگئی' جوان لوگوں کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے تھے۔ اس لمحے اسے انیس الرحمٰن بہت اچھے لگے۔ "پھر بھی انکل' اتنے بڑے فلیٹ کی کیا ضرورت تھی؟" اس نے شرمندگی سے کہا۔

"ضرورت تو واقعی نہیں تھی لیکن میں نے سوچا' شاید اتنے بڑے فلیٹ میں دو افراد رہیں تو کنبے کے ساتھ رہنے کی اہمیت ذرا جلدی سمجھ لیں گے۔"

عمران کو اور شرمندگی ہوئی۔ انیس صاحب کے لہجے میں طنز کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ بلکہ خلوص تھا۔ فلیٹ میں اس کا دم گھٹنے لگا۔ وہ جلد از جلد باہر نکل جانا چاہتا تھا۔ "اب چلیں انکل؟" اس نے کہا۔

"چلتے ہیں۔" انیس صاحب نے کہا۔ انہوں نے اپنا بریف کیس کھول کر اس میں سے کچھ دستاویزات نکال کر اس کی طرف بڑھائیں۔ "یہ رکھ لو بیٹے۔"

عمران نے دستاویزات لے لیں اور سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھے۔ اس نے کاغذات پر نظر ڈالی۔ وہ فلیٹ کے مالکانہ حقوق کے کاغذات تھے........ اور ملکیت کے خانے میں اس کا نام تھا' "یہ........ انکل یہ سب کیا ہے؟"

"یہ فلیٹ تمہارا ہی تو ہے بیٹے۔"

"لیکن اتنا پہلے........ میرا مطلب ہے انکل........ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ........" عمران کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اپنی بات کس طرح کہے۔

"کچھ مت کہو۔ میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔" انیس صاحب نے مشفقانہ لہجے میں کہا۔ "لیکن میاں' ازدواجی زندگی کی گارنٹی روپے پیسے سے' جائداد سے اور جہیز سے نہیں ہوتی۔ بگڑنے والی بات تو پھر بھی بگڑ جاتی ہے۔ میں نے یہ فلیٹ تمہیں غیر مشروط د

ہے۔ اس کی کوئی شرط نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ زنانہ مطلب کا ہے۔ اس تحفے کے پیچھے میری بھی ایک غرض ہے۔ تم اسے اچھا سمجھو یا برا۔ میری غرض بڑی سچی ہے۔"

عمران انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا لیکن اس کی ہمت نہیں تھی کہ انہیں وضاحت کے لیے کہتا۔

"تم جانتے ہو' میری صرف تین بیٹیاں ہیں۔" انیس صاحب نے خود وضاحت کی۔ "بیٹے سے محروم ہوں میں۔ سو میں نے سوچا کہ کاروبار ہی کرلوں۔ بیٹی دے کر بیٹا اپنالوں لیکن بخدا' والدین سے چھین کر بیٹا لینا میرا مقصد نہیں۔ بس ایک بیٹا شیئر کرنا چاہتا ہوں تمہارے والدین کے ساتھ۔ تو عمران بیٹے' یہ ایک بیٹے کے لیے باپ کا تحفہ ہے۔ اسے اور کچھ نہ سمجھنا۔ یہ اب زندگی بھر تمہارا ہے' آؤ اب چلیں۔"

وہ باہر نکلے' عمران نے دروازہ لاک کردیا۔ وہ نیچے پہنچے تو اس ادھیڑ عمر آدمی کو منتظر پایا' جسے انیس صاحب نے نیچے رکنے کو کہا تھا۔ اس بار انیس صاحب نے تعارف کرایا۔ "یہ میرا وفادار ملازم ہے رمضان۔" انہوں نے کہا۔ "اور عمران بیٹے' اب مجھے تم سے ایک اجازت درکار ہے۔"

"آپ شرمندہ کیوں کر رہے ہیں مجھے؟" عمران نے بے بسی سے کہا۔

"یہ بات نہیں۔ جو چیز تمہاری ہے' اب اس کے سلسلے میں تمہاری اجازت ضروری ہے۔" انیس صاحب نے کہا۔ "یہ علاقہ اتنا زیادہ آباد نہیں ہے۔ بھرے ہوئے فلیٹ کو یونہی نہیں چھوڑا جاسکتا۔ اگر تم اجازت دو تو رمضان یہاں اس وقت تک رہے گا' جب تک تم لوگ نہیں آجاتے۔ چاہو تو چابی اسے دے دو۔"

عمران نے خاموشی سے چابی رمضان کو دے دی۔

واپسی کے سفر میں عمران نے کہا۔ "آپ مجھے یہیں اتار دیں۔ میں ٹیکسی سے چلا جاؤں گا۔"

"نہیں میاں' تمہارا ساتھ مجھے اچھا لگ رہا ہے۔"

وہ الفا ایڈورٹائزنگ پہنچے۔ انیس صاحب نے اپنی گاڑی باہر ہی روک دی پھر وہ عمران کے ساتھ اندر پارکنگ میں گئے۔ عمران اپنی بائیک کی طرف جانے لگا تو انہوں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "بیٹے........ ابھی تمہاری ایک امانت اور ہے' میرے ساتھ آؤ۔"

عمران کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ اس شام نے اسے سوچنے سمجھنے کے قابل ہی نہیں

چھوڑا تھا۔ وہ تو خواب کی سی کیفیت میں تھا۔

انیس صاحب اسے ایک بالکل نئی سوزوکی مہران کے پاس لے گئے۔ انہوں نے جیب سے چابی نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔ "بیٹے............ یہ کار بھی تمہاری ہے۔"

"یہ............ یہ تو زیادتی ہے انکل!" عمران منمنایا۔

"کچھ بھی کہوگے تو میرا دل دکھے گا۔ میں دل کی بات تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں تمہیں بیٹا سمجھتا ہوں۔ اچھا' اب میں چلتا ہوں۔" انہوں نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ عمران نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

ان کے جانے کے بعد بھی وہ دیر تک کھڑا رہا۔ اس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔ وہ کوئی لالچی آدمی نہیں تھا لیکن یہ جو کچھ اسے دیا جارہا تھا' یہ جہیز نہیں تھا۔ یہ تو بڑی محبت سے دیے گئے تحفے تھے۔ جبکہ وہ ان کا مستحق بھی نہیں تھا۔

امی اور ابو کی کہی ہوئی ہر بات کا وہ قائل ہوچکا تھا۔ وہ لوگ واقعی بہت اچھے تھے۔ ایسے گھر میں شادی ہونے کو صرف خوش قسمتی ہی کہا جاسکتا ہے۔ سب کچھ تھا مگر ثمینہ کی شرط اب بھی پھانس کی طرف اس کے دل میں چبھ رہی تھی۔ البتہ اب اس پھانس کی تکلیف بہت کم............ بہت ہی کم رہ گئی تھی۔

لیکن ابھی اس کے لیے ایک حیرت اور باقی تھی! اگلے روز کوریر سروس سے دفتر کے پتے پر اسے ایک خط موصول ہوا۔ اس نے لفافہ چاک کرکے خط نکالا' لکھا تھا............

"عمران بیٹے دعائیں۔

کل تمہارے آفس آکر مجھے صرف حیرت نہیں ہوئی۔ تم پر فخر کا احساس بھی ہوا۔ تم نے جتنے کم عرصے میں اتنی ترقی کی ہے' اس سے تمہاری محنت اور صلاحیت کے متعلق اندازہ ہوگیا۔ یہ یقین بھی ہوا کہ مستقبل میں انشاء اللہ تمہیں بہت آگے جانا ہے۔

میں کل تمہیں ٹھیک طور سے نہیں بتاسکا تھا۔ یہ بتانا آسان بھی نہیں۔ البتہ لکھنا آسان معلوم ہوتا ہے۔ اگر اللہ نے مجھے بیٹا دیا ہوتا تو میں اسے بھی اتنا ہی چاہ پاتا' جتنا تمہیں چاہنے لگا ہوں۔ ممکن ہے' تمہیں میرے خلوص پر شک ہو مگر میری التجا ہے کہ ایسا نہ کرنا اور میری محبت کو کبھی مشروط نہ سمجھنا۔ یہ درست ہے کہ یہ رشتہ طے نہ ہوتا تو میں تم سے ملا بھی نہ ہوتا لیکن اب تم مجھے بیٹے ہی کی طرح عزیز ہو۔ میں ثمینہ کا احسان مند ہوں کہ اسی کے واسطے سے تم مجھے ملے ہو۔

میں تو تمہارے لیے خواب بھی دیکھنے لگا ہوں۔ تم پانچ برس............ دس برس یہاں کام کروگے۔ تمہاری ترقی بھی ہوگی لیکن سب سے بڑی بات یہ کہ تم بہت کچھ سیکھوگے۔ تمہیں پبلک ریلیشنگ بھی آئے گی۔ ایک وقت آئے گا کہ تم اپنا بزنس شروع کرنے کے قابل ہوجاؤگے۔ اس وقت تمہیں سرمائے کی ضرورت ہوگی۔ میرا مشورہ ہے کہ اس وقت کے لیے ابھی سے تھوڑی تھوڑی رقم پس انداز کرنا شروع کردو۔ بسم اللہ میں نے کردی ہے' ایک بات بتادوں' یہ معاملہ بس باپ بیٹے کے درمیان ہے۔ تمہارے اور میرے سوا کسی اور کو اس کا علم نہیں۔ ہونا بھی نہیں چاہیے۔

زندگی میں کامیابی کی دعاؤں کے ساتھ۔

تمہارا اپنا انیس الرحمٰن۔"

خط کے ساتھ بینک کی ڈیپازٹ سلپ بھی منسلک تھی۔ رقم اسی دن جمع کرائی گئی تھی۔ رقم کے خانے کو دیکھ کر عمران چکرا گیا۔ دس لاکھ روپے! یہ ناقابلِ یقین تھا لیکن سچ تھا۔

اس بار وہ اپنے آنسو نہ روک سکا۔ ایسے خلوص والے لوگوں سے بھلا کوئی لڑسکتا ہے؟ وہ بار بار یہی سوچ رہا تھا۔

☆======☆======☆

شادی کے ہنگامے عروج پر تھے! گھر میں دن بھر ہنگامہ رہتا۔ لڑکیاں جمع رہتیں۔ ڈھولک بجتی' گیت گائے جاتے۔ عرفان اور فرحان دونوں دعوت ناموں کی تقسیم کے کام میں مصروف تھے۔ شادی میں اب چھ دن رہ گئے تھے۔ اگلے روز ثمینہ کو مایوں بیٹھنا تھا۔ اس تقریب میں یہاں سے بھی خواتین کو شرکت کے لیے جانا تھا۔

عمران کو صرف پندرہ دن کی چھٹی ملی تھی۔ اس کی چھٹیاں بھی اگلے روز شروع ہو رہی تھیں۔ شادی کے گیارہویں دن اسے پھر دفتر جانا تھا۔ اگر وہ کوشش کرتا تو شاید زیادہ چھٹی مل جاتی لیکن اسے خود بھی چھٹیوں میں زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ ایک سبب تو ثمینہ کی شرط کی پھانس تھی' جس کی اب بھی ہلکی سی کسک تھی۔ دوسرے وہ انیس صاحب کی ترکیب کو آگے بڑھانا چاہتا تھا۔ اسے انیس صاحب کی بات یاد تھی۔ انہوں نے کہا تھا.......... اتنے بڑے فلیٹ میں صرف دو افراد رہیں تو شاید کنبے کے ساتھ رہنے کی افادیت ان پر جلد روشن ہو جائے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اتنے بڑے فلیٹ میں ثمینہ تنہا پورا دن گزارے گی تو یقیناً یہ بات اور جلدی اس کی سمجھ میں آجائے گی۔

وہ دفتر کے لیے نکلنے لگا تو امی نے اسے شادی کے سوٹ کے متعلق یاد دلایا۔ "جی امی' آج مجھے ٹرائی دینے ٹیلر کے پاس جانا ہے۔" اس نے کہا۔

"اکیلے جاؤ گے؟"

"نہیں امی۔ شام کو وحید کو فون کر کے بلالوں گا۔ وحید میرے ساتھ ہی آئے گا" اس نے جواب دیا۔

یوں وہ چھٹیوں سے پہلے آخری بار دفتر جانے کے لیے نکلا۔

دفتر میں وہ تیزی سے کام نمٹانے میں لگا رہا۔ دن گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔ ویسے بھی وہ کام خاصا ایڈوانس کر چکا تھا۔ جو پروڈکٹس اسے سونپے گئے تھے' ان کے کمرشلز کی کئی کاپیاں اس کے پاس تیار موجود تھیں۔ پبلسٹی کا دوسرا میٹیریل بھی ایڈوانس ہی تھا۔

اس کا کام تسلی بخش طور پر چل رہا تھا۔ امید تو یہی تھی کہ دو ہفتے کی چھٹیوں میں کام پر کوئی منفی اثر نہیں پڑے گا۔

ساڑھے چار بجے تک وہ تھک کر چُور ہو چکا تھا لیکن کام بھی نمٹ چکا تھا۔ وہ کرسی کی پشت گاہ سے سر ٹکا کر بیٹھ گیا۔ کبھی وہ کافی کا گھونٹ لینے کے لیے سر اٹھاتا اور میز پر جھکتا پھر اچانک اسے یاد آیا کہ اسے وحید کو فون بھی کرنا ہے لیکن ابھی وہ پندرہ منٹ آرام کرنا چاہتا تھا۔ تھکن سے اس کا برا حال تھا۔ اس نے کافی کی پیالی خالی کر کے میز پر رکھی اور کرسی پر نیم دراز ہو کر آنکھیں موند لیں۔

مگر تھوڑی ہی دیر میں وہ چونک کر اٹھ بیٹھا۔ اسے خیال آیا کہ کہیں وحید اپنے دفتر سے نہ نکل جائے۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ پانچ بجنے میں دس منٹ کم تھے۔ وحید کی چھٹی پانچ بجے ہوتی تھی۔

اس نے وحید کے دفتر کا نمبر ملایا۔ وہاں سے بتایا گیا کہ وحید نے آدھے دن کی چھٹی کی تھی اور ایک بجے دفتر سے نکل گیا تھا۔

عمران پر اضمحلال تو ویسے ہی طاری تھا۔ اب جھنجلاہٹ بھی ہونے لگی۔ اس نے اپنی فون انڈیکس نکال کر سامنے رکھی اور وحید کے گھر کا فون نمبر ملانے لگا لیکن تیسرا ہندسہ دبتے ہی کلک سی سنائی دی اور ایک عورت کی آواز.......... پھر ایک مرد کی آواز۔

لائن کراس ہو رہی تھی۔ عمران نے ریسیور رکھ دیا۔

ایک منٹ بعد اس نے پھر نمبر ملانے کی کوشش کی لیکن تیسرا ہندسہ دبتے ہی لائن پھر کراس ہو گئی۔ "تمہیں اتنی آسانی سے ہتھیار نہیں ڈالنے تھے۔" مرد کہہ رہا تھا۔

"میں نے وہ سب کچھ کیا' جو میں کر سکتی تھی لیکن.........." یہ نسوانی آواز تھی۔

عمران نے جھنجلا کر ریسیور پٹخ دیا۔

دو منٹ بعد اس نے پھر کوشش کی مگر اس بار بھی وہی کچھ ہوا۔ "میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔" مرد کہہ رہا تھا۔

"میں بھی نہیں رہ سکتی۔"

"تم رہ لوگی.........." مرد زہریلے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"کب ختم ہوں گی تم لوگوں کی باتیں؟" عمران ماؤتھ پیس میں دہاڑا لیکن حاصل کچھ بھی نہیں ہوا' دوسری طرف گفتگو جاری رہی۔

عمران نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کی جھنجلاہٹ اب عروج پر تھی۔ بے بسی کے احساس نے جھنجلاہٹ میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ اگر یہ عاشق و معشوق ایک گھنٹے فون پر باتیں کرتے رہیں، تب بھی وہ کچھ نہیں کرسکتا۔ جبکہ وہ جلد از جلد ٹیلر سے نمٹ کر گھر پہنچنا اور آرام کرنا چاہتا تھا۔ آنے والے ایک ہفتے میں تو اسے آرام کا کوئی موقع نہیں ملنا تھا لیکن جلدی گھر پہنچنا اسے ممکن نظر نہیں آرہا تھا۔ پہلے تو وہ وحید کو فون کر کے بلائے۔ وحید گلشن اقبال میں رہتا تھا۔ یہاں پہنچنے میں بھی اسے بیس منٹ تو لگتے پھر ٹیلر.......... اور پھر گھر! لیکن پہلا مسئلہ یہ تھا کہ فون تو ملے۔ اس بار خود پر جبر کرکے اس نے پانچ منٹ خود کو وحید کا نمبر ٹرائی کرنے سے باز رکھا۔

اس بار اس نے بڑی امید سے نمبر ملانا شروع کیا۔ اس بار لائن کراس ہوئی تو اسے غصہ آگیا۔ ریسیور کان سے دور، ہاتھ میں لیے بیٹھا وہ خود سے الجھتا رہا، دل یہ چاہتا تھا کہ سوٹ کی فٹنگ پر لعنت بھیج کر وہ گھر چلا جائے۔ ٹرائی کا کام کل پر رکھے لیکن اس میں قباحت یہ تھی کہ کل کا کوئی بھروسہ نہیں تھا۔ بہتر یہ تھا کہ یہ کام آج ہی نمٹا لیا جائے لیکن یہ منحوس کراس لائن..........!

اس نے ریسیور والا ہاتھ اٹھایا اور ریسیور کان سے لگالیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے چیخنے دہاڑنے سے لائن کلیئر نہیں ہوگی مگر وہ دہاڑنے کے سوا کر بھی کیا سکتا تھا۔ وہ اپنے اندر کی جھنجلاہٹ کو غلیظ گالیوں کی شکل میں ماؤتھ پیس میں انڈیلنا چاہتا تھا۔ اس کے ہونٹ ہلے، لیکن پھر اچانک وہ ساکت ہوگیا۔ وہ تو جیسے سانس لینا بھی بھول گیا تھا۔

اسے اچانک ہی احساس ہوا تھا کہ دوسری طرف تو بہت حساس نوعیت کی گفتگو ہورہی ہے۔

وہ جانتا تھا کہ یوں دو افراد کی گفتگو سننا بہت معیوب بات ہے لیکن اب وہ سنے بغیر رہ بھی نہیں سکتا تھا۔ ریسیور اس کے کانوں سے لگا تھا.......... اور وہ ہمہ تن سماعت ہوگیا تھا۔

''تم یقین کرلو۔ میں اس شخص کو قتل کردوں گا، جس سے تمہاری شادی ہورہی ہے۔'' یہ وہ جملہ تھا، جس نے عمران کو وہ کراس ٹاک سننے پر مجبور کر دیا تھا۔ بات لفظوں کی نہیں تھی۔ جس انداز میں وہ جملہ کہا گیا تھا، وہ بے حد خوف ناک تھا۔ عمران لفظوں اور لہجوں کی دنیا کا آدمی تھا۔ یہ جملہ نہ تو غصے میں ادا کیا گیا تھا اور نہ ہی ادا کرنے والے کی

جذباتیت کا مظہر تھا۔ وہ بے حد غیر جذباتی، خوف ناک حد تک سادہ اور سفاک لہجہ تھا۔ یہ طے تھا کہ کہنے والا اپنی بات پر عمل کرنے کا پختہ ارادہ رکھتا ہے۔ وہ جملہ سن کر عمران کے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے اور جسم میں سنسنی دوڑنے لگی تھی۔

اس نے ریسیور کان سے چپکا لیا۔ حالانکہ اس کی ضرورت نہیں تھی، لائن بالکل صاف اور آوازیں بالکل واضح تھیں۔

''اور اس کے بعد پھانسی پر چڑھ جاؤ گے۔'' لڑکی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ آواز سے وہ عورت نہیں، لڑکی ہی لگ رہی تھی۔ ''اس سے تمہیں یا مجھے کیا ملے گا، کچھ بھی نہیں۔''

''تو پھر میں کیا کروں؟'' مرد نے بے بسی سے کہا۔ ''میں کر بھی کیا سکتا ہوں۔ مجھے تو تم پر بھی اعتبار نہیں رہا۔''

''کیوں، میں نے ایسا کیا کیا ہے؟''

''تم میری بات کیوں نہیں مانتیں۔ تم گھر چھوڑ کر چلی آؤ، عاقل و بالغ ہو۔ ہم خاموشی سے، سادگی سے شادی کرلیں گے۔ کوئی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔''

''مگر ہمیں کچھ بھی نہیں ملے گا۔ وہ بھی نہیں جو میرا حق ہے۔''

''میرا خیال تھا، تمہیں مجھ سے محبت ہے۔'' مرد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''محبت تو نفع نقصان کو نہیں دیکھتی۔''

''پھر محبت مفلسی اور بدحالی کے ہاتھوں ختم بھی ہوجاتی ہے۔ محبت کرنے والے ایک دوسرے سے نفرت بھی کرنے لگتے ہیں۔'' لڑکی کا لہجہ کاٹ دار تھا۔ ''میں اپنا حق لے کر تمہارے ساتھ گھر بسانا چاہتی ہوں۔''

''یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ تمہارا باپ یہ کب چاہے گا، میں اس کا خون سہی، ہوں تو ٹیکسی ڈرائیور۔ حالانکہ اب یلو کیب تو بہت پڑھے لکھے، بڑے خاندانی لوگ بھی چلا رہے ہیں۔''

''میں مانتی ہوں کہ یہ زیادتی ہے مگر میں وعدہ کرتی ہوں کہ تلافی کروں گی اس کی۔ تم چاہتے کیا ہو؟''

''تم جانتی ہو۔ میں تم سے دور نہیں رہنا چاہتا۔'' مرد کا لہجہ اچانک ہی بدل گیا، اب وہ گھگیا رہا تھا۔ ''میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔''

''میں نے بندوبست کرلیا ہے۔ تم مجھ سے دور نہیں رہوگے۔ تم مجھ سے مل

سکوگے............"

"کیسے؟"

"میں نے واضح کردیا ہے کہ میں شادی کے بعد اپنے گھر میں رہوں گی۔ سسرال والوں کے ساتھ نہیں۔"

اس وقت آئینہ سامنے ہوتا تو عمران اپنے چہرے کا تاثر دیکھ کر خود بھی حیران رہ جاتا پھر بھی اسے اندازہ تھا کہ اسے بہت بڑا شاک لگا ہے۔ یہ تو لگتا تھا کہ گفتگو اسی کے متعلق ہورہی ہے۔ اس نے کوشش کرکے خود کو سنبھالا اور وہ گفتگو زیادہ توجہ سے سننے لگا۔

"مجھے اس طرح کی مراعات کی ضرورت نہیں۔" مرد نے جھنجلا کر کہا۔ "مجھے تمہاری ضرورت ہے۔"

"وہی تو میں کہہ رہی ہوں کہ میں ملتی رہوں گی تم سے۔"

"میں برداشت نہیں کرسکتا کہ تم کسی اور کی بن کر رہو۔"

لڑکی اترانے کے انداز میں ہنسی۔ "سچ.......... بہت جیلس ہو۔" پھر وہ سنجیدہ ہوگئی۔ "چلو، تمہاری خاطر میں یہ کوشش بھی کرلوں گی کہ اپنے شوہر کو قریب نہ آنے دوں۔ تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ مجھے بھی تم سے محبت ہے۔"

"مجھے بچوں کی طرح ٹافی دے کر مت بہلاؤ۔ میں تمہیں قانونی طور پر اور ہمیشہ کے لیے اپنانا چاہتا ہوں۔ میں پھر یہی کہوں گا کہ تم سب کچھ چھوڑ دو اور مجھ سے شادی کرلو۔ مجھے تمہارے باپ کی دولت اور جائداد سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"تمہیں نہیں، مجھے تو ہے۔" لڑکی نے سرد لہجے میں کہا۔ "میری خاطر تھوڑے عرصے.......... صبر کرلو۔ میں سب ٹھیک کرلوں گی۔"

"میں اپنے کام خود نمٹانے کا عادی ہوں۔ جو میں چاہتا ہوں وہ تم نہیں کرسکتیں تو پھر سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔ کوئی شخص زیادہ دن تمہارا شوہر نہیں رہ سکتا۔"

مرد کا لہجہ بے حد خوف ناک تھا۔ عمران کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر سی دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔ ریسیور اس کے ہاتھ سے یوں چپکا ہوا تھا، جیسے اب اس گرفت سے کبھی آزاد نہیں ہوسکے گا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" لڑکی کے لہجے میں خوف تھا۔

"مطلب تم خوب سمجھ رہی ہو لیکن بیوہ ہوجانے کا تصور تمہارے لیے خوش گوار تو

نہیں ہوسکتا۔"

"میں اس بات سے ڈرتی ہوں کہ اس طرح تمہیں بھی کھو بیٹھوں گی۔ ورنہ تم جانتے ہو کہ اس شادی میں میری خوشی تو شامل نہیں ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں ایسی ترکیب کروں گا کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔" مرد کے لہجے میں وہی سرد مہری تھی، جس نے عمران کو یہ گفتگو سننے پر مجبور کیا تھا۔ "تم نے علیحدہ رہنے کا فیصلہ کرکے میرا کام آسان کردیا ہے۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی؟"

"آج کل شہر میں ڈکیتیاں بہت ہورہی ہیں۔ ڈاکو ذرا سی مزاحمت پر اہلِ خانہ کو ہلاک بھی کردیتے ہیں۔" مرد کا لہجہ ٹھٹھرا دینے والا تھا۔

لڑکی کا ردِعمل سامنے نہیں آسکا۔ وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ "میں فون رکھ رہی ہوں، کوئی اوپر آرہا ہے۔"

"ایک منٹ.......... اب کب بات ہوگی؟"

"اب تو مشکل ہے، کل تو گھر مہمانوں سے بھر جائے گا۔"

"تو پھر تم سے تمہارے نئے گھر میں ہی ملاقات ہوگی.......... ڈکیتی کی واردات کے دوران۔ اچھا.......... خدا حافظ ثمینہ۔"

ثمینہ!.......... ثمینہ!.......... ثمینہ!..........

اسے خود کو سنبھالنے میں بہت دیر لگی جو گفتگو اس نے سنی تھی، اس پر غور کرنے اس کا تجزیہ کرنے کی اس میں بالکل سکت نہیں تھی۔ اس حد تک سنبھلنے میں تو شاید بہت دیر لگتی۔ البتہ اسے یہ ضرور یاد تھا کہ وہ وحید کے گھر فون کرنا چاہتا تھا۔

اس بار نمبر ملنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ فون وحید کے چھوٹے بھائی نے ریسیو کیا تھا۔

"میں عمران بول رہا ہوں۔ ذرا وحید سے بات کراؤ۔" اس نے مضمحل لہجے میں کہا۔

"بھائی جان تو گھر سے نکل چکے ہیں۔ آپ کے دفتر جانے کا کہہ رہے تھے۔"

"ٹھیک ہے۔ شکریہ۔"

ریسیور رکھنے کے بعد عمران اٹھا اور بیرونی کمرے میں گیا۔ "مس شاہدہ، آپ چھٹی کرسکتی ہیں۔ میں ابھی تھوڑی دیر اور رکوں گا۔"

"شکریہ سر۔"

"شادی میں ضرور آیئے گا۔"

"ضرور سر۔"

شاہدہ چلی گئی۔ عمران اپنی میز پر آ بیٹھا۔ اس نے گھڑی دیکھی۔ پانچ بج کر دس منٹ ہو چکے تھے۔

ایک عام سا خوش گوار دن کیسے انجام کو پہنچ رہا تھا!

☆======☆======☆

وہ آدھے گھنٹے تک اسی طرح بیٹھا رہا......... سوچنے کی کوشش کرتے ہوئے، جبکہ اس کے لیے کچھ سوچنا سمجھنا ممکن ہی نہیں تھا۔ وجود میں وہی سناٹے تیر رہے تھے، جو ٹیلی فون کی لائن سے اس کے دل اور دماغ میں اتر آئے تھے۔

بالآخر وحید نے ہی اسے چونکایا۔

"ارے بھائی، کہاں کھوئے ہوئے ہو؟" وحید نے کہا۔

اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ دروازے میں وحید کھڑا تھا۔ اس نے کچھ کہا بھی تھا لیکن عمران اس کی آواز سن کر چونکا تھا۔ لفظ وہ ایک بھی نہیں سن سکا تھا۔ "آؤ وحید کب آئے تم، بہت انتظار کرایا........"

وحید کمرے میں آگیا۔ "لگتا تو نہیں کہ تم میرا انتظار کر رہے تھے۔" اس نے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"دروازے میں کھڑے ہو کر تین بار آواز دی ہے تمہیں لیکن تمہیں تو ہوش ہی نہیں تھا۔"

"بس ذرا تھک گیا ہوں۔" عمران نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

"مجھے تو لگتا ہے، جاگتی آنکھوں خواب دیکھنے لگے ہو۔" وحید نے مسکراتے ہوئے کہا پھر فوراً ہی تردید کی "سوری........ جاگتی آنکھوں تو تم ہمیشہ خواب دیکھتے ہو۔ آج شاید سو گئے تھے۔"

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"تردید کی کوئی ضرورت نہیں، اب صرف پانچ چھ دن کی تو بات ہے۔" وحید نے

معنی خیز لہجے میں کہا۔

"یہ بات نہیں۔"

وحید نے اس بار اسے غور سے دیکھا۔ "کیا بات ہے۔ کچھ پریشان لگ رہے ہو۔"

اتنی دیر میں عمران خود کو سنبھال چکا تھا۔ "کچھ نہیں یار۔ کوفت کی وجہ سے ایسا لگ رہا ہے۔" اس نے کہا۔ "تمہارے دفتر فون کیا تو پتا چلا کہ تم ایک بجے جا چکے ہو، گھر کا نمبر ٹرائی کرتا رہا۔ لائن کراس ہونے کی وجہ سے نمبر نہیں ملا۔ نمبر ملا تو پتا چلا کہ تم یہاں کے لیے نکل چکے ہو پھر انتظار کی کوفت........"

"اب کیا پروگرام ہے؟"

"بس سوٹ کی ٹرائی دینی ہے۔"

"تو چلو۔"

دونوں دفتر سے نکل آئے۔

وہ دن ہی شاید کچھ عجیب تھا۔ ٹیلر ماسٹر نے معذرت خواہانہ لہجے میں عمران سے کہا "معاف کیجیے گا سر۔ میں شرمندہ ہوں لیکن ایک کاریگر کے چھٹی کر لینے کی وجہ سے گڑبڑ ہو گئی پلیز........ اگر آپ ایک گھنٹے کے بعد تشریف لائیں تو میں ٹرائی لے لوں گا۔"

اب انہیں وقت گزاری بھی کرنا تھی۔ جبکہ عمران جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتا تھا۔ آرام کا خیال تو دل سے نکل گیا تھا۔ وہ اس گفتگو پر غور کرنا چاہتا تھا جو اس نے اتفاقاً فون پر سنی تھی۔ کچھ الجھنیں تھیں۔ جنہیں وہ دور کرنا چاہتا تھا۔

وہ ایک ریسٹورنٹ میں چلے آئے۔ عمران کا ذہن بدستور اس گفتگو میں الجھا ہوا تھا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ وحید سے اس سلسلے میں بات کی جا سکتی ہے......اور اگر کی جا سکتی ہے تو کس حد تک؟ اس کا جواب کچھ مشکل نہیں تھا۔ وہ وحید کو اس گفتگو کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتا سکتا تھا۔ ورنہ وہ اس کا مذاق اڑاتا کہ وہ خوامخواہ واہمے پالتا پھرتا ہے۔ دوسری طرف وہ اپنی ہونے والی بیوی کو اپنے دوست کی نظروں میں حقیر بھی کر سکتا تھا۔ یہ سراسر خسارے کا سودا تھا۔

ویٹر چائے رکھ گیا تھا۔ وحید نے چائے بنا کر پیالی اس کے سامنے رکھ دی تھی۔ اس نے چائے کا گھونٹ لینے کی کوشش کی مگر اس کے ہونٹ جل گئے۔ چائے بہت گرم تھی۔

"کیا بات ہے۔ ابھی تک کھوئے ہوئے ہو؟ یا کوئی پریشانی ہے؟" اس بار وحید کے

لہجے میں فکر مندی تھی۔

"نہیں تو، بس ایک بات پر غور کر رہا ہوں۔" عمران نے کہا۔ "یار ایک بات بتاؤ۔ یہ جو کراس لائن پر گفتگو ہوتی ہے، ہم معلوم کرسکتے ہیں کہ کس نمبر سے کس نمبر پر گفتگو ہو رہی ہے؟"

"کیوں۔ آج ایسا کوئی تجربہ ہوا ہے؟"

"ہاں۔ تمہیں فون کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس وقت لائن کراس ہو رہی تھی۔"

"کوئی دلچسپ بات ہوگی۔"

"نہیں۔" عمران نے جلدی سے کہا۔ "عام سی گفتگو تھی۔"

"تو پھر اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہو؟" وحید نے جرح کی۔

"مجھے خیال آیا کہ کبھی یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ہم فون پر کوئی بہت حساس نوعیت کی گفتگو سن لیں۔ مثلاً کوئی کسی کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہو۔ تو ایسے میں اتفاقاً گفتگو سننے والے پر بھی ذمے داری تو عائد ہوگی نا۔"

وحید نے اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھا۔ اس کا خیال تھا کہ عمران کچھ چھپا رہا ہے لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ عمران بے حد تخیل پسند ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ عام سی گفتگو نے اس کی قوت متخیلہ کو مہمیز کردیا ہو اور یہ بھی درست تھا کہ ایسی یا کسی اور طرح کی حساس گفتگو کوئی کسی بھی وقت سن سکتا ہے۔ اس لیے کہ لائنیں تو ہر روز سیکڑوں ہزاروں بار کراس ہوتی ہیں۔ "ہاں، یہ ممکن ہے۔" اس نے کہا۔ "لیکن اس کا ایک آسان حل ہے۔ اخلاق بھی ہمیں یہی سکھاتا ہے کہ اگر فون کرتے وقت کبھی ایسا ہو تو فوراً ریسیور رکھ دینا چاہیے۔"

اس وقت تک عمران پوری طرح سنبھل چکا تھا۔ اس کا تخیلاتی ذہن اب پوری طرح کام کر رہا تھا۔ "یہ کہنا بہت آسان ہے۔" وہ بولا۔ "فرض کرو، تم کسی کو فون کر رہے ہو اور لائن کراس ہو جاتی ہے۔ تمہارے اس بات کو سمجھنے اور ریسیور رکھنے سے پہلے یہ جملہ تمہارے کانوں میں پڑ جاتا ہے کہ......... بس اسے قتل کردو۔ اب بتاؤ، تم کیا کرو گے؟"

"میں اخلاقیات کا پاس کرتے ہوئے ریسیور رکھ دوں گا۔" وحید نے بے حد اطمینان سے کہا۔

"کیوں۔ یہ تمہاری اخلاقی ذمے داری نہیں ہوگی کہ تم وہ گفتگو سنو۔ یہ جاننے کی کوشش کرو کہ کون کسے قتل کرنا چاہتا ہے اور اس کے بعد پولیس کو مطلع کرو۔ اس واردات کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کرو۔ اس لیے کہ یہ انسانی جان کا معاملہ ہے۔ ورنہ عمر بھر اپنے ضمیر پر بوجھ لیے پھرو گے۔ بلکہ وہ خون تمہارے سر بھی ہوگا۔"

"واقعی یار، یہ بات تو ہے۔" وحید نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ "اب تو میں یہ دعا ہی کرسکتا ہوں کہ اللہ مجھے اس سے محفوظ رکھے۔ ہمارے ہاں تو پولیس اطلاع دینے والے ہی کو قاتل فرض کرکے تفتیش کا آغاز کرتی ہے۔ ویسے یار عمران، تم ایڈورٹائزنگ کو چھوڑو، جاسوسی کہانیاں لکھنی شروع کردو۔ تہلکہ مچادو گے خدا کی قسم۔"

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" عمران نے خشک لہجے میں اسے یاد دلایا۔

"ارے ہاں۔ وہ تو بات ہی بہت پیچھے رہ گئی۔ میرا خیال ہے، یہ تو ٹریس نہیں کیا جاسکتا کہ کس نمبر سے کس نمبر پر کال ہو رہی ہے۔" وحید نے کہا۔ "ہاں، اگر اسی وقت ایکسچینج سے رابطہ کیا جائے تو یہ بات معلوم بھی ہوسکتی ہے مگر وہ قانوناً ایسا کر نہیں سکتے۔ میرے تمہارے کہنے پر تو وہ ایسا کریں گے نہیں۔ لہٰذا عملاً یہ ممکن نہیں۔ کیونکہ کال ختم ہوجانے کے بعد نمبر ٹریس کیے جاسکتے........." وہ کہتے کہتے رکا۔ "ہاں، اس حد تک تو ویسے بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ کون سے ایکسچینج کی کال ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تم مجھے فون کر رہے ہو۔ اس دوران لائن کراس ہو اور آپ گفتگو سنیں تو ایک نمبر گلشن اقبال ایکسچینج کا ہوگا۔ یا تو اس ایکسچینج سے کال کی گئی ہوگی یا کال اس ایکسچینج میں ریسیو کی گئی ہوگی۔ اس سے زیادہ تو کچھ معلوم نہیں ہوسکتا۔"

عمران نے بہت کوشش کرکے اپنا چہرہ بے تاثر رکھا۔ وحید اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ عمران نے گھڑی میں وقت دیکھا اور بولا۔ "اب ہمیں چلنا چاہیے۔"

بل ادا کرکے وہ نکل آئے۔ پندرہ منٹ بعد وہ فارغ ہوچکے تھے۔ عمران اب پُرسکون نظر آرہا تھا۔ اس نے کراس ٹاک کے بارے میں وحید سے جو گفتگو کی تھی، اس کے بعد وہ ہلکا پھلکا ہوگیا تھا۔ ایسا ہوتا ہے کسی مسئلے پر بات چیت نہ کی جائے تو وہ بہت بڑا، بہت سنگین لگنے لگتا ہے اور گفتگو کرلی جائے تو بڑے سے بڑے مسئلے کی سنگینی کم ہوجاتی ہے۔

عمران نے بھی اسے غیر متعلق اور غیر اہم قرار دے کر ذہن سے جھٹک دیا تھا۔

☆=====☆=====☆

مگر درحقیقت ایسا نہیں تھا!

وہ لوگ رات کے کھانے کے بعد بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے' اچانک اطلاعی گھنٹی بجی۔ فرزانہ دروازہ کھولنے کے لیے گئی۔ اس کی گھٹی گھٹی چیخ سن کر عمران کو گڑبڑ کا احساس ہوا۔ وہ اٹھ ہی رہا تھا کہ اتنے میں چار مسلح افراد اندر گھس آئے۔ چہروں پر انہوں نے ڈھاٹے باندھ رکھے تھے۔ انہیں دیکھ کر سب کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"آپ لوگوں کے لیے بہتر یہی ہوگا کہ ہم سے تعاون کریں۔" اس سیاہ پوش نے کہا' جو سب سے آگے تھا اور سرغنہ لگ رہا تھا۔ "ورنہ ہم لوگ تو گھر سے یہ سوچ کر نکلتے ہیں کہ واپسی کی کوئی ضمانت نہیں اور جو جان دینا جانتے ہوں' ان کے لیے جان لینا زیادہ آسان ہوتا ہے۔"

اس کا لہجہ مہذب لوگوں کا سا تھا۔ الفاظ وہ پڑھے لکھوں کے سے استعمال کر رہا تھا۔ عمران سوچنے لگا کہ روزگار کی خوف ناک کمی کی وجہ سے یہ نوبت آگئی ہے۔ پڑھے لکھے لوگ بھی ڈاکو بن گئے ہیں۔

"ہم ان چیزوں کو ترجیح دیں گے جو چھوٹی اور بیش قیمت ہوں۔ زیادہ جگہ نہ گھیرتی ہوں۔" ڈاکوؤں کا سرغنہ یوں کہہ رہا تھا' جیسے کسی کاروباری اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے اپنی ترجیحات بیان کر رہا ہو۔ "مثلاً زیورات۔" اس نے وضاحت کی۔ "اور نقدی جتنی بھی ہو' چلے گی۔ اب ذرا جلدی کریں۔ پلیز خاتون' آپ میرے ساتھ آئیں۔" اس نے دردانہ بیگم سے کہا۔ "اس گھر میں کرتا دھرتا آپ ہی معلوم ہوتی ہیں۔"

اسی وقت عمران کو بہن کا خیال آگیا۔ دروازہ کھولنے گئی تھی لیکن واپس نہیں آئی تھی۔ "ایک منٹ۔" اس نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "امی رک جائیں۔ پہلے یہ بتاؤ کہ میری بہن کہاں ہے؟" اس نے سرغنہ سے پوچھا۔

"شاید تم اس لڑکی کے بارے میں پوچھ رہے ہو جس نے دروازہ کھولا تھا۔" سرغنہ نے کہا۔ "وہ بے ہوش ہوگئی تھی' وہیں پڑی ہے۔"

"تم نے کوئی زیادتی کی ہے اس کے ساتھ؟" عرفان غرایا۔ وہ آگے بڑھ رہا تھا کہ ایاز صاحب نے سختی سے اس کا بازو تھام لیا۔

"زیادہ جوش میں آنے کی ضرورت نہیں نوجوان۔" سرغنہ نے ناصحانہ انداز میں کہا "اگر وہ بے ہوش نہ ہوتی تو پورے گھر کے لیے مصیبت بن جاتی۔ ہم کسی کی چیخ و پکار کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ خاموشی اور سکون سے کام ہوجائے تو یہ تم لوگوں کے حق میں بھی بہتر ہی ہوگا۔ آیئے خاتون میرے ساتھ۔" وہ دردانہ بیگم کی طرف مڑا۔

عمران آگے بڑھا۔ اس کا رخ دروازے کی طرف تھا۔

"ارے........ تم کہاں جارہے ہو؟" سرغنہ نے درشت لہجے میں اسے ٹوکا۔

"اپنی بہن کو یہاں لے کر آؤں گا۔" عمران نے رسان سے کہا۔

"تم اس کے ساتھ جاؤ۔" سرغنہ نے اپنے ساتھی سے کہا۔ "کوئی گڑبڑ نہ کرنے پائے۔"

عمران دروازے کی طرف گیا۔ فرزانہ دروازے کے پاس بکھری پڑی تھی۔ عمران نے گھٹنوں کے بل جھکتے ہوئے بہن کو ٹٹولا لیکن وہ زخمی نہیں تھی۔ کم از کم خون تو نہیں نظر آرہا تھا۔ اس نے بہن کو دونوں ہاتھوں پر اٹھایا اور ٹی وی لاؤنج میں لاکر کاؤچ پر لٹا دیا اور اس کے جسم کو چادر سے ڈھانپ دیا پھر اس نے سر گھما کر دیکھا۔ امی موجود نہیں تھیں اور ڈاکوؤں کا سرغنہ بھی غائب تھا۔

"امی کہاں ہیں ابو؟" اس نے ایاز صاحب سے پوچھا۔

ایاز صاحب نے سرہلا کر کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ عمران اس طرف جانا چاہتا تھا کہ ایک ڈاکو نے ریوالور نکال لیا۔ "مسٹر' زیادہ ہیرو بننے کی ضرورت نہیں۔ سکون سے بیٹھ جاؤ تاکہ ہم جلد رخصت ہوسکیں۔ تمہاری جان بھی چھوٹے اور ہماری بھی۔ اب حرکت کرو گے تو........" اس نے خوف ناک انداز میں ریوالو لہرایا۔ عمران صوفے پر بیٹھ گیا۔ سچ یہ ہے کہ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ اب تک یہ سب کچھ اسے غیر حقیقی لگ رہا تھا لیکن ریوالور دیکھنے کے بعد اس نے اس سنگین حقیقت کو پوری طرح تسلیم کرلیا تھا۔

سرغنہ تھوڑی دیر بعد واپس آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑی پوٹلی تھی جس میں شاید نقد رقم اور زیوارات تھے۔ دردانہ بیگم کا چہرہ زرد ہورہا تھا۔ لگتا تھا' وہ خواب کے عالم میں چل رہی ہیں۔ وہ آتے ہی صوفے پر ڈھیر ہوگئیں۔

سرغنہ نے پوٹلی اپنے ایک ساتھی کو دی اور عمران کے قریب آگیا۔ "کھڑے ہو جاؤ اور مجھے اپنے کمرے میں لے چلو۔"

"کک...... کیوں...... کیا بات ہے؟" عمران گھبرایا ہوا تھا۔ اس فرمائش پر اور گھبرا گیا "میرے کمرے میں تو کوئی قیمتی چیز نہیں۔"

"قیمتی نہ سہی' میرے مطلب کی ایک چیز ہے تمہارے کمرے میں' چلو۔"

عمران جیسے تیسے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی ٹانگوں کی کپکپاہٹ اور بڑھ گئی تھی۔ "اسے کیوں لے جارہے ہو؟" دردانہ بیگم نے فریاد کی۔

عرفان اور فرحان نے آگے بڑھنے کی کوشش کی لیکن اب تینوں ڈاکوؤں کے ہاتھوں میں ریوالور نظر آرہے تھے۔ ایاز صاحب نے دونوں کے ہاتھ تھام لیے۔ "خدا کے لیے...... ہوش سے کام لو۔" وہ بڑبڑائے۔

"چلو" سرغنہ نے زہریلے لہجے میں عمران سے کہا۔ عمران لرزتے قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

کمرے میں پہنچ کر سرغنہ نے عمران سے کہا۔ "اب سکون سے بیٹھ جاؤ۔"

عمران کرسی پر بیٹھ گیا۔ "تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اس نے بے بسی سے پوچھا۔

"یہی بتانے کے لیے تو یہاں لایا ہوں تمہیں۔" سرغنہ نے کہا اور چہرے سے ڈھاٹا ہٹا دیا۔ "غور سے دیکھ لو مجھے۔ میں نہیں چاہتا کہ اپنے قاتل کی صورت بھی نہ دیکھ سکو۔ میں تمہیں اتنی بڑی محرومی نہیں دے سکتا۔"

عمران نے غور سے اسے دیکھا لیکن وہ اجنبی چہرہ تھا۔ اس نے پہلے کبھی اسے نہیں دیکھا تھا۔ اچانک اس کے الجھے ہوئے ذہن پر سرغنہ کے جملے کی معنویت روشن ہوئی۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں ہوگیا۔ "کیا...... کیا تم...... مجھے مار دو گے؟" اس نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"ہاں' بتا تو رہا ہوں' اسی لیے تمہیں یہاں لایا ہوں۔"

"لیکن کیوں؟ جو کچھ تمہیں چاہیے' وہ تو تمہیں مل چکا ہے۔"

سرغنہ نے ریوالو نکالا اور اس پر تان لیا۔ "اصل چیز تو نہیں ملی۔ وہ اب ملے گی' بس اب مرنے کے لیے تیار ہوجاؤ۔"

"مگر میرا قصور کیا ہے؟"

ٹریگر پر سرغنہ کی انگلی کا دباؤ بتدریج بڑھ رہا تھا۔ "تمہارا قصور یہ ہے کہ تم ثمینہ سے شادی کررہے ہو۔" اس نے سرد لہجے میں کہا۔ "میری ثمینہ سے۔" اتنا کہہ کر اس

نے ٹریگر دبا دیا۔ فائر کی آواز کمرے میں گونجی پھر جیسے سب کچھ اندھیروں میں ڈوب گیا۔

عمران اٹھ کر بیٹھا تو اس کا جسم پسینے میں شرابور تھا اور اس پر لرزہ طاری تھا۔ اس کے کانوں میں اپنی چیخ مسلسل گونج رہی تھی۔ دیر تک وہ ساکت بیٹھا جسم کے لرزے پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا پھر اس نے اٹھ کر لائٹ آن کی۔ اس کے ہاتھوں میں اب بھی ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔

دیر تک وہ اپنی اعصاب زدگی پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا پھر اس نے اٹھ کر پانی پیا اور دوبارہ لیٹ کر سونے کی کوشش کی مگر آنکھوں میں نیند کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ اسے اندازہ ہوگیا کہ اب وہ سو نہیں سکتا۔

ذہنی کیفیت ایسی نہیں تھی کہ وہ سوچ سکتا لیکن جب آدمی خواہش کے باوجود سو نہ سکے تو سوچنے سے بچ بھی نہیں سکتا۔ سوچیں ذہن پر بری طرح یلغار کردیتی ہیں۔ ایسے میں آدمی معقولیت کے اعتبار سے توازن بھی کھو بیٹھتا ہے۔ عمران کو احساس تھا کہ اس وقت اس کی سمجھ بُوجھ قابلِ اعتماد نہیں ہے۔ وہ سوچوں سے بچنا چاہتا تھا لیکن انہوں نے کسی بگولے کی طرح اس کے ذہن کو لپیٹ میں لے لیا تھا۔

اس وقت اس کے ذہن میں بس ایک نام چکرا رہا تھا...... ثمینہ! اتنا اس کی سمجھ میں آگیا تھا کہ شام کو وحید سے گفتگو کرنے کے بعد جو وہ پُرسکون ہوا تھا' وہ محض سطح پر تھا۔ شعوری طور پر وہ ہلکا پھلکا ہوگیا تھا لیکن اس کی تشویش تحت الشعور میں منتقل ہوگئی تھی۔ اس کا نتیجہ اس خواب کی شکل میں نکلا تھا۔

اس وقت اس کے ذہن میں صرف ایک ہی خیال تھا...... اور وہ یہ کہ اسے ثمینہ سے شادی سے انکار کر دینا چاہیے۔ خواب میں ڈاکوؤں کے سرغنہ نے اس پر فائر کرنے سے پہلے اس کا یہی قصور بتایا تھا...... تم ثمینہ سے شادی کر رہے ہو...... میری ثمینہ سے! اس کا نیند-اور خوف سے شل ذہن اسے بتارہا تھا کہ وہ خواب اس کے لیے ایک تنبیہہ ہے۔ اگر اس نے ثمینہ سے شادی کی تو اس کی زندگی کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔

اس کی توقع کے خلاف اس کا ذہن بہت تیزی سے کام کرنے لگا۔ دھند چھٹنے لگی۔ اب وہ بہتر طور پر سوچ سکتا تھا اور تجزیہ بھی کرسکتا تھا۔

فون پر اتفاقیہ سنی جانے والی گفتگو کو اس نے اپنی صورتِ حال پر منطبق کرنے کی کوشش کی۔ اس کے لیے اس کے پاس معقول دلیلیں تھیں کہ یہ ثمینہ وہ ثمینہ ہوسکتی

ہے' جس سے اس کی شادی ہو رہی ہے۔

پہلی دلیل یہ تھی کہ فون پر جس لڑکی سے گفتگو کی جارہی تھی' اس کا نام ثمینہ تھا۔

دوسری دلیل یہ تھی کہ اس فون والی ثمینہ کی بھی شادی ہو رہی تھی۔ اس نے مرد کو بتایا تھا کہ اب وہ فون نہیں کر سکے گی۔ کیونکہ اگلے روز سے گھر میں مہمانوں کا ہجوم ہوگا۔ جبکہ عمران کی ہونے والی بیوی ثمینہ اگلے روز مایوں بیٹھ رہی تھی اور وہاں بھی مہمانوں کا ہجوم ہوجائے گا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ فون کرنے والی ثمینہ نے مایوں کا حوالہ نہیں دیا تھا۔

تیسری دلیل یہ تھی کہ فون کرنے والی ثمینہ بھی اس کی ثمینہ کی طرح گلشن اقبال میں رہتی تھی۔

چوتھی دلیل یہ تھی کہ فون کرنے والی ثمینہ نے بھی اس کی ثمینہ کی طرح سسرال سے علیحدہ اور شوہر کے ساتھ تنہا رہنے کی شرط عائد کی تھی۔

عمران کا ذہن اب پوری طرح جاگ رہا تھا۔ اس نے ان چاروں دلیلوں پر دوبارہ غور کیا۔ تیسری دلیل ذرا کمزور تھی۔ اس بات کا امکان پچاس فی صد تھا کہ فون کرنے والی ثمینہ گلشن اقبال میں رہتی ہوگی۔ پہلی بار اس نے یہ بات نظرانداز کردی تھی کہ یہ ثمینہ کے گلشن اقبال میں رہنے کا نتیجہ حتمی نہیں ہے۔ اس کی تصدیق بھی کسی طرح سے نہیں کی جاسکتی۔ یہ امکان بھی موجود ہے کہ دوسرا فریق یعنی مرد گلشن اقبال میں رہتا ہو یا وہاں سے فون کر رہا ہو۔

اس تیسری دلیل سے قطع نظر باقی دلیلیں بہت مضبوط تھیں۔

اب اس نے تصویر کو دوسرے رخ سے دیکھنے کی کوشش کی۔ جوابی دلیل صرف ایک تھی۔ یہ سب کچھ محض اتفاق ہے۔ ثمینہ نام کی لڑکیاں شہر میں جانے کتنی ہوں گی۔ سودوسو تو گلشن اقبال میں بھی رہتی ہوں گی۔ اس نے اپنے زور تخیل سے بات کو کہیں کا کہیں پہنچادیا تھا۔

عمران اپنے زور تخیل سے خوب آگاہ تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ اس معاملے میں اس کے تخیل کا کوئی دخل نہیں۔ وہ کراس ٹاک تو حقیقت تھی اور اس نے اس میں کوئی رنگ آمیزی بھی نہیں کی تھی۔ جو اس نے سنا تھا' صرف اسی کی بنیاد پر سوچ رہا تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اتفاقات اگر زنجیر کی کڑیوں کی طرح سے ملنا شروع ہوجائیں تو کوئی نہ کوئی بات

ضرور رونما ہوتی ہے۔ اتفاقات بھی بے سبب نہیں ہوتے۔

تو پھر نتیجہ کیا نکلا؟

تجزیہ یہ بتاتا تھا کہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ فون پر اس کی ہونے والی بیوی ثمینہ ہی بات کر رہی تھی لیکن اس پر حتمی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ قتل کے اس مقدمے کی طرح کا معاملہ تھا جس میں ٹھوس شواہد موجود نہ ہوں' کوئی عینی گواہ نہ ہو۔ البتہ واقعاتی شہادتیں مضبوط ہوں لیکن ان کی بنیاد پر ملزم کو سزائے موت تو نہیں سنائی جاسکتی۔

لیکن یہاں بات قانون ضرورت کی بھی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی زندگی کو سنگین خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس خطرے سے بچا جائے لیکن کیسے؟ شادی سے انکار کردے؟

اب یہ معاملہ منطقی تجزیے کا نہیں' عملی نوعیت کا تھا۔ بات اتنی بڑھ چکی تھی کہ اب وہ انکار نہیں کر سکتا تھا۔ اخلاقی اعتبار سے بھی یہ معیوب اور گری ہوئی حرکت تھی۔ اتنا آگے جانے کے بعد اگر لڑکا شادی سے انکار کرے تو لڑکی کی رسوائی ہوتی ہے اور اس کی زندگی برباد ہوجاتی ہے..........

لیکن یہاں یہ امکان بھی موجود تھا کہ لڑکی کی زندگی سنور جائے گی۔ اس کے ذہن نے دلیل دی۔ رسوائی کی وجہ سے لڑکی کے والدین اس کی شادی وہاں کرنے پر مجبور ہوجائیں گے' جہاں وہ چاہتی ہے' جہاں وہ نہیں چاہتے۔

مگر یہ صرف اس صورت میں ہی درست ہو سکتا تھا' جب اس کا یہ مفروضہ حقیقت پر مبنی ہو کہ جس ثمینہ کی گفتگو اس نے فون پر سُنی تھی' وہی اس کی ہونے والی بیوی ہے اور یہ کوئی یقینی بات نہیں۔ ذہن نے خود ہی اپنی دی ہوئی دلیل کو مسترد کردیا۔

تو پھر؟

وہ شادی سے انکار کرے گا تو ابو اور امی اس سے وجہ ضرور پوچھیں گے۔ وجہ بتا نہیں سکتا۔ اس صورت میں یہ امکان رہے گا کہ وہ بہتان تراشی کا مرتکب ہو رہا ہے جو اللہ کو ناپسند ہے خاص طور پر اس صورت میں کہ وہ کسی شریف لڑکی کے لیے تباہ کن بھی ثابت ہو سکتا ہے پھر وجہ بتانے کی صورت میں امی اور ابو اس کا مذاق اُڑائیں گے.........

ناراض بھی ہوں گے۔ بات ہے بھی مضحکہ خیز۔ اور وجہ نہ بتائے تو امی اور ابو یقیناً اس سے خفا ہوجائیں گے کہ وہ سب کچھ انہیں سونپنے کے بعد اس مرحلے پر پیچھے ہٹ رہا ہے کہ

وہ اپنے سمدھیوں کے سامنے شرمندہ ہونے کے سوا کچھ بھی نہیں کرسکتے۔

بالفرض وہ امی اور ابو کی ناراضی کا خطرہ مول لیتے ہوئے شادی سے انکار کردیتا ہے تو انیس الرحمٰن کا سامنا کیسے کرے گا۔ ان کی بیٹی کی بے ہودہ شرط کے جواب میں اس نے خود بھی ایک شرط عائد کردی تھی اور انہوں نے وہ شرط ہنسی خوشی پوری کردی تھی.......... اور وہ بھی بڑی شان سے۔ فلیٹ انہوں نے اسی کے نام سے خریدا تھا۔ شرط پوری کروانے کے بعد انکار کا کوئی جواز نہیں رہ جاتا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی اور صرف زبانی معاملہ بھی نہیں تھا۔ انیس صاحب نے اس کا عملی ثبوت بھی دیا تھا۔ فلیٹ اس کے نام تھا۔ کار اس کے نام تھی۔ اس کے بینک اکاؤنٹ میں انہوں نے دس لاکھ روپے جمع کرادیئے تھے اور فلیٹ کے کاغذات دیکھنے کے بعد جب اس نے اشارتاً یہ کہا تھا کہ بات بگڑنے کی صورت میں اُلجھن ہوگی تو انہوں نے واضح طور پر کہا تھا کہ یہ غیر مشروط ہے۔ ایک بیٹے کے لیے باپ کا تحفہ ہے۔ بغیر کہے انہوں نے یہ بات واضح کردی تھی کہ کسی خرابی کی صورت میں وہ اسے واپس لینا بھی نہیں چاہیں گے۔

یعنی وہ شادی سے انکار کردیتا' تب بھی انیس صاحب قانونی طور پر اس سے کوئی چیز واپس نہیں لے سکتے تھے لیکن ان کے ذہن میں یہ بات ہوتی تو وہ قانونی طور پر اپنے لیے گنجائش رکھ سکتے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کسی بھی صورت میں اپنے تحفے واپس نہ لیتے۔ البتہ ان تحفوں کی وجہ سے باپ بیٹے کے رشتے کے حوالے سے وہ اس سے انکار کی وجہ پوچھنے کا حق رکھتے تھے اور اس صورت میں وہ انہیں کیا بتاتا؟ یہ ٹیلی فونک طلسم ہوش ربا؟

پھر سب سے بڑا مسئلہ اس کا اپنا تھا.......... اپنے ضمیر کا!

اگر وہ امی ابو کی ناراضی کی پروا کیے بغیر انکار کردے اور انیس صاحب کا دل دُکھانے کی بھی پروا نہ کرے تو انیس صاحب کے دیئے ہوئے تحفوں کا کیا کرے گا؟ کیا وہ ان تحفوں کے ساتھ خوش رہ سکے گا؟ ہرگز نہیں۔ کیا وہ ان تحفوں سے جان چھڑا سکے گا؟ یہ یقینی نہیں۔ وہ فرض کرسکتا ہے کہ انکار کے بعد وہ انیس صاحب کو یہ سب کچھ لوٹا دے گا.......... اور وہ اسے قبول بھی کرلیں گے لیکن اگر انہوں نے دی ہوئی چیزیں واپس لینے سے انکار کردیا تو کیا ہوگا؟ وہ تو جیتے جی مرجائے گا۔ شرمندگی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔

منطقی طور پر اس بات کا امکان تھا کہ انیس صاحب وہ سب کچھ واپس لینا قبول

کرلیں گے لیکن یہ منطق کا' پرسنٹیج کا اور امکان کا معاملہ نہیں تھا۔ اس معاملے میں وہ ۹۹ فی صد امکان پر بھی یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ جبکہ یہاں تو امکان بھی نہ ہونے کے برابر تھا۔ انیس صاحب کی شخصیت' ان کا مزاج بتاتا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ چکے ہیں' اس سے انحراف کرنا پسند نہیں کریں گے۔ یہ تو ان کے لیے بے عزتی کی بات ہوتی.......... اور وہ ایسے آدمی نہیں لگتے تھے جو بے عزتی گوارا کرے۔

آخر میں عمران ایاز اس نتیجے پر پہنچا کہ شادی سے انکار بھیانک غلطی ہوگا اور یہ وہ نہیں کرسکتا۔ ہاں اگر اسے یقین ہوتا کہ انیس صاحب اس سے وہ سب کچھ واپس لے لیں گے تو شاید وہ انکار کردیتا حالانکہ یہ بھی مشکل ہی ہوتا۔ انیس صاحب اسے بہت اچھے لگے تھے.......... شفیق باپ کی طرح۔ ان کا دل دُکھانے کی ہمت وہ کہاں سے لاتا؟

تو گویا انکار کی گنجائش نہیں تھی تو پھر؟

اس "تو پھر" پر غور کرتے کرتے جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

☆======☆======☆

اس کی آنکھ کھلی تو سوا گیارہ بج چکے تھے! وہ امی کا احسان مند تھا کہ انہوں نے اسے آرام کرنے کا موقع فراہم کیا۔ ورنہ عام طور پر چھٹی والے دن بھی وہ اتنی دیر سے نہیں اٹھتا تھا۔

وہ اٹھ کر بیٹھا تو اسے رات کا خواب یاد آیا پھر اپنی کیفیت اور اپنا تجزیہ بھی یاد آیا لیکن یہ سب کچھ بہت دور کا لگ رہا تھا.......... افسانہ سا۔ اسے سنگینی کا کوئی احساس نہیں تھا۔ بلکہ اپنی رات کی پریشانی بھی مضحکہ خیز معلوم ہورہی تھی۔ ایسا ہوتا ہے۔ خاص طور پر رات کا ڈراؤنا خواب دیکھنے کے بعد آدمی کا بُرا حال ہوتا ہے۔

رات کی تاریکی میں سب کچھ خوفناک لگتا ہے۔ اس سے آدمی کی سوچ بھی متاثر ہوتی ہے۔ خواب کا ڈراؤنا تاثر بھی نیند کے مارے ذہن پر نقش ہوتا ہے لیکن دن کے اجالے میں عموماً خواب اپنی اہمیت کھو بیٹھتے ہیں۔

پھر بھی دن کے اجالے میں عمران نے اس پر سوچنا ضروری سمجھا لیکن اس بار وہ صرف پندرہ منٹ میں ایک نتیجے پر پہنچ گیا۔ اسے حیرت ہوئی کہ رات کو اتنی دہشت کے باوجود اس نے اتنے مثبت انداز میں سوچا تھا۔ اس نے رات جو کچھ سوچا تھا' بالکل درست تھا۔ شادی سے انکار کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ ایسی اتفاقیہ باتوں کا اتنا اثر لینا تو بہت

احمقانہ ہوگا کہ آدمی شادی جیسے کمٹ منٹ سے بھاگ کھڑا ہو۔ دن کے اجالے میں اسے یہ بھی یاد آیا کہ امی اور ابو اس شادی پر صرف اس لیے مصر تھے کہ لڑکی بھی انہیں بہت پسند آئی تھی اور اس کے والدین بھی اور پھر انیس صاحب کے رویے سے امی اور ابو کے اندازے کی تصدیق بھی ہوگئی تھی۔ تو پھر ثمینہ بھی یقیناً اچھی لڑکی ہوگی۔ دیکھنے میں بھی وہ اچھا تاثر چھوڑتی تھی۔

رات کے فیصلے کی توثیق کرنے کے علاوہ عمران نے ایک فیصلہ اور کیا۔ ازدواجی زندگی ہر شخص کے لیے بہت اہم ہوتی ہے۔ اسے خوش گوار رکھنے کے لیے جہاں بہت سی باتوں کی اہمیت ہوتی ہے' وہاں یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ باہمی اعتماد ہو۔ شک اور بدگمانی بہت نقصان دہ ہوتی ہے اور مہمل مفروضوں کی بنیاد پر شک کرنا تو بہت تباہ کن ثابت ہوسکتا ہے۔ اس نے خود کو سمجھایا کہ اسے بھی شک اور بدگمانی سے بچنا ہوگا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ کراس لائن پر جو گفتگو اس نے سنی تھی' اسے بھی خواب کی طرح بھلا دیا جائے......... نظرانداز کردیا جائے۔

وہ باتھ روم میں داخل ہوا تو بہت مطمئن تھا۔

☆======☆======☆

شادی سے ایک دن پہلے وہ سب گلستان جوہر والے فلیٹ میں چلے آئے! شادی ہوئی اور بہت دھوم دھام سے ہوئی۔ دردانہ بیگم بڑے چاؤ سے ثمینہ کو بہو بنا کر "اس" کے گھر لے آئیں۔ یہ ایک غیر معمولی صورتِ حال تھی۔ اس کے باوجود سب خوش تھے۔ عمران بھی بہت خوش تھا۔

ثمینہ کی تصویر نے......... اور پھر ثمینہ کی مختصر سی دید نے عمران پر جو اچھا تاثر چھوڑا تھا' سہاگ رات کی قربت میں وہ اس سے بڑھ کر ثابت ہوئی۔ درحقیقت عمران پوری طرح اس کا اسیر ہوگیا۔ اب تو اسے اس بات سے خوف آنے لگا کہ کہیں ثمینہ کھو نہ جائے۔ اسے بار بار یہ خیال آتا کہ کہیں یہ خواب تو نہیں؟

اگلے روز ولیمہ بھی شایانِ شان طریقے سے ہوا۔

شادی کے چوتھے روز دردانہ بیگم نے بیٹے اور بہو سے کہا کہ اب وہ گھر جارہی ہیں۔ اس لمحے عمران کے دل میں پھر وہ پھانس کھٹکنے لگی۔ ثمینہ اتنی اچھی' اتنی پیاری سی تھی لیکن اس نے اسے اس کے گھر' محبت کرنے والے والدین سے اور بہن بھائیوں سے دور

کردیا تھا۔ بہرحال وہ جانتا تھا کہ اب اسے اس کھٹک کے ساتھ زندگی گزارنا سیکھنا ہوگا۔

"امی پلیز' ہمارے لیے ایک نوکرانی کا بندوبست کردیں۔" اس نے ماں سے کہا۔ "اب میری چار دن کی چھٹیاں اور ہیں پھر ثمینہ کو اکیلے رہنا ہوگا۔"

"تم نہ بھی کہتے تو میں خود ہی اس کی فکر کرتی۔" دردانہ بیگم نے کہا۔

"خاص طور سے اس لیے کہہ رہا ہوں امی کہ کوئی ایسی عورت ہو جو یہاں رہ بھی سکے۔ جمعرات کو ہم اسے چھٹی دے دیں گے۔ ہفتے کی صبح اسے پھر واپس آنا ہوگا۔"

"تم بے فکر رہو بیٹے۔ یہ کام ہوجائے گا۔"

"امی......... بس تین دن میں یہ کام ہوجانا چاہیے۔" عمران نے اصرار کیا۔ ایک لمحے کو اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ کہیں اس فرمائش کا تعلق اس کراس ٹاک سے تو نہیں لیکن اس نے ذہن سے اس خیال کو تیزی سے جھٹک دیا۔

"میں نے کہا نا بیٹے کہ بے فکر رہو۔" دردانہ بیگم نے محبت سے کہا۔ "اب میں ذرا بہو سے بات کرلوں پھر چلتی ہوں۔"

دردانہ بیگم بیڈروم میں چلی گئیں۔ دس منٹ بعد وہ ثمینہ کے ساتھ کمرے سے نکلیں تو بے حد خوش نظر آرہی تھیں۔

"کیا بات ہے امی؟ بہت خوش لگ رہی ہیں؟" عمران نے پوچھا۔

"لگ نہیں رہی' میں بہت خوش ہوں۔" دردانہ بیگم نے تصحیح کی۔

"ایسی کیا بات ہے امی؟"

"یہ ساس بہو کا معاملہ ہے۔ تمہارا اس سے کیا واسطہ؟" دردانہ بیگم نے خوش دلی سے کہا۔

"امی......... یہ کون رشتہ درمیان میں لے آئیں آپ؟" ثمینہ نے دبے لہجے میں شکایت کی۔

"سوری بیٹی۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔" دردانہ بیگم نے معذرت کی۔

ثمینہ انہیں چھوڑنے نیچے جانا چاہتی تھی لیکن دردانہ بیگم نے اجازت نہیں دی "ابھی کچھ عرصے نئی نویلی دلہن ہی رہو۔" انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔

عمران انہیں نیچے سے رخصت کرکے آیا تو زندگی میں پہلی بار آباد گھر کے سناٹے سے اس کا واسطہ پڑا۔ بلکہ یہ اسے گھر ہی نہیں لگ رہا تھا۔ یہ تو کوئی اجنبی جگہ تھی' جہاں

کوئی چیز بھی جانی پہچانی نہیں تھی' ایک عجیب سی اداسی نے اس کے ذہن کو گرفت میں لے لیا۔

وہ بیڈ روم میں گیا' جہاں وہ بستر کی چادر بدل رہی تھی۔ "چلے گئے سب۔" اس نے اداسی سے کہا۔

ثمینہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں شکایت تھی۔ "میں تو موجود ہوں۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ تم تو خود موجود ہو......... اور شاید میں بھی۔"

ثمینہ کا دل اس کے لیے دُکھنے لگا۔ اس کا یہ ردعمل بالکل فطری تھا۔

عمران نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ "اچھا......... اب تم کھانے کی فکر کرو۔ گیارہ بج رہے ہیں' کچن چولہا سنبھالو اپنا۔" اس نے خشک لہجے میں کہا۔

"امی جان کھانا پکا کر فریج میں رکھ گئی ہیں۔ کم از کم آج تو مجھے کچن میں جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔" ثمینہ مسکرائی۔

عمران کے چہرے پر ناگواری کا تاثر ابھرا۔ "ایک دن سے کیا فرق پڑتا ہے۔ تمہیں تو ویسے بھی بہت شوق تھا نا کچن کا خیر......... میں اپنی اسٹڈی میں جا رہا ہوں۔ ذرا چائے بنا کر لے آؤ۔" یہ کہہ کر وہ اسے دیکھے بغیر اپنی اسٹڈی کی طرف چلا گیا۔

یہ کمرا اسے اسی طرح ملا تھا۔ یہ انیس صاحب کا ہی آئیڈیا ہوگا۔ انہیں اس کی پیشہ ورانہ ضروریات کا احساس ہوگا۔ انہوں نے خاص طور پر یہ کمرا تیار کیا تھا۔ اس میں ایک بڑی رائٹنگ ٹیبل تھی۔ سامنے کھڑکی بھی تھی اور بالکونی بھی۔ داہنی جانب والی دیوار پر ایک دیواری شیلف تھا۔ وہاں اردو ادب' انگریزی ادب اور ایڈورٹائزنگ کے موضوع پر چیدہ چیدہ کتابیں ترتیب اور سلیقے سے رکھی ہوئی تھیں۔ دوسری طرف ایک آرام دہ کاؤچ تھی۔ کمرے میں بہت نفیس قالین بچھا ہوا تھا۔

عمران کو فلیٹ میں سب سے اچھا کمرا یہی لگا تھا۔ یہاں قدرتی طور پر بہت سکون تھا۔ پہلے دو دن تو اسے کمرے میں آنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا مگر گزشتہ روز وہ اس کمرے میں آیا اور دو گھنٹے سے زیادہ بیٹھا تھا۔ اتنی دیر میں اسے احساس ہو گیا کہ تخلیقی کاموں کے لیے یہ کمرا بہت موزوں ہے۔ یہاں بیٹھ کر وہ کسی پبلسٹی پروجیکٹ پر بہت اچھی طرح کام کر سکتا تھا۔ اس کا تاثر تھا کہ یہ کمرا کچھ کرنے پر اُکساتا ہے۔

لیکن اس وقت اس کی ذہنی کیفیت ایسی نہیں تھی کہ وہ کسی تخلیقی کام کے بارے میں سوچتا۔ اس وقت تو اس پر ڈیپریشن طاری تھا۔ تاہم کرسی پر بیٹھنے کے بعد اس نے رائٹنگ پیڈ اپنی طرف کھینچا اور قلم کھول لیا۔

اسے احساس تک نہیں ہوا کہ وہ کاغذ پر قلم چلا رہا ہے۔

دروازے پر ہونے والی ہلکی سی دستک نے اسے چونکا دیا۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ پہلے تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے اور یہ دستک کیسی ہے۔ اتنی سی دیر میں وہ بالکل خالی الذہن ہو چکا تھا۔ یہ دستک بھی اس کے لیے نئی بات تھی۔

اسے خیال آگیا کہ ثمینہ چائے لائی ہوگی۔ "آجاؤ پلیز۔" اس نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

ثمینہ ٹرے لیے ہوئے کمرے میں آئی۔ چائے کے ساتھ بسکٹ بھی تھے۔ "یہ لیجئے جناب گرما گرم چائے۔" اس نے پیالی میز پر عمران کے سامنے رکھ دی اور پھر بسکٹوں کی پلیٹ۔ "اگر آپ اجازت دیں تو میں بھی یہیں بیٹھ کر چائے پی لوں؟"

"کیوں نہیں۔ بیٹھو۔"

سامنے والی کرسی پر بیٹھنے سے پہلے ثمینہ نے پیڈ پر نظر ڈالی۔ وہاں بے معنی لکیروں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کا دل پھڑکنے لگا۔ عمران ایسی مچھلی کی طرح لگ رہا تھا' جسے ندی سے نکال کر ایکویریم میں رکھ دیا گیا ہو۔

اس نے چائے کی پیالی سامنے رکھی اور کرسی پر بیٹھ گئی۔ "بسکٹ لیں نا۔"

"نہیں۔ بالکل خواہش نہیں ہے۔" عمران نے چائے کا گھونٹ لے کر کہا۔

ثمینہ نے بھی چائے کا گھونٹ لیا۔ "آپ بہت اداس ہیں۔ ہے نا؟" اس نے پوچھا "سب لوگ یاد آرہے ہیں نا؟"

عمران نے سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا کہ کہیں وہ مذاق تو نہیں اُڑا رہی ہے لیکن اس کی آنکھوں میں اسے تاسف کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔ "ہاں۔ میں اداس بھی ہوں اور مجھے سب لوگ یاد بھی آرہے ہیں۔ حالانکہ انہیں گئے ہوئے ایک گھنٹا بھی نہیں ہوا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" ثمینہ کی آنکھیں بھی اداسی سے بھر گئیں۔ شاید کچھ روکے گئے آنسوؤں کی دھند بھی تھی۔ "میرا تو تین دن سے یہی حال ہے۔"

"لڑکیوں کے لیے تو یہ ایک لازمی تبدیلی ہے جس سے انہیں گزرنا ہوتا ہے۔ وہ اس کے لیے تیار بھی ہوتی ہیں۔"

"تیار ہونے سے کوئی بڑا فرق نہیں پڑتا۔ جدائی تو جدائی ہی ہوتی ہے۔" ثمینہ نے کہا پھر اچانک ہی بولی۔ "آپ مجھ سے ناراض ہیں؟"

"کیوں.......... ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟"

"آپ کو خواہ مخواہ کا دکھ میری وجہ سے ہوا۔"

"نہیں' میں ناراض تو نہیں ہوں۔" عمران نے سچائی سے کہا۔ "البتہ افسردہ ضرور ہوں اور میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ تم جیسی پیاری لڑکی نے اتنی نامعقول شرط کیوں عائد کی۔ یہ تو بہت بڑی زیادتی ہے۔"

ثمینہ مسکرائی۔ وہ چاہتی بھی یہی تھی کہ شکایتیں زبان پر آجائیں۔ ورنہ دلوں میں کدورت بڑھتی جاتی ہے۔ "میرا خیال ہے' میں نے زیادتی نہیں کی۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "زیادتی تو جب ہوتی کہ میں بعد میں فساد کھڑا کرتی' گھر میں ہنگامے ہوتے' دلوں میں فاصلے بڑھتے اور ہوتا پھر بھی یہی کچھ۔"

"بات تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن میرے نزدیک تو اب بھی یہ زیادتی ہی ہے۔"

"اچھا ایک بات بتائیں۔ آپ اسے زیادتی سمجھتے ہیں تو آپ نے مجھ سے شادی کیوں کی؟ میرا خیال تھا کہ اس شرط کے ساتھ دنیا کا کوئی مرد مجھ سے شادی نہیں کرے گا۔"

عمران نے چونک کر اسے بغور دیکھا۔ شک کا کنکھجورا اس کے دماغ میں سرسرایا۔ گویا یہ چاہتی تھی کہ کوئی بھی رشتہ آئے' اس شرط کی وجہ سے انکار ہوجائے۔ اس نے سوچا لیکن ثمینہ کے چہرے پر معصومیت کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

"آپ نے جواب نہیں دیا میری بات کا؟" ثمینہ نے اسے یاد دلایا۔

"سچ یہ ہے کہ میں اس شرط کے ساتھ شادی کبھی نہ کرتا۔" عمران نے گہری سانس لے کر کہا۔ "لیکن میں امی کو اختیار دے چکا تھا اور امی اور ابو کو تم لوگ اتنے پسند آئے تھے کہ انہیں تمہاری یہ شرط بھی بری نہیں لگی۔ بلکہ امی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ تم انہیں اس شرط کے باوجود گھر میں تفرقہ ڈالنے والی ہرگز نہیں لگتیں۔"

یہ سن کر ثمینہ جس بے ساختگی سے مسرت بھرے انداز میں مسکرائی' اسے دیکھ کر عمران کا شک ڈھل گیا مگر فوراً ہی ثمینہ سنجیدہ بھی ہوگئی۔ "بس' اور کوئی وجہ نہیں تھی؟"

عمران نے اسے غور سے دیکھا۔ "تم جو سننا چاہتی ہو' میں وہ بھی کہہ دیتا ہوں۔ سچ یہ ہے کہ تم مجھے اچھی لگی تھیں لیکن تمہارے ابا جان مجھے تم سے زیادہ اچھے لگے۔"

"ابا جان ہیں ہی بہت اچھے لیکن یہ تو بتائیں' تصویر سے بھی کوئی کسی کے بارے میں جان سکتا ہے؟"

"تمہیں تو معلوم ہی نہیں۔ ربانی صاحب کی بیٹی کی شادی میں' میں نے تمہیں بہت قریب سے دیکھا تھا۔"

"اوہ......... عذرا کی شادی میں۔" ثمینہ نے حیرت سے کہا۔ "واقعی....... مجھے تو پتا بھی نہیں چلا۔"

عمران نے چائے کی پیالی خالی کرکے رکھ دی۔ "چائے تو تم نے بہت اچھی بنائی۔"

"کھانا بھی ٹھیک ٹھاک پکا لیتی ہوں۔ اچھا........ اب کیا پروگرام ہے؟"

"میں کچھ دیر آرام کروں گا۔"

"جی نہیں۔ یہ زیادتی ہے۔ ایک تو آپ کو چھٹی اتنی کم ملی پھر اس میں بھی کام۔"

"تو پھر کیا کروں؟" عمران نے قلم بند کرکے رکھ دیا۔

"یہ میں بتاؤں گی آپ کو!" ثمینہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

☆======☆======☆

وہ دن خواب کے عالم میں گزرے۔ عمران کو ثمینہ کے سوا نہ کچھ یاد تھا' نہ ہی کسی بات کا احساس تھا۔ وہ بلاشبہ اس کی زندگی کے خوب صورت ترین دن تھے۔ تیسرے دن فرمان ملازمہ کو لے آیا۔ ملازمہ کا نام زیب النساء تھا۔ اس نے بتایا کہ سب اسے زیبو کہتے ہیں۔

دردانہ بیگم نے زیبو کو سب کچھ اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔ عمران کو بھی اطمینان تھا کہ امی نے بہت چھان پھٹک کے بعد زیبو کو بھیجا ہوگا۔ یہ اس کے لیے بے فکری ہوگئی۔ اب وہ خود کو اپنے آفس اور اپنے کام کے لیے تیار کر رہا تھا۔

عمران نے دفتر جانا شروع کردیا۔ معمولات بنتے گئے۔ زیبو معمول کے مطابق ہفتے بھر وہاں رہتی اور پھر ایک دن کی چھٹی کرتی۔ ہفتے میں ایک دن عمران اور ثمینہ ایاز صاحب کے ہاں جاتے اور ایک دن انیس صاحب کے ہاں۔ کبھی وہ لوگ خود بھی ان سے ملنے کے لیے آجاتے۔ زندگی بہت سکون سے گزر رہی تھی۔ کبھی کبھی عمران کو حیرت ہوتی کہ اس

کے واہمے کیسے آسانی سے ڈھل گئے تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس پُر سکون زندگی میں کبھی تلاطم بھی پیدا ہوگا۔

لیکن ہونے والی بہت تو ہو کر رہتی ہے۔

ان کی شادی کو تین ماہ ہو چکے تھے۔ اس روز عمران دفتر سے آیا تو کام اپنے ساتھ لایا۔ ان دنوں وہ ایک کمرشل پر کام کر رہا تھا۔ گھر میں اسٹڈی ہونے سے اسے یہ سہولت ہوگئی تھی کہ کام کا دباؤ زیادہ ہوتا تو وہ پہلے کی طرح دفتر میں زیادہ دیر نہیں رکتا تھا۔ وہ چھٹی کے وقت چھٹی کرتا اور اضافی کام کے لیے اپنی اسٹڈی میں بند ہوجاتا۔ اس روز بھی وہ اپنی اسٹڈی میں کام کرتا رہا۔

نو بجے ثمینہ نے اسے یاد دلایا کہ کھانا بھی کھانا ہے۔ انہوں نے کھانا کھایا اور معمول کے مطابق چہل قدمی کے لیے نکل گئے۔ وہ کھلا علاقہ تھا۔ چہل قدمی میں لطف آتا تھا۔ واپسی میں پارک سے گزرتے ہوئے عمران کو وہاں غیر معمولی نقل و حرکت کا احساس ہوا لیکن اس نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی۔

پارک سے گھر آتے ہوئے نہ جانے کیوں احساس ہوا کہ ان کا تعاقب کیا جارہا ہے.......... ان پر نظر رکھی جارہی ہے۔ اس نے کئی بار پلٹ کر دیکھا لیکن وہاں کوئی بھی نہیں تھا مگر عمران کی تسلی نہیں ہوئی۔ اندھیرا زیادہ اور روشنی کم ہو تو سائے بھی بہت بنتے ہیں اور سایہ سائے کو تحفظ دیتا ہے۔

اس رات عمران گرانیٔ شکم کا بھی شکار تھا۔ اس نے دوا لی۔ اس کے باوجود وہ آسانی سے نہ سو سکا۔ دیر تک وہ کروٹیں بدلتا رہا۔ اگلی صبح دفتر کے لیے جلدی اٹھنے کا تصور الگ اس کے لیے اعصابی دباؤ کا سبب بن رہا تھا' بالآخر اسے نیند آگئی۔

خواب میں بھی اسے موہوم سا احساس تھا کہ یہ سب کچھ جزئیات کے فرق کے ساتھ وہ پہلے بھی دیکھ چکا ہے لیکن اس سے خواب کی خوف ناکی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ بلکہ اس بار خواب پہلے سے زیادہ خوف ناک لگا۔ اس لیے کہ وہ زیادہ حقیقی تھا۔

اس بار وہ ابو کے گھر میں نہیں' اپنے فلیٹ میں تھا اور فلیٹ میں اس کے ساتھ امی ابو اور بہن بھائی نہیں تھے' بس ثمینہ تھی۔ سب کچھ ویسے ہی ہوا تھا۔ البتہ اس بار سرغنہ ثمینہ کو لگاوٹ بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا اور ثمینہ......... وہ ہونٹوں پر چمکنے والی مسکراہٹ کا گلا گھونٹنے میں تو کامیاب رہی تھی لیکن وہ مسکراہٹ اس کی آنکھوں میں بے

حد عریاں نظر آرہی تھی۔

اور اس بار ڈاکوؤں کا سرغنہ اسے اس کی اسٹڈی میں لے گیا تھا۔ اس کے مکالمے وہی پہلے خواب والے تھے لیکن فائر ہونے سے پہلے ہی عمران کی آنکھ کھل گئی۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ چیخنے کی نوبت نہیں آئی ورنہ وہ چیختا اور ثمینہ کی آنکھ کھل جاتی تو پھر سوال جواب کا تکلیف دہ مرحلہ شروع ہوجاتا۔ وہ اٹھا تو اس کا جسم پسینے میں شرابور تھا۔ دل یوں تیز تیز دھڑک رہا تھا' جیسے سینہ توڑ کر باہر آجائے گا۔ ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ اس نے سر گھما کر ثمینہ کو دیکھا' اس کی ہموار سانسیں بتا رہی تھیں کہ وہ بے خبر سوئی ہوئی ہے۔ نیند میں وہ اور خوب صورت اور معصوم لگ رہی تھی۔

وہ بہت آہستگی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ لائٹ آن کرنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ثمینہ جاگے اور امکان یہی تھا کہ اب وہ سو نہیں سکے گا۔ پچھلی بار اس نے خواب دیکھا تھا تو اسے صبح دفتر جانے کی فکر نہیں تھی اور اسے یاد تھا کہ اس روز وہ گیارہ بجے کے بعد ہی جاگا تھا لیکن آج وہ دیر تک سونے کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔

اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ سوا دو بجے تھے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ تین بجے تک نیند نہیں آئی تو پھر وہ سوئے گا ہی نہیں۔ اسے خیال آیا کہ وہ اٹھ کر اسٹڈی میں چلا جائے لیکن اول تو خواب میں اسٹڈی دیکھنے کے بعد اس میں اسٹڈی کا رخ کرنے کی ہمت ہی نہیں تھی' دوسرے یہ خطرہ بھی تھا کہ ثمینہ کی آنکھ کھل گئی اور اس نے اسے بستر پر موجود نہ پایا تو پریشان ہوکر اسے ڈھونڈتی پھرے گی۔ چنانچہ وہ بستر پر ہی بیٹھا رہا جو کچھ وہ سوچنا نہیں چاہتا تھا' سوچنے پر مجبور تھا۔

اس بار صورتِ حال بدلی ہوئی تھی۔ ثمینہ سے اس کی شادی ہوچکی تھی اور وہ کتنی ہی جانب داری سے کام لے' یہ اعتراف کرنے پر مجبور تھا کہ وہ بہت اچھی بیوی ثابت ہوئی ہے۔ اس بار خواب بھی مختلف تھا لہٰذا اسے سوچنا بھی مختلف انداز میں تھا۔

یہ تجربہ اسے پہلے بھی ہوچکا تھا کہ پُر سکون سطح سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے گہرائی کو ٹٹولنا بھی ضروری ہے۔ گہرائی میں گڑبڑ ہو تو بھی سطح بہت عرصے تک پُر سکون رہ سکتی ہے شاید اس کی گہرائی بھی بہت زیادہ تھی۔

یہ بات طے تھی کہ وہ شعور کو مکڑیوں کے جالوں سے صاف کرلیتا ہے لیکن پسِ شعور تک اس کی رسائی نہیں۔ تحت الشعور اور لاشعور اس کی دسترس میں نہیں۔

اس نے شعور کو صاف کر کے اپنا اطمینان کرلیا تھا لیکن شک اور وہم کی مکڑیوں نے
اس کے تحت الشعور کو جالوں سے بھر دیا تھا۔ جب تک وہ صاف نہیں ہو جاتا' وہ پُرسکون
زندگی نہیں گزار سکتا۔ اب وہ غور کر رہا تھا کہ اس نے امی سے ملازمہ کے لئے کیوں کہا۔
جبکہ شعوری طور پر وہ کچھ اور فیصلہ کر چکا تھا۔ اس نے تو انیس صاحب کی ترکیب کو اور
آگے بڑھانے کا فیصلہ کیا تھا جنھوں نے بڑا فلیٹ اس لئے دیا تھا کہ اس میں صرف دو افراد
رہیں گے تو کنبے کی افادیت کو جلدی سمجھ سکیں گے۔ اس نے شادی کے لئے زیادہ چھٹی پر
اصرار نہیں کیا تھا کہ پانچ کمروں کے فلیٹ میں ثمینہ دن بھر اکیلی رہے گی تو اور جلدی گھبر
جائے گی تو پھر اس سیٹ اپ میں ملازمہ کی گنجائش کہاں نکلتی تھی۔

اسے یاد تھا کہ امی سے ملازمہ کے لئے بات کرتے ہی اسے خیال آیا تھا کہ کہیں وہ
شک کی بنا پر تو یہ بندوبست نہیں کر رہا ہے' اور اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہی بات تھی
اور اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ وہ اپنی ثمینہ کو فون پر بات کرنے والی ثمینہ ہی سمجھ رہا
ہے۔ فون والی ثمینہ نے اپنے چاہنے والے سے کہا تھا کہ اس نے ایسا بندوبست کرلیا کہ ا
اس کی شادی کے بعد بھی مل سکیں گے' ملتے رہیں گے اس لئے کہ وہ سسرال سے
علیحدہ............اکیلی رہے گی۔

یہ خیال ہی عمران کے لئے شرم ناک تھا کہ وہ اپنی بیوی پر شک کرتا ہے۔ اسے ڈر
ہے کہ موقع ملا تو ثمینہ اس شخص سے گھر کی تنہائی میں ملے گی' جس سے وہ محبت کرتی رہی
ہے۔ یہ تو گھٹیا پن تھا اور پھر بیوی بھی اس کی ثمینہ جیسی' تین ماہ میں اس نے دیکھا تھا
ثمینہ کے کسی انداز میں کبھی تصنع نہیں ہوتا۔ اس کے انداز کا والہانہ پن اس لڑکی کا سا
جو پہلی بار کسی کی محبت میں مبتلا ہوئی ہو۔ نہ اسے دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ وہ کسی کی منتظر
ہے' کسی سے ملنے کے لئے تڑپ رہی ہے۔ نہیں وہ ایسی ہے نہیں۔ بڑے شرم کی بات
ہے کہ وہ اس کے لئے اس انداز میں سوچتا رہا ہے۔

اسی وقت اس کے اندر ایک آواز ابھری۔ ثمینہ نے علیحدہ رہنے کی شرط اس خیال
سے عائد کی تھی کہ اس شرط کی وجہ سے دنیا کا کوئی مرد اس سے شادی کرنا قبول نہیں
کرے گا۔ وہ بے ساختہ خیال تھا۔ عمران اندر ہی اندر لرز کر رہ گیا۔ یعنی وہ اب بھی ثمینہ
کے بارے میں اسی انداز میں سوچ رہا ہے!

لیکن جب اس نے ثمینہ کو یہ بتایا تھا کہ اس کے بارے میں امی کی کیا رائے تھی

اس کا ردِ عمل بہت بے ساختہ تھا۔ وہ اپنی خوشی چھپا نہیں سکی تھی۔ اگر فیصلہ دلیلوں پر
ہونا ہے تو اس دلیل کی اہمیت بھی اپنی جگہ ہے۔

مگر بات دلیل کی نہیں تھی۔ اس نے شادی کا فیصلہ کرتے ہوئے ہر شک کو مسترد کیا
تھا۔ وہ جانتا تھا کہ شک کی بنیاد پر ازدواجی زندگی کی عمارت کھڑی نہیں کی جا سکتی۔ دل میں
شک ہو تو شادی کرنی ہی نہیں چاہئے۔ اب اس کا کیا علاج کہ شک لاشعور میں بسا ہو اور
آدمی اس سے بے خبر ہو۔

اس نے ایک بار پھر سوتی ہوئی ثمینہ کو دیکھا اور اسے خود پر شرم آنے لگی۔ اگر
ثمینہ کو معلوم ہو جائے کہ وہ اس کے بارے میں کس انداز میں سوچ رہا ہے تو اس پر کیا
گزرے گی۔ نہیں........ اسے اس چیز سے لڑنا ہو گا۔

اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ ساڑھے تین بجے تھے۔ نیند اب بھی نہیں آ رہی
تھی۔ یعنی اب اسے جاگنا تھا۔ ورنہ صبح اٹھنا ممکن نہیں رہتا۔

اس کے باوجود چار بجے کے بعد وہ کسی وقت سو گیا۔

☆======☆======☆

اس کی آنکھ کھلی تو گیارہ بجنے والے تھے! اس نے سر گھما کر دیکھا۔ ثمینہ بستر پر
موجود نہیں تھی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھا اور بیڈ روم کا دروازہ کھول کر باہر آیا۔ ثمینہ ٹی وی لاؤنج
میں بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر سے دیکھا اور بولی۔ "اٹھ گئے آپ۔
طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"رات گرانی کی وجہ سے دیر تک سو نہیں سکا تھا۔ اب تو طبیعت ٹھیک ہے۔"
عمران نے کہا۔ پھر پوچھا۔ "تم کب اٹھیں؟"

"میں سات بجے اٹھ گئی تھی۔"

"پھر مجھے کیوں نہیں جگایا؟"

"کسی کو جگانے کی جس حد تک کوشش کی جا سکتی ہے' میں نے کی لیکن آپ نے نیند
میں ہی صاف انکار کر دیا اٹھنے سے۔ میں نے دفتر جانے کا بھی یاد دلایا تو آپ نے کہہ دیا کہ
آج چھٹی کریں گے۔"

"اوہ........ مجھے تو یاد نہیں۔" عمران کو پھر اپنے لاشعور کا خیال آیا۔ اس کا لاشعور
کچھ زیادہ ہی طاقت ور تھا شاید۔ اسے رات کا خواب اور پھر اپنی سوچیں یاد آئیں۔ اسے

خجالت ہونے لگی۔

"آپ باتھ روم جائیں۔ میں ناشتہ تیار کرتی ہوں۔"

عمران باتھ روم جانے سے پہلے اپنی اسٹڈی میں چلا گیا' جہاں فون رکھا تھا۔ یہ سہولت ابھی دس بارہ دن پہلے ہی حاصل ہوئی تھی۔ عام طور پر فون اتنی جلدی لگتا نہیں لیکن ایڈورٹائزنگ ایجنسی کا اثر و رسوخ کام آیا تھا۔

اس نے فون پر اپنی سیکریٹری کو بتایا کہ وہ آج دفتر نہیں آئے گا پھر وہ باتھ روم میں چلا گیا۔ باتھ روم سے نکلا تو ناشتہ تیار تھا۔ عمران کو ثمینہ کی یہ ادا بھی بہت اچھی لگی تھی کہ زیبو کے ہوتے ہوئے بھی اس نے کھانے پکانے کا کام خود اپنے ذمے لیا تھا۔

دونوں نے خاموشی سے ناشتہ کیا۔ "اب کیا پروگرام ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"بس آج عیش کریں۔ آج جی چاہ رہا ہے کہ خوب باتیں کی جائیں۔" عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا باتیں کریں گے؟" ثمینہ بھی مسکرائی۔

"بس اِدھر اُدھر کی...... دنیا بھر کی۔"

"مگر ابھی مجھے کھانا پکانا ہے۔ کھانا کب کھائیں گے؟"

"ابھی تو ناشتہ کیا ہے۔" عمران نے کہا۔ "کھانا تو دیر سے ہی کھایا جائے گا۔"

"پھر بھی' میں تو ایک بجے کھانا پکا کر فارغ ہو جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں اتنی دیر اسٹڈی میں کچھ کام کرلوں گا۔ تم فرصت ہوتے ہی آجانا۔" عمران نے اٹھتے ہوئے کہا۔

وہ اپنی اسٹڈی میں گیا۔ زیبو وہاں صبح ہی صفائی کر چکی تھی۔ وہ اپنی میز پر جا بیٹھا لیکن کام کا کوئی سوال ہی نہیں تھا اور رات کے بارے میں وہ اب سوچنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ وہ جاکر لاؤنج سے اخبار اٹھا لایا۔ اخبار پڑھنے کے بعد اس نے ایک کتاب نکال لی جو صارفین کی نفسیات اور فنِ تشہیر کے موضوع پر تھی لیکن وہ ٹھیک طور سے کتاب بھی نہیں پڑھ پا رہا تھا۔ ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ایک بجے کے ذرا بعد ثمینہ اسٹڈی میں چلی آئی

"چائے پئیں گے یا کھانا لگا دوں؟" اس نے پوچھا۔

"بھوک تو ابھی ہے نہیں۔ چائے پیوں گا تو شاید کھانے کا امکان ہی نہ رہے۔ آؤ بیٹھو۔"

ثمینہ بیٹھ گئی۔ دونوں اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔ بات سیاست اور حالاتِ حاضرہ سے ہوتی ہوئی روزمرہ مسائل تک آگئی۔ عمران بے حد غیر محسوس طریقے سے اسے مسئلہ بے روزگاری تک لے آیا۔ "جیسے یلو کیب بہت مثبت اسکیم تھی۔"

"اس میں بھی بڑے گھپلے بڑی بے ایمانیاں ہوئیں۔" ثمینہ نے کہا۔

"ہاں اس لئے کہ ہمارا ملک بد قسمتی سے کرپشن کے معاملے میں دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں شمار ہوتا ہے۔ اس سے اسکیم کی افادیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ گھپلوں کے باوجود اس اسکیم سے بڑے فائدے ہوئے۔ ایک طرف بے روزگار لوگوں کو روزگار میسر آیا۔ دوسری طرف پڑھے لکھے جوان لوگ اس میدان میں آئے تو ٹیکسی ڈرائیور کا روایتی امیج تبدیل ہوا پھر ایک زاویے سے اسلامی تعلیمات پر عمل ہونے لگا۔ یہ احساس عام ہوا کہ رزقِ حلال کی جدوجہد عبادت سے کم نہیں۔ کوئی بھی کام کرنے میں برائی نہیں۔ ہاں چوری' نقب زنی اور ڈکیتی بری بات ہے۔ ناجائز ذرائع سے دولت کمانا برا ہے۔ اس سے پہلے بڑے معزز خاندانوں کے لڑکے صرف اس لئے بے روزگار پھرتے تھے کہ انہیں شایانِ شان کام نہیں مل رہا ہے۔ کوئی عام سا کام کریں گے تو خاندن کی عزت کو بٹہ لگے گا۔ یہ بہت بڑی اور مثبت تبدیلی ہے۔"

"مجھے آپ کی اس آخری بات سے اختلاف ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "تبدیلی صرف اس حد تک آئی ہے کہ مردوں کے بغیر کہیں جانے والی عورتیں اب ٹیکسی میں بیٹھنے سے نہیں گھبراتیں۔ باقی معاشرے میں ٹیکسی ڈرائیور کو اب بھی اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ بیشتر اچھے گھرانے انہیں رشتہ دینے سے کتراتے ہیں۔"

یہ آخری بات سن کر عمران کی دھڑکنوں کی رفتار بڑھ گئی۔

"خاص طور پر کھاتے پیتے گھرانوں کے لوگ ٹیکسی ڈرائیور کو اب بھی حقیر سمجھتے ہیں۔" ثمینہ اس کی کیفیت سے بے نیاز کہتی رہی۔ اس کے لہجے میں اداسی اتر آئی تھی "اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی کہ محنت سے رزق حلال کمایا جارہا ہے۔"

"اچھا!" عمران نے لہجے میں حیرت سموتے ہوئے کہا۔ "میرا مشاہدہ تو بالکل مختلف ہے۔"

"میں یہ نہیں کہہ رہی کہ بالکل ایسا ہی ہوتا ہے۔" ثمینہ نے جلدی سے کہا۔ "متوسط طبقے نے اسے قبول کرلیا ہے لیکن جن خاندانوں میں دولت اور نام و نسب کا زعم

ہو وہ اپنے کسی لڑکے کو ٹیکسی ڈرائیور دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ ایسے لوگ ایسے لڑکوں کو رشتہ بھی نہیں دیتے۔"

"کوئی عملی مثال اس کی تمہارے سامنے ہے؟"

"ہاں، میرے ایک کزن ہیں۔ ان کے ساتھ یہی کچھ ہوا۔ وہ اپنی پسند کی شادی بھی نہیں کرسکے۔ صرف اس لئے کہ وہ یلوکیب چلاتے ہیں۔"

عمران کے لئے خود کو نارمل رکھنا مشکل ہوگیا۔ "مجھے افسوس ہوا یہ سن کر۔"

"افسوس تو مجھے بھی ہے لیکن کوئی کیا کرسکتا ہے۔ یہ زندگی ہے۔"

"تمہارے ان کزن کا نام کیا ہے؟" عمران نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"ظہیر...... ظہیر بھائی۔"

"تمہارے ابا جان تو ان سے ناخوش نہیں ہوں گے۔"

"جی نہیں۔ ابا جان بھی ان سے خوش نہیں ہیں۔"

"اور تم؟"

"مجھے تو بھئی وہ اچھے لگتے ہیں۔ پڑھے لکھے ہیں۔ خوش شکل ہیں۔ کوئی عیب نہیں ان میں۔ کردار کے اچھے ہیں۔ اخلاق بھی اچھا ہے۔"

عمران کے وجود میں رقابت کی ایک تند موج اٹھی اور جانے کتنے گھروندے گرا گئی۔ تاہم اس نے کوشش کی کہ چہرے پر اندر کی کیفیت کا کوئی عکس نہ جھلکے۔ کچھ وہ اس میں کامیاب بھی رہا اور کچھ یہ بھی تھا کہ ثمینہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ وہ تو کہیں کھو سی گئی تھی۔ اس کے چہرے پر دکھ اور ملال کا تاثر بے حد واضح تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اٹھی۔ "میں کھانا لگاتی ہوں۔ دو بج چکے ہیں۔"

عمران نے کچھ نہیں کہا۔ خاموشی سے اٹھ کر ڈائننگ روم میں چلا آیا لیکن اس سے کھانا نہیں کھایا گیا۔

☆======☆======☆

عذاب اور بڑھ گیا!

وہ تو اپنے لاشعور سے جنگ لڑنے، مکڑیوں کے جالے صاف کرنے کا ارادہ لے کر چلا تھا مگر ثمینہ کے تازہ ترین انکشاف کے بعد اسے احساس ہو رہا تھا کہ مکڑیوں کے جالے تو اس کے شعور میں بھی گھسے آرہے ہیں۔ اب وہ اس شک سے بچ بھی نہیں سکتا تھا اور

لڑ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ ثمینہ سے کھنچ گیا۔ اس نے کوشش کی تھی کہ ثمینہ کو احساس نہ ہونے دے لیکن ایسی باتیں کہاں چھپتی ہیں۔ ثمینہ کو احساس ہوگیا۔

"مجھ سے کچھ ناراض ہیں آپ؟" اس نے پوچھا۔

"ایسی باتیں خود سے پوچھنی چاہئیں۔" عمران نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "تم نے کوئی ایسی بات، کوئی حرکت کی، جس پر میں تم سے ناراض ہوں۔"

"ایسا کچھ کیا تو نہیں میں نے لیکن کبھی لاعلمی میں بھی کوئی غلطی، کوئی زیادتی ہوجاتی ہے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔" عمران نے مختصراً کہا۔

"تو پھر؟ پریشان ہیں؟"

اس سوال کا جواب سچائی سے دیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ عمران نے اثبات میں جواب دے دیا۔

"کیوں پریشان ہیں۔ مجھے نہیں بتائیں گے؟"

یہ ٹیڑھا سوال تھا۔ عمران نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "ان دنوں میں ایک بڑے پبلسٹی پروجیکٹ پر کام کررہا ہوں۔ اسے جلدی مکمل کرنا ہے اور مجھے کوئی آئیڈیا سوجھ ہی نہیں رہا ہے۔ بس یہ الجھن ہے۔"

"تخلیقی کام ہے۔ پریشان ہونے سے تو اور مشکل ہوجائے گا۔ آپ پُرسکون ہوجائیں۔ ریلیکس کریں۔"

اب عمران اسے کیسے بتاتا کہ ریلیکس ہونا اس کے لئے ممکن نہیں۔ "یہ اپنے اختیار میں کب ہوتا ہے۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

ثمینہ خاموش ہوگئی۔

اگلے روز لنچ کے بعد عمران نے دفتر سے فلیٹ کا فون نمبر ملایا۔ اسے حیرت ہونے لگی۔ گھنٹی مسلسل بج رہی تھی لیکن کوئی فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ اس نے دوبارہ نمبر ملایا۔ اس بار بھی دیر تک گھنٹی بجتی رہی۔ آخر کار دسویں گھنٹی کے بعد ریسیور اٹھالیا گیا۔

"ہیلو؟" دوسری طرف سے ثمینہ کی ہانپتی ہوئی آواز ابھری۔ آواز سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کی سانسیں بے ترتیب ہیں۔

"یہ میں نے دوسری بار فون کیا ہے۔" عمران چڑچڑا پن نہ چھپا سکا۔ "پہلی بار بھی

دس بارہ مرتبہ بیل گئی۔ اس بار بھی تم نے دس بار گھنٹی بجنے کے بعد فون اٹھایا ہے۔“

”میں کچن میں تھی۔ فون کی آواز ہی نہیں آئی۔ ابھی میں کسی کام سے کچن سے نکلی تو گھنٹی کی آوز سنی۔“

”ہانپ کیوں رہی ہو؟“

”بھاگتی ہوئی آئی ہوں۔ ہانپوں گی نہیں!“

”زیبو کہاں ہے؟“

”بازار گئی ہے۔“

فون اٹھانے میں دیر ہونے پر عمران پہلے ہی شک کی دھیمی دھیمی آگ میں جل رہا تھا۔ یہ سن کر وہ آگ پوری طرح بھڑک اٹھی کہ ثمینہ گھر میں اکیلی ہے۔ اس کا تصور پوری طرح متحرک ہوگیا۔ اس نے بلڈنگ کے باہر ایک یلوکیب کھڑی دیکھی اور اپنے فلیٹ میں........

اس سے آگے اس سے سوچا نہیں گیا۔ ”زیبو کو کیوں بھیجا تم نے؟“ اس نے بے حد درشت لہجے میں کہا۔

”تو اور کیا کرتی۔“ ثمینہ کے لہجے میں حیرت اور شاک تھا۔ ”کسی چیز کی ضرورت ہو تو اسے بازار نہیں بھیج سکتی کیا۔ اسے کوئی اعتراض بھی نہیں۔“

”لیکن مجھے اعتراض ہے۔“ عمران اب تقریباً چلا رہا تھا۔

”کیوں؟“

اس کیوں میں جانے کیا تھا...... اور ثمینہ کے لہجے میں کوئی بات تھی، جس نے عمران کو جھنجوڑ ڈالا۔ وہ تصور سے حقیقی دنیا میں لوٹ آیا۔ اسے فوراً ہی احساس ہوگیا کہ اسے اپنے آپ سے باہر ہونے کے سلسلے میں جواب دہی کرنی ہوگی۔ ثمینہ کو احساس نہیں ہونا چاہئے کہ اس کے ذہن میں کوئی ایسی ویسی بات تھی۔

اب لہجے کو ایک دم نرم کرلینا بھی مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ اس نے بدستور درشت لہجے میں کہا۔ ”حالات بھی اچھے نہیں پھر وہ علاقہ بھی سنسان رہتا ہے۔ میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتا۔ اس تصور سے ہی مجھے گھبراہٹ ہونے لگتی ہے۔“

”اوہ......... میرا اتنا خیال ہے آپ کو۔“

”کیا نہیں ہونا چاہئے؟“

”شکریہ۔ آئندہ خیال رکھوں گی۔ یہ بتایئے، فون کیوں کیا تھا آپ نے؟“

”صرف تمہاری آواز سننے کے لئے۔ اور سب ٹھیک ہے نا؟“

”جی ہاں۔ آپ کب آئیں گے؟“

”وہی چھٹی کے وقت۔ اچھا خدا حافظ۔“

ریسیور رکھنے کے بعد عمران نے رومال سے چہرے کا پسینہ صاف کیا۔ اپنے رد عمل پر وہ بے حد متوحش ہوگیا تھا۔ اب کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں رہی تھی۔ سب کچھ کھل کر سامنے آگیا تھا۔ وہ بہت خوف ناک آگ میں جل رہا تھا۔ اس آگ میں جلتے ہوئے یہ کوئی آسان کام نہیں تھا کہ وہ گھر میں بیوی کے سامنے ایک اعتماد کرنے والے شوہر کا کردار ادا کرے۔ جبکہ درحقیقت وہ اس پر شک کررہا ہے۔

اس دن کے بعد زندگی عمران کے لئے آسان نہیں رہی۔ ثمینہ یہی سمجھتی رہی کہ وہ کام کے بوجھ کی وجہ سے چڑچڑا ہو رہا ہے۔

تین چار دن بعد عمران نے دوبارہ دفتر سے گھر فون کیا۔ اس بار زیبو نے فون ریسیو کیا۔ ”زیبو، ثمینہ سے بات کراؤ۔“ اس نے کہا۔

”صاحب، باجی تو گھر میں نہیں ہیں۔

عمران بھڑک اٹھا۔ ”کہاں گئی ہیں؟“

”بازار سے کچھ خریدنا تھا صاحب جی۔ بازار گئی ہیں۔“

”کتنی دیر ہوگئی گئے ہوئے؟“

”مجھے اندازہ نہیں صاحب۔ پر گھنٹے سے زیادہ ہوگیا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں بعد میں فون کرلوں گا۔“

عمران کا تصور پھر بے لگام ہوجاتا مگر اچانک ہی وہ بے حد مصروف ہوگیا۔ پہلے تو اسے ایک کلائنٹ سے تقریباً ایک گھنٹے فون پر بات کرنا پڑی پھر ایم ڈی صاحب نے اسے بلوالیا۔ انہوں نے ایک اور اکاؤنٹ اسے سونپ دیا۔ کوئی ایک گھنٹے بعد وہ ان کے دفتر سے نکلا تو فون پر ایک پھر طویل گفتگو ہوئی۔ اس کے بعد چھٹی کا وقت ہوگیا تھا۔

وہ گھر پہنچا تو اس کا موڈ بہت خراب تھا۔ ثمینہ نے اسے چائے لاکر دی۔ ”تم آج کہاں چلی گئی تھیں؟“ اس نے بے حد خراب لہجے میں پوچھا۔

ثمینہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ”زیبو نے بتا تو دیا تھا۔“ وہ بولی۔ ”میں بازار گئی

تھی۔"

"تو پھر مجھے فون کیوں نہیں کرلیا؟" عمران نے نہ چاہتے ہوئے بھی جرح کی۔

"آپ نے زیبو سے کہا تھا کہ آپ خود تھوڑی دیر بعد فون کرلیں گے پھر بھی کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد میں نے فون کیا تو انگیج کی ٹون آتی رہی۔" ثمینہ نے کہا پھر بولی "لیکن مسئلہ کیا ہے؟ کوئی خاص بات ہے؟"

"تمہیں اس طرح اکیلے نہیں جانا چاہئے تھا۔ زیبو کو ساتھ لے جاتیں۔"

"مگر اس میں حرج کیا ہے؟"

"گھر ایک ایسی ملازمہ پر چھوڑ دینا' جسے ہم تھوڑے ہی عرصے سے جانتے ہیں بے وقوفی ہی کہلائے گی۔" عمران نے بات بنائی۔

"یہ تو خیال ہی نہیں آیا مجھے۔" ثمینہ نے کہا۔ "مگر یہ مسئلہ عجیب ہے۔ ایک طرف آپ کہتے ہیں کہ میں زیبو کو کہیں نہ بھیجوں۔ دوسری طرف کہتے ہیں کہ میں اکیلی بازار نہ جاؤں۔ اب کسی چیز کی ضرورت پڑے تو کیا کروں۔"

"صبر اور انتظار۔" عمران نے خشک لہجے میں کہا۔ "تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو' وہ جمعے کو میرے ساتھ چل کر بازار سے خرید لیا کرو۔"

"بعض اوقات اچانک کسی چیز کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔"

"نہیں پڑنی چاہئے۔ شاپنگ کے لئے مکمل فہرست بنا کر نکلا کرو۔ تمہیں تو اس بات کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہئے۔ اس برتے پر اکیلی رہنے چلی تھیں۔" عمران نے تلخی سے کہا۔

ثمینہ کو یہ طعنہ بہت بُرا لگا۔ "اکیلی رہ سکتی ہوں اسی لئے تو بازار چلی گئی تھی۔ اکیلی۔" ثمینہ کے لہجے میں پہلی بار تلخی آئی۔

"اس کی میں اجازت نہیں دوں گا۔ لہٰذا آئندہ یہ خیال رکھو کہ ضرورت کی ہر چیز گھر میں موجود رہے۔ کوئی چیز موجود نہ ہو تو اس کے بغیر کام چلانے کی عادت ڈالو۔"

اس کے بعد مزید بات تو نہیں ہوئی لیکن دونوں ایک دوسرے سے کھنچ گئے۔ گھر کی فضا پہلی بار کشیدہ ہوئی تھی۔

☆=====☆=====☆

مزید دو ہفتے گزر گئے!

اس روز ثمینہ کو غصہ آیا تھا لیکن اب وہ تشویش میں مبتلا تھی اور تشویش بڑھتی ہی جارہی تھی۔ عمران کا طرزِ عمل اس کے لئے روز بروز پیچیدہ ہوتا جارہا تھا۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ بات کسی پروجیکٹ کی پریشانی کی یا حسبِ منشا کام نہ ہونے کی نہیں' کچھ اور ہے۔ جو تبدیلیاں آئی تھیں وہ بہت بڑی اور نمایاں تھیں۔ عمران چڑچڑا اور بد مزاج ہو رہا تھا۔ وہ محبت اور وہ نرمی جانے کہاں کھو گئی تھی' جس نے اسے عمران کی محبت میں گرفتار کر دیا تھا۔

ایک بڑی تبدیلی اور آئی تھی۔ اب دور ہونے کے باوجود ثمینہ یہ بات محسوس کر سکتی تھی کہ اس کی آوز سن کر عمران سکون کی سانس لیتا ہے۔ جیسے اس کی آواز سننا اس کے لئے خلافِ توقع ہو اور کوئی بہت بڑی بات ہو۔

ثمینہ اس کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھی!

لیکن اور بھی کئی باتیں تھیں' جن کی وجہ وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ عمران اسے گھر پر اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ وہ تنہا کہیں باہر جائے۔ اس بارے میں سوچتے ہوئے کوئی بات اس کے ذہن میں آتی تھی' جسے وہ گرفت میں نہیں لے پائی تھی مگر اسے یہ احساس ضرور تھا کہ وہ بات کسی ناپسندیدہ نتیجے سے متعلق ہے جو اس کے ذہن نے اخذ کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ بھی تھا کہ وہ اس بات کو سمجھنا نہیں چاہتی۔

ثمینہ بے حد سمجھ دار لڑکی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ہر بات کو کریدنا اور اسے سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔ بے خبر رہا جائے تو چھوٹی چھوٹی باتیں بھی بہت بڑی بن جاتی ہیں۔

ثمینہ اس پر سوچتی رہی۔ وہ واقعات کی ترتیب یاد کر رہی تھی۔ وہ دن اسے خوب یاد تھا۔ اس روز عمرن نے چھٹی کی تھی اور ازدواجی زندگی کے دوران اب تک وہ اس کی پہلی اور آخری چھٹی تھی۔ اس روز پہلی بار وہ بدمزاج نظر آیا تھا اور اس نے کام کو اس کی وجہ قرار دیا تھا۔ چند روز بعد وہ فون والا واقعہ پیش آیا تھا' جب زیبو بازار گئی ہوئی تھی۔ اس کے بعد سے تو وہ بالکل بدل کر رہ گیا تھا۔

اس پر سوچتے ہوئے اچانک وہ نتیجہ سامنے آگیا جس سے وہ جانے کب سے نظریں بچا رہی تھی۔

عمران اس پر شک کرنے لگا ہے۔

کچھ دیر کے لئے تو وہ سن ہو کر رہ گئی۔ وہ ساکت بیٹھی رہ گئی پھر اس کے اندر بڑی

شدت سے احتجاج ابھرا لیکن کیوں؟ اس نے خود سے پوچھا۔ اس دن سے پہلے عمران کے کسی انداز سے کبھی ایسا نہیں لگا۔ شکی شوہر تو پہلے ہی لمحے سے سامنے آجاتے ہیں۔ تین مہینے تو اسے کبھی یہ گمان بھی نہیں ہوا۔ عمران تو محبت کرنے والا' درگزر سے کام لینے والا بہت اچھا شوہر ثابت ہوا تھا پھر اچانک یہ کیا ہوگیا۔ وہ اس پر شک کیوں کرنے لگا؟

ثمینہ نے پوری سچائی سے خود کو ٹٹولا۔ اپنے ہر فعل کا احتساب کیا لیکن عمران کے شک میں مبتلا ہونے کا کوئی جواز اسے نہیں ملا۔ تو پھر؟ اسے یقین ہوگیا کہ جو کچھ بھی ہوا ہے' اسی دن ہوا ہے' جب عمران نے چھٹی کی تھی۔

عمران نے چھٹی کیوں کی تھی؟ گرانیٔ شکم کی وجہ سے وہ بہت دیر تک سو نہیں سکا تھا۔ تو یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے کوئی خواب دیکھا ہو۔ اس نے اس امکان پر غور کیا۔ یہ عین ممکن تھا مگر کیا یہ ممکن ہے کہ عمران جیسا معقول آدمی محض ایک خواب کی بنیاد پر اپنی بیوی پر شک کرنے لگے؟ اس کا جواب یہ تھا کہ انسانی ذہن کسی بھی وقت کوئی بھی کرشمہ دکھا سکتا ہے۔

لیکن ثمینہ کو اس بات پر یقین نہیں آرہا تھا کہ عمران اس پر شک کرتا ہے' کوئی اور بات بھی تو ہوسکتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ یہ عمران کی کہی ہوئی ایک بات کے حوالے سے آیا تھا۔ عمران نے اسے اکیلے رہنے کے شوق کا طعنہ دیا تھا۔ یہ بات تو طے ہے کہ عمران کو اس طرح اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہونا پسند نہیں آیا ہے۔ کہیں وہ یہ سب کچھ اسے یہ احساس دلانے کے لئے تو نہیں کر رہا ہے کہ سب کے ساتھ رہنے کے بے شمار فوائد ہیں اور اکیلے رہنے کے عذاب بھی ہیں۔

یہ بات ثمینہ کے دل کو زیادہ لگتی تھی۔ عمران شکی ٹائپ کا تو نہیں تھا لیکن ماں باپ بہن بھائیوں سے بہت محبت کرنے والا ضرور تھا۔ اس میں بھی شبہ نہیں کہ وہ بہت اچھا شوہر ثابت ہوا تھا۔ یعنی اس مسئلے کا حل بہت آسان تھا۔ وہ اعلان کردے کہ اپنی آزادی اور خودمختاری سے دست بردار ہو کر وہ سسرال رہنا چاہتی ہے۔ اس کے بعد تمام مسائل خودبخود حل ہوجائیں گے۔

اس فیصلے پر پہنچنے کے بعد وہ مطمئن ہوگئی۔

☆======☆======☆

ایک جہنم کی آگ تھی' جس میں وہ جل رہا تھا!

اب وہ دن میں کئی بار دفتر سے گھر فون کرتا۔ اس کے ذہن پر بس ایک ہی خیال مسلط رہتا۔ ثمینہ اس سے بے وفائی کرکے رہے گی۔ اب تمام کڑیاں مل چکی ہیں اس میں شبے کی کوئی گنجائش نہیں کہ فون پر اس نے اتفاقیہ جو گفتگو سنی تھی' وہ ثمینہ اور اس کے کزن ظہیر کی تھی۔ اب تو اسے یقین ہوگیا تھا کہ فون کرنے والی کی آواز سو فیصدی ثمینہ ہی کی تھی۔ وہ لاکھوں میں ایک اتفاق تھا کہ اس نے وہ گفتگو سن لی تھی ورنہ ایسا ہوتا نہیں ہے۔

دشواری یہ تھی کہ اسے ثمینہ سے محبت ہوگئی تھی۔ یہ تصور بھی اس کے لئے سوہانِ روح تھا کہ ثمینہ کسی اور سے محبت کرتی ہے اور اب جب بھی وہ اس کے سامنے ہوتی یہ خیال اسے ڈستا رہتا۔ وہ بڑی اذیت اٹھا رہا تھا۔ ثمینہ کا سامنا کرنے سے اسے خوف آنے لگا۔ بھلا وہ کب تک' یہ سب کچھ اس سے چھپا سکتا تھا۔ بلکہ اسے تو لگتا تھا کہ ثمینہ بھی کچھ کچھ سمجھ گئی ہے لیکن وہ کھل کر بات بھی نہیں کرسکتا تھا۔ اس سے وہ گریز کر رہا تھا۔ شاید اس لئے کہ اسے احساس تھا کہ اس سے اس کا ہی گھٹیا پن ثابت ہو گا۔

اس کا حل اس نے یہ نکالا کہ دفتر میں دیر تک رکا رہتا۔ رات کو تھکا ہارا گھر پہنچتا تو ثمینہ کا زیادہ دیر تک سامنا نہ کرتا۔ تھکن کا بہانہ کرکے جلدی سونے کے لیے لیٹ جاتا۔ یہ الگ بات کہ اسے ٹھیک طرح سے نیند بھی نہیں آتی۔ مسلسل نیند کی کمی کی وجہ سے اس کی صحت پر بھی برا اثر پڑ رہا تھا۔ ذہنی کیفیت بھی اچھی نہیں اور اس کے نتیجے میں اس کی کام کرنے کی صلاحیت بھی متاثر ہو رہی تھی۔ پہلے اس کا کام ایڈوانس رہتا تھا لیکن اب اسے احساس تھا کہ اس پر ایک دم کام کا دباؤ آنے والا ہے اور وہ اس کے لئے تیار بھی نہیں ہے جبکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے کئے کرائے پر یوں پانی پھر جائے۔ کیریر کی اپنی ایک اہمیت تھی۔ وہ اس میں خرابی نہیں چاہتا۔

درحقیقت اس دباؤ نے ہی اسے مجبور کیا کہ وہ اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ کرے۔ معاملات کو یوں ہی چھوڑ دیا جاتا تو تباہی یقینی تھی اور وہ معمولی تباہی نہ ہوتی اس میں سبھی کچھ تباہ ہوجاتا۔

سوال یہ تھا کہ وہ بات کس سے کرے۔ ثمینہ سے بات کرنے کو وہ تیار نہیں تھا۔ ایک وحید ہی تھا جس سے بات کی جاسکتی تھی۔ حالانکہ اس میں بھی اس کے لئے شرمندگی ہی تھی۔

اس نے وحید کے دفتر کا نمبر ملایا۔ وحید سے فوراً ہی بات ہو گئی۔ "وحید مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ میں تمہیں تمہارے دفتر سے پک کر لوں گا۔"

"کس وقت؟" وحید نے تھکی ہوئی آواز میں پوچھا۔ پھر فوراً خود ہی بتایا۔ "آج کل دفتر میں کام بہت ہے۔ دیر سے ہی اٹھنا ہوتا ہے کیا کوئی بہت ضروری بات ہے؟"

"بہت ضروری۔ ورنہ میں تم سے اصرار نہ کرتا۔"

دوسری طرف سے چند لمحے خاموشی رہی پھر وحید نے کہا۔ "ٹھیک ہے نو بجے میرے دفتر آجاؤ۔ رات کا کھانا ساتھ ہی کھائیں گے۔"

"او کے۔ اس دوران' میں بھی کوشش کروں گا کہ کچھ کام نمٹا لوں۔" عمران نے کہا۔

چار بجے عمران نے گھر فون کیا۔ شبنم سے اس کی بات نہ ہو سکی۔ وہ باتھ روم میں تھی۔ "تم بی بی کو بتا دینا کہ آج مجھے واپسی میں بہت دیر ہو جائے گی۔ کام بہت زیادہ ہے۔ رات کا کھانا بھی میں باہر ہی کھاؤں گا۔ ان سے کہنا' کھانے پر میرا انتظار نہ کریں۔" عمران نے زیبو کو بتایا۔

"کس وقت تک آئیں گے صاحب؟" زیبو نے پوچھا۔

"گیارہ تو بج ہی جائیں گے اور دیر ہو سکتی ہے۔"

"ٹھیک ہے صاحب۔ میں باجی کو بتا دوں گی۔"

عمران نے ریسیور رکھا اور کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس روز کام میں کچھ اس کا دل بھی لگ رہا تھا۔ وہ کام کرتا رہا۔ پانچ بجے اس نے شاہدہ کو چھٹی دے دی۔ "آپ چلی جائیں مس شاہدہ۔ میں آج دیر تک کام کروں گا۔"

نو بجے تک مہلت کافی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس وقت تک کم از کم ایک اکاؤنٹ کا کام تو خوش اسلوبی سے نمٹا ہی لے گا لیکن ایسا ہوا نہیں۔ ساڑھے پانچ بجنے والے تھے کہ وحید آ گیا۔ اسے دیکھ کر عمران کو حیرت ہوئی۔ "اتنی جلدی آ گئے تم؟"

"بس یار' تمہاری قسمت اچھی تھی۔ موقع مل ہی گیا۔ اب تم رات کے کھانے سے تو بچ ہی گئے۔ ورنہ بل کی صورت میں تمہاری کھال اتروا دیتا میں۔"

"اس کی فکر کسے ہے۔ کھانا تو ہم اب بھی ساتھ کھا سکتے ہیں۔" عمران نے کہا۔

"خیر یہ بتاؤ اب کیا ارادہ ہے؟"

"چل کر کسی ریسٹورنٹ میں بیٹھیں گے' جہاں سکون سے بات کی جا سکے۔ میں ذرا یہ میز سمیٹ لوں۔"

☆======☆======☆

عمران بالکل ابتدا سے سب کچھ سنا رہا تھا۔ اس نے کوشش کی تھی کہ کوئی معمولی بات بھی بیان سے نہ رہے خواہ وہ اس کے نزدیک غیر اہم ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے ڈاکٹر سے کچھ بھی نہیں چھپانا چاہئے' ویسے ہی کسی کو راز دار بناتے وقت یہ اہتمام رکھنا پڑتا ہے۔

وحید کے چہرے پر محویت کا تاثر تھا۔ وہ بڑی توجہ سے عمران کی باتیں سن رہا تھا۔ کئی بار اس کی آنکھوں میں حیرت جھلکتی نظر آئی تھی' کبھی وہ تاسف سے سر ہلاتا رہا تھا۔ کم از کم اسے تو ٹیلی فون پر سنی جانے والی وہ اتفاقیہ گفتگو پریوں کی کہانی ہی لگ رہی تھی۔

"تو یہ ہے صورتِ حال۔" عمران نے سب کچھ بتانے کے بعد آخر میں کہا۔ "اگر یہ سب کچھ یونہی چلتا رہا تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔ اس سے خراب بات یہ ہے کہ میرا کام بری طرح متاثر ہو رہا ہے۔ جلد ہی کوئی بہتری نہ ہوئی تو میرا کیریر ہی تباہ ہو جائے گا۔"

"اسی لئے تم یہ سب کچھ مجھے بتانے پر مجبور ہو گئے۔" وحید نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں' مگر بات صرف بوجھ ہلکا کرنے کی نہیں۔ مجھے تمہاری رائے اور مشورے کی بھی ضرورت ہے۔"

"میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔" وحید نے کہا۔ "میری رائے میں غلطی سراسر تمہاری ہے اور تمہیں اس بات کا احساس بھی ہے اسی لئے تم نے اس سلسلے میں کسی سے بات نہیں کی۔ بلکہ گریز کرتے رہے۔"

"یہ بات نہیں۔" عمران کے لہجے میں احتجاج تھا۔ "مجھے تو ثمینہ کی عزت کا خیال تھا۔ یہ تو بڑی شرم ناک بات"

"تم خود بھابی سے اس سلسلے میں بات کر سکتے تھے۔" وحید نے اس کی بات کاٹ دی۔ "بہرحال میری رائے میں تمہیں خود یہ یقین ہے کہ ثمینہ بھابی ایسی نہیں ہیں۔ ورنہ تم ان سے ضرور بات کرتے۔ تمہیں ڈر تھا کہ تم ان کی نظروں میں گر جاؤ گے۔ کیونکہ اس بات میں صداقت نہیں۔"

"لیکن غور تو کرو۔ اتفاقات ہوتے ہیں لیکن ایسا تو نہیں ہوتا کہ یوں کڑیاں ملتی

جائیں۔"

"بہت کچھ ایسا ہوتا ہے' جو بظاہر واضح طور پر نظر نہیں آتا ہے لیکن ہوتا برعکس ہے۔" وحید نے کہا۔ پھر پوچھا۔ "تم مجھ سے مشورہ بھی چاہتے ہو؟"

"اسی لئے تو اتنی مصروفیت میں تمہیں تکلیف دی ہے۔"

"میں تمہیں یہی مشورہ دے سکتا ہوں کہ بھابی کو یہ سب کچھ بتا دو۔ حقیقت تمہیں معلوم ہو جائے گی۔ بوجھ بھی ہلکا ہو جائے گا۔"

"لیکن........"

وحید نے اس کی بات کاٹ دی۔ "بھائی میاں بیوی کے رشتے کی بنیاد ہی اعتماد پر ہوتی ہے۔ اعتماد نہیں تو سب بے کار ہے۔ تمہیں پہلے ہی انہیں بتا دینا چاہئے تھا۔ خیر اب بھی کچھ نہیں بگڑا ہے۔ تھوڑا بہت ناراض تو وہ ہوں گی۔ میری رائے میں بس یہی ایک حل ہے اس کا۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

بل ادا کر کے وہ ریسٹورنٹ سے نکل آئے۔ اس وقت آٹھ بجے تھے۔ عمران نے وحید سے کھانے کا پوچھا لیکن وحید نے منع کر دیا۔

عمران نے وحید کو گلشن اقبال میں اس کے گھر ڈراپ کیا۔ اپنے گھر جاتے ہوئے وہ فکر مند تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ثمینہ کا سامنا کیسے کرے گا۔ اسے یہ سب کچھ کیسے بتائے گا اس کا ردِ عمل کیا ہو گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس گفتگو کے بعد اس کی ازدواجی زندگی ہمیشہ کے لیے تباہ ہو جائے۔

لیکن اگر اس کے شبہات درست ہوئے تو............

اپنی اس سوچ پر اسے شدت سے غصہ آیا۔ اس نے سوچا' یہ واقعتاً ضروری ہے کہ وہ ثمینہ سے بات کرلے۔ خواہ اس کے نتیجے میں ذلیل ہونا پڑے۔ یا برباد۔ شک اس کے دل میں اتنی جگہ بنا چکا ہے کہ وہ شک کرنے سے باز رہ ہی نہیں سکتا۔

فوراً ہی اس کے شک کی کمینگی کی ایک اور مثال سامنے آگئی۔ اگرچہ فوری طور پر وہ اسے نہیں سمجھ سکا۔

اپارٹمنٹ بلڈنگ میں گاڑی پارک کرنے کی کہیں جگہ نہیں تھی۔ اس لئے اس نے گاڑی بہت پہلے امی کے گھر ہی چھوڑ دی تھی اور خود موٹر سائیکل پر آتا جاتا تھا۔ اس روز

اس نے موٹر سائیکل بلڈنگ سے کچھ دور روک دی۔ ساڑھے آٹھ بجے تھے لیکن وہاں رونق بالکل نہیں تھی۔ وہ موٹر سائیکل گھسیٹتا ہوا زینے تک پہنچا جہاں ہر روز موٹر بائیک کھڑی کرتا تھا۔

موٹر سائیکل لاک کر زینے پر قدم رکھتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ وہ پھر ثمینہ پر شک کر رہا ہے۔ اس نے فون پر کہا تھا کہ وہ گیارہ بجے کے بعد ہی گھر پہنچے گا۔ یعنی وہ تین گھنٹے پہلے گھر آگیا ہے اور اب وہ چپکے چپکے گھر کی طرف جا رہا ہے کیااس امید پر کہ.........؟

اس سے آگے اس سے سوچا ہی نہیں گیا۔ وہ پہلے ہی اتنا مطعون ہو چکا تھا۔ وحید کے ہاتھوں بھی اور اپنے ہاتھوں بھی اور پھر وہ تو معاملات صاف کرنے کی نیت سے جا رہا تھا۔ یہ شک تو اس کا حوصلہ ہی پست کر دیتا۔ اس شک کو رد کرنے کے لئے اس نے تیزی سے جواز گھڑا۔

وہ تو بس ثمینہ کو سرپرائز دینا چاہتا ہے۔

☆======☆======☆

لیکن سرپرائز تو صرف اسی کے لئے تھا!

اس نے اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبایا۔ جواب میں بہت' بہت زیادہ ہلکی سی قدموں کی چاپ سنائی دی لیکن وہ یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ چاپ ہی ہے وہ اس کا وہم بھی ہو سکتا تھا۔

اس نے دوبارہ گھنٹی بجائی۔ اس بار بھی دروازہ نہیں کھلا۔ یہ احساس ضرور ہوا کہ پیپنگ گلاس سے کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔

شک کے کن کھجورے نے اس کے دماغ میں پنجے گاڑ دیئے۔ اس کے اندر جیسے آگ سی بھڑک اٹھی۔ دروازہ کھلنے میں اتنی دیر! اس کا شک یقین میں بدلنے لگا۔ وہ لمحے اس کے لئے بے حد اذیت ناک تھے۔ اطلاعی گھنٹی کے بٹن پر اس کی انگلی جم کر رہ گئی۔

اچانک دروازہ کھلا اور ثمینہ کا چہرہ نظر آیا۔ اس کے چہرے پر زردی کھنڈی ہوئی تھی۔ وہ بہت سہمی ہوئی نظر آرہی تھی۔ آنکھوں میں خوف تھا اور اس کے ہونٹ لرز رہے تھے۔ جیسے وہ کچھ کہنا چاہ رہی ہو جیسے وہ اسے اندر آنے سے منع کر رہی ہو۔

لیکن عمران اس کی یہ کیفیت دیکھ کر اور بھڑک گیا وہ اسے دھکا دیتے ہوئے آندھی

کی طرح اندر داخل ہوا۔ "کون ہے گھر میں؟ کون ہے؟" وہ غرایا لیکن اندر داخل ہوتے ہی وہ پتھر کے بت کی طرح ساکن ہو گیا۔ وہ اپنا جملہ پورا بھی نہ کر سکا۔

سب سے پہلے اس کی نظر ریوالور کی نال پر پڑی جو اتنے کم فاصلے سے خوف ناک حد تک بڑی نظر آرہی تھی۔ جیسے توپ کا دہانہ ہو۔

"اب دروازہ بند کر کے لاک کر دو خاتون۔" ایک غراہٹ سنائی دی۔

ثمینہ نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے دروازہ بند کر دیا۔

اب عمران نے اس شخص کو دیکھا' جس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اس کا قد کچھ اس سے نکلتا ہوا تھا۔ چہرے پر اس نے رومال باندھا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ آنکھوں پر رنگین شیشوں کا چشمہ تھا۔ ہر لحاظ سے وہ بے چہرہ آدمی لگ رہا تھا۔ یہ بات اس کی خوف ناکی میں اور اضافہ کر رہی تھی۔

اور یہ سب کچھ خواب نہیں' حقیقت تھا اور حقیقت بہت خوف ناک تھی۔

"اب کیا رات بھر یہیں کھڑے رہو گے اندر چلو۔" بے چہرہ آدمی نے درشت لہجے میں کہا۔ وہ انگلی سے ٹی وی لاؤنج کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

ثمینہ نے عمران کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کا ہاتھ لرز رہا تھا۔ "زیبو کے دروازہ کھولتے ہی یہ لوگ اندر گھس آئے تھے۔" اس کی آواز میں بھی لرزش تھی۔

"میں کہتا ہوں' اندر چلو..........." بے چہرہ آدمی پھر غرایا۔

ثمینہ اور عمران مرے مرے قدموں سے ٹی وی لاؤنج کی طرف چل دیئے۔ "کتنی دیر ہوئی انہیں آئے ہوئے؟" عمران نے سرگوشی میں ثمینہ سے پوچھا۔

"مشکل سے پندرہ منٹ ہوئے ہیں۔" ثمینہ نے کہا۔ پھر رونے لگی۔ "اب کیا ہو گا عمران؟"

عمران کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا مگر اس نے ثمینہ کو دلاسا دیا۔

"پریشان نہ ہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

اتنی دیر میں وہ ٹی وی لاؤنج میں پہنچ چکے تھے۔ عمران نے دیکھا' لاؤنج میں تین بے چہرہ آدمی اور تھے۔ وہ زیب النساء کو گھیرے ہوئے تھے۔ عمران اور ثمینہ کو لانے والے نے عمران اور ثمینہ کو بیٹھنے کو کہا پھر اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوا۔ "یہ ہے سربراہِ مملکت۔" اشارہ عمران کی طرف تھا۔ اس پر لاؤنج میں موجود تینوں ڈاکوؤں نے قہقہے

لگائے۔

عمران اور ثمینہ بھی بیٹھ گئے تھے۔ "تم لوگ کیا چاہتے ہو؟" عمران نے ہمت کر کے پوچھا۔ اب وہ سب کچھ اسے غیر حقیقی، خواب سا لگ رہا تھا۔

"اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے۔ بہت بے وقوف معلوم ہوتے ہو۔" لاؤنج میں موجود ڈاکوؤں میں سے ایک نے تبصرہ کیا۔ "بھئی یہاں ہم دعوت کھانے تو نہیں آئے ہیں! ہمیں مال چاہئے اور مال بھی ایسا کہ جگہ کم گھیرے اور قیمتی زیادہ ہو۔"

عمران کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس نے یہ سوال کیوں کیا۔ جبکہ جواب اسے معلوم تھا۔ اس نے سر گھما کر چاروں ڈاکوؤں کو دیکھا۔ ان میں سے تین کے ہاتھوں میں ریوالور تھا۔ جبکہ چوتھے کے ہاتھ میں کلاشنکوف ٹائپ کی کوئی گن تھی۔ یہ چوتھا وہی تھا جس نے ابھی اس کے سوال پر جوابی تبصرہ کیا تھا۔ وہی سردار معلوم ہوتا تھا۔

"اب کیا پروگرام ہے چیف؟" ڈاکوؤں میں سے ایک نے کلاشنکوف والے سے پوچھا۔ اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ وہ سردار ہے۔

"ابھی بتاتا ہوں۔" چیف نے کہا اور ثمینہ کی طرف مڑا۔ "خاتون میں جانتا ہوں کہ عورتوں کے لئے زیورات کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ تمہارے لئے بھی زیورات سے دستبردار ہونا آسان نہیں ہو گا مگر یہ حقیقت ہے کہ زیورات تو جب چاہو گی خرید لو گی۔ زندگی چھن گئی تو دوبارہ نہیں ملے گی اور شاید تمہیں یہ اندازہ بھی ہو گا کہ بیوہ کی زندگی بھی عذاب سے کم نہیں ہوتی۔" اس کے نرم لہجے میں بے حد خوف ناک دھمکی تھی۔

ثمینہ کا جسم تھرتھرا کر رہ گیا۔ وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ ایک ڈاکو اپنے سردار سے مخاطب ہو گیا۔ "چیف، ابھی تم نے دعوت کی بات کی تھی۔"

"میں نے کہا، ہم یہاں دعوت کھانے تو نہیں آئے ہیں۔" چیف نے سخت لہجے میں کہا۔

"لیکن چیف، بھوک بھی لگ رہی ہے اور کھانے کا وقت بھی ہے تو پھر دعوت ہی سہی۔"

چیف کوئی جواب دینے ہی والا تھا کہ اس سے پہلے ایک اور ڈاکو بول پڑا۔ "ویسے بھی اتنی جلدی فلیٹ سے نکلنا ٹھیک نہیں ہو گا چیف۔ آدھی رات کے بعد ہی نکلنا بہتر رہے گا۔"

"اور یہاں وی سی آر اور ٹی وی موجود ہے۔" چوتھا ڈاکو بولا۔

چیف کچھ دیر سوچتا رہا۔ "ٹھیک ہے۔" اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا پھر وہ ثمینہ سے مخاطب ہوا۔ "خاتون یہ کھانے کا وقت ہے کھانا تو تیار ہو گا؟"

"نہیں کھانے کو تو کچھ بھی نہیں ہے۔"

"کیوں تمہارے گھر میں کھانے کا رواج نہیں ہے۔ کھانا نہیں پکتا؟"

"انہوں نے فون کر کے بتایا تھا کہ دیر سے گھر آئیں گے اور کھانا باہر ہی کھائیں گے۔" ثمینہ نے عمران کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے کھانا نہیں پکایا۔ سوچا، میں اور زیبو دوپہر کا بچا ہوا ہی کھا لیں گے۔"

"بہرحال اب تو تمہارے صاحب جلدی گھر آ گئے ہیں۔ جلدی سے ان کے لئے کھانا لگاؤ اور ہمارے لئے بھی اور ذرا ڈھنگ سے پکانا۔ ہم کھانے کے معاملے میں بہت خوش ذوق ہیں۔ اب تم اور یہ ملازمہ دونوں کچن میں جاؤ۔ جلدی کرو۔"

ثمینہ اور زیبو کچن میں جانے کے لیے اٹھنے لگیں تو چیف نے اپنے ایک ساتھی کو اشارہ کیا۔ "بی ون تم بھی کچن میں جاؤ۔ ان پر نظر رکھنا۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔" عمران نے احتجاج کیا۔ "تمہیں ان دونوں سے کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا۔"

"سنو اس گھر کے پرائم منسٹر صاحب۔" چیف نے سخت لہجے میں کہا۔ "مانا کہ یہاں تمہارا حکم چلتا ہے لیکن یہ نہ بھولو کہ اس وقت میں اس جگہ کا صدر ہوں اور یہ میرے ہاتھ میں آٹھویں ترمیم کا ہتھیار دیکھ رہے ہو۔ میں تمہیں تمہاری اسمبلی سمیت ڈزالو کر سکتا ہوں۔ لہٰذا مجھ سے الجھنے کی کوشش مت کرنا۔" اس نے کلاشنکوف لہرائی۔ "بی ون تم دونوں عورتوں کے ساتھ جاؤ۔ ان پر نظر رکھنا ضروری ہے۔"

ثمینہ اور زیبو کچن میں چلی گئیں۔ بی ون نے ایک کرسی لے جا کر کچن کے دروازے پر رکھی اور اس پر بیٹھ گیا۔

"اب چیف کوئی فلم ہو جائے۔" ایک اور ڈاکو نے چیف سے فرمائش کی۔

چیف عمران کی طرف مڑا۔ "ویڈیو فلمیں ہیں تمہارے پاس؟"

عمران نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ٹی وی ٹرالی کی دراز کی طرف اشارہ کیا۔ "بی ٹو، کوئی فلم پسند کر لو اور لگا دو۔" چیف نے اپنے ایک ساتھی سے کہا۔

عمران نے سوچا تیسرا یقیناً بی تھری ہو گا۔

بی ٹو نے فلم لگا دی۔ وہ لوگ سکون سے بیٹھ کر فلم دیکھنے لگے بی ون بھی ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ٹی وی لاؤنج کی سیٹنگ ایسی تھی کہ کچن میں رہتے ہوئے بھی ٹی وی دیکھا جا سکتا تھا۔ یہ آسانی اس وقت بی ون کے کام آ رہی تھی۔ اس نے سر گھما کر ثمینہ اور زیبو کو دیکھا اور دھمکی آمیز لہجے میں بولا۔ ”میں تم پر نظر رکھے ہوئے ہوں گڑبڑ کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لانا۔ شوٹ کرنے میں صرف ایک سیکنڈ لگے گا مجھے۔“

عمران کو ان کی دیدہ دلیری پر حیرت ہو رہی تھی۔ وہ ایک گھر میں ڈاکے کے ارادے سے گھسے تھے۔ انہیں کوئی خوف نہیں تھا اور اب وہ گھر کے لوگوں کی طرح بیٹھے ٹی وی پر فلم دیکھ رہے تھے۔ کھانا پکانے کا حکم بھی دے چکے تھے اور یہ طے تھا کہ کھانا وہ ڈٹ کر کھائیں گے۔ ممکن ہے کھانے کے بعد سویٹ ڈش کی فرمائش بھی کریں۔

بچت کی کوئی صورت، کوئی امکان نہیں تھا۔ ڈاکوؤں کے انداز سے پتا چلتا تھا کہ وہ صرف زیورات اور نقدی پر اکتفا کریں گے۔ نقدی گھر میں زیادہ تھی ہی نہیں۔ البتہ ثمینہ کے پاس جیولری بہت قیمتی بھی تھی اور زیادہ بھی تھی۔ یہ نقصان یقیناً بھاری ہونے والا تھا لیکن یہ بھی سچ تھا کہ زندگی کے مقابلے میں اس نقصان کی کوئی وقعت نہیں تھی۔

سچ تو یہ ہے کہ عمران کو وہ سب کچھ حقیقی نہیں لگ رہا تھا۔ اسے تو وہ اپنا بنایا ہوا ومٹو کولا کا کمرشل لگ رہا تھا ابھی وہ لوگ فریج کھولیں گے ومٹو کولا نکال کر پئیں گے اور شکریہ ادا کر کے رخصت ہو جائیں گے لیکن دماغ کے اندر، کہیں بہت گہرائی میں اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ یہ بہت خطرناک صورتِ حال ہے جس میں کسی بھی لمحے کوئی خوفناک واقعہ پیش آ سکتا ہے بلکہ پیش آئے گا۔ اس کے علاوہ کوئی بات کوئی جانی ہوئی، سمجھی بوجھی بات اس کے ذہن میں چبھ رہی تھی لیکن اس کا ذہن اسے گرفت میں نہیں لے پا رہا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اس وقت کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہی نہیں تھا۔ دھند میں جکڑے ہوئے ذہن کے ساتھ وہ خاموش بیٹھا رہا۔ ڈاکو فلم پر تبصرے بھی کر رہے تھے اور ہنسی مذاق بھی۔ عمران کے فلم دیکھنے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ وہ کبھی کچن کے دروازے پر بی ون کو دیکھتا اور کبھی دوسرے ڈاکوؤں کو۔ اس صورتِ حال میں کچھ کیا ہی نہیں جا سکتا تھا۔ اس کی قوتِ متخیلہ بھی بے برگ و بار ہو کر رہ گئی تھی۔

یونہی وقت گزرتا رہا لیکن اس کی رفتار بہت سست تھی۔ کم از کم عمران کے لئے اور

اس گزرتے ہوئے وقت نے اسے اور شل کر کے رکھ دیا۔ کچھ کرنے کی پوزیشن میں تو وہ پہلے ہی نہیں تھا مگر اب سوچنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔ وہ جو بات اس کے ذہن میں رہ رہ کر چبھ رہی تھی اب اس میں اس کو سمجھنے کی کوشش کرنے کی سکت بھی نہیں تھی۔ وہ یوں بیٹھا تھا جیسے جسم بے روح ہو گیا ہو۔

ساڑھے دس بجے کے قریب کھانا تیار ہو گیا۔ بی ون نے وہیں بیٹھے بیٹھے چیف کو اس بات کی اطلاع دی۔ چیف نے بی ٹو کو فلم روکنے کی ہدایت اور بی ون سے کہا۔ ”خواتین سے کہو، کھانا لگا دیں۔ کھانا ہم یہیں کھائیں گے۔“

زیبو نے کھانا لگا دیا۔ وہ چاروں کھانے کے لئے بیٹھ گئے۔ تینوں ڈاکوؤں نے اپنے ریوالور میز پر اپنے سامنے رکھ لئے۔ چیف نے اپنی گن اپنی رانوں پر رکھ لی۔ ”تم تینوں سامنے بیٹھ جاؤ۔ یاد رکھو، ایک غلط حرکت کا مطلب تینوں کی موت ہو گا۔ بعد میں تم تینوں بھی کھانا کھا سکو گے۔“

ان تینوں کو کھانے کی کوئی خواہش نہیں تھی۔ ”ہمیں بھوک نہیں لگ رہی ہے۔“ عمران نے کہا۔

”تمہاری مرضی۔“

چاروں ڈاکوؤں نے خوب ڈٹ کر کھانا کھایا۔ کھانا کھانے کے بعد چیف نے ان تینوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اب جسے بھوک ہو وہ کھا لے۔“

عمران اور ثمینہ نے نفی میں سر ہلایا۔ زیبو نے بھی ہچکچاتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ بار بار ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔ یہ طے تھا کہ اسے بھوک لگ رہی ہے۔ اس وقت تک گیارہ بج چکے تھے۔ ثمینہ نے اس کا حال دیکھا تو کہا۔ ”زیبو، تم جا کر کچن میں ہی کھانا کھا لو۔“

زیبو نے دو بار انکار کیا مگر پھر اٹھ گئی۔ چیف نے ثمینہ سے پوچھا۔ ”خاتون، تم کھانا نہیں کھا رہیں؟“

”نہیں!“ ثمینہ نے مختصراً کہا۔

”تو پھر جا کر ہمارے لئے چائے بناؤ۔“

”زیبو، اپنا کھانا نکالنے سے پہلے چائے کے لئے پانی چولہے پر رکھ دینا۔“ ثمینہ نے زیبو سے کہا۔ ”تمہارے کھانا کھاتے کھاتے چائے تیار ہو جائے گی۔“

"نہیں خاتون' چائے بھی ہم تمہارے ہی ہاتھ کی پئیں گے۔" چیف نے کہا۔

"تمہیں چائے سے مطلب ہے یا............" عمران نے تیز لہجے میں کہنا چاہا۔

جواباً چیف نے گن لہرائی۔ "مسٹر عمران' میں تمہیں آخری بار سمجھا رہا ہوں۔ مجھے آٹھویں ترمیم استعمال کرنے پر مجبور مت کرو۔ یہ میں بہتر جانتا ہوں کہ مجھے کیا چاہئے۔"

سہمی ہوئی ثمینہ اٹھی اور کچن کی طرف چل دی۔ عمران کی سمجھ میں اب چیف کے جملے کی اہمیت آرہی تھی۔ چیف نے اسے مسٹر عمران کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ وہ اس کے نام سے واقف تھا۔ کیسے؟ اس سوال کا جواب اس کے ذہن نے مضمحل ہونے کے باوجود بہت تیزی سے دیا۔ کسی بھی واردات سے پہلے ڈاکو گھر کے اور گھر کے لوگوں کے بارے میں پوری معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہیں ان کے معمولات کا بھی پورا علم ہوتا ہے۔

"چیف فلم ادھوری رہ گئی۔"

عمران نے چونک کر دیکھا۔ بی ٹو چیف سے مخاطب تھا۔

"پہلے کام نمٹالیا جائے پھر موقع ہوا تو فلم بھی دیکھ لیں گے۔" چیف نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

چائے آگئی۔ ان چاروں نے جلدی جلدی چائے پی۔ چائے پیتے ہوئے چیف نے اچانک ثمینہ سے کہا۔ "ہاں خاتون' تفریح تو بہت ہوچکی۔ اب ذرا کام کی باتیں ہوجائیں۔ میں آپ سے زیورات اور نقدی کے متعلق کچھ کہہ رہا تھا۔"

"نقدی تو ہمارے ہاں زیادہ نہیں ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا "بس چار ساڑھے چار ہزار روپے پڑے ہوں گے۔"

"کافی ہیں گزارہ ہوجائے گا۔ آپ ایسا کریں۔ تمام الماریوں' تجوریوں اور درازوں کی چابیاں نکال دیں۔"

ثمینہ نے کچھ نہیں کہا۔ اس کا چہرہ فق ہوگیا تھا۔

"بی ٹو اور بی تھری' تم ایسا کرو خاتون کے ساتھ جاؤ اور کام کی ہر چیز سمیٹ لو۔"

وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے لیکن ثمینہ بدستور اپنی جگہ کھڑی تھی۔

"کیا بات ہے خاتون جائیں نا آپ۔" چیف نے سخت لہجے میں کہا۔

"مجھے اکیلے ڈر لگے گا۔"

"آپ اکیلی تو نہیں ہوں گی۔ بی ٹو اور بی تھری آپ کے ساتھ ہوں گے۔"

عمران اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ "میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔" اس نے ثمینہ سے کہا۔

چیف کا گن والا ہاتھ بہت تیزی سے حرکت میں آیا۔ گن کی نال عمران کے رخسار پر لگی۔ وہ ہلکی سی چیخ کے ساتھ صوفے پر ڈھیر ہوگیا۔ اس کا ہاتھ مضروب رخسار پر تھا۔ اگلے ہی لمحے اس کے منہ سے خون نکلا۔

ثمینہ اس پر جھک رہی تھی کہ بی ٹو نے ثمینہ کو پکڑلیا۔ "کیوں شوہر کی دشمن ہوئی ہو خاتون۔ اسے تمہاری مدد اور دیکھ بھال کی ضرورت نہیں۔ اس کی بہتری اسی میں ہے کہ تم ہم سے تعاون کرو۔"

عمران خون تھوک رہا تھا۔ ثمینہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور دونوں ڈاکوؤں کے ساتھ بیڈ روم کی طرف چل دی۔

"کوئی کمرا' کوئی الماری نہیں چھوڑنا۔" چیف نے اپنے جاتے ہوئے ساتھیوں کو للکارا۔ "بار بار زحمت دینا ٹھیک نہیں۔ پہلی بار میں ہی سب کچھ نمٹالو۔"

"تم بے فکر رہو چیف۔" بی ٹو نے پلٹ کر جواب دیا۔

ان کے جانے کے بعد چیف عمران کی طرف متوجہ ہوا۔ "سوری مسٹر پرائم منسٹر۔" اس نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ "لیکن میں تمہیں پہلے ہی دو بار سمجھا چکا ہوں۔ میں اپنے کاموں کے درمیان مداخلت پسند نہیں کرتا۔ اس لئے تمہیں سبق دینا ضروری تھا۔"

عمران نے کچھ نہیں کہا۔ اس سے بولا بھی نہیں جارہا تھا لیکن اسے یہ احساس بھی تھا کہ اسے چوٹ زیادہ نہیں لگی ہے۔

وقت چیونٹی کی رفتار سے رینگتا رہا۔ جانے کتنی دیر بعد بی ٹو اور بی تھری ثمینہ کو لئے ہوئے آئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک گٹھری تھی۔ انہوں نے گٹھری چیف کی طرف بڑھادی

"یہ لو چیف۔"

چیف نے گٹھری کھول کر جائزہ لیا اور طمانیت سے سرہلایا۔ "زیور تو کافی ہیں۔ نقدی کی تلافی ہوگئی۔ اچھی طرح ایک ایک جگہ دیکھ لی ہے نا؟"

"یس چیف۔ بس ایک کمرا رہ گیا ہے۔ اس میں لوہے کی ایک الماری ہے۔ خاتون کہتی ہیں کہ وہ ان کے شوہر کا کام کا کمرا ہے اور اس کی الماری کی چابی ان کے پاس نہیں

ہے۔" بی ٹو نے عمران کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کام کا کمرا ہے تو اس میں کام ہوگا۔" چیف نے کہا۔ "اور ہمیں کام نہیں چاہئے۔" اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ بارہ بجنے والے تھے۔ "میرا خیال ہے اب ہمیں یہاں سے نکل لینا چاہئے۔"

"ٹھیک ہے چیف........."

اچانک چیف کی سوچتی ہوئی آنکھوں میں چمک اُبھری۔ اس نے عمران سے کہا۔ "تم ذرا میرے ساتھ اپنے کام والے کمرے میں چلو۔"

عمران نے چونک کر اسے دیکھا۔ "وہاں کوئی قیمتی چیز نہیں ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"یہ فیصلہ مجھے کرنا ہے۔ تم بس اٹھ جاؤ۔" چیف نے کہا پھر اپنے ساتھیوں سے بولا "تم دونوں عورتوں پر نظر رکھنا۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

عمران اسے اسٹڈی میں لے گیا لیکن ان چند لمحوں میں اس پر سب کچھ روشن ہوگیا۔ اس کا چہرہ فق ہوگیا تھا۔ جو بات بہت دیر سے رہ رہ کر اس کے ذہن میں چبھ رہی تھی۔ وہ گرفت میں آگئی تھی اور وہ خیال بہت خوف ناک تھا۔ اس واردات کا تعلق اس کراس ٹاک سے تو نہیں، جو اس نے شادی سے پہلے فون پر سنی تھی؟ اس خیال کے ساتھ ہی اسے اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔ اس خیال کے ساتھ ہی سب کچھ بدل کر رہ گیا۔ پہلے وہ ڈکیتی کی ایک عام سی واردات تھی جس میں متحمل مزاجی کی صورت میں کسی کی زندگی کو کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا۔ ڈاکوؤں کو لوٹنا تھا اور چلے جانا تھا مگر اب یہ ایک سوچے سمجھے منصوبے پر عمل درآمد ہو رہا تھا۔ اس کا مقصد......... عمران کو راستے سے ہٹانا تھا۔ واردات میں جو کچھ مل رہا تھا وہ تو محض بونس تھا۔

کسی سنگین بحران میں انسان کا دماغ، جسم اور اعصاب سب شل ہوجاتے ہیں مگر موت کا خطرہ لاحق ہوجائے تو انسان کے تمام حواس الرٹ ہوجاتے ہیں۔ یہی کچھ عمران کے ساتھ بھی ہوا۔ اس کے دماغ پر چھائی ہوئی دھند چھٹ گئی۔

"پھر وہی بدگمانی، وہی شک........." اس کے ذہن نے احتجاج کرنا چاہا لیکن اس نے ذہن کو جھڑک دیا۔ "شٹ اپ۔ اس بار میرے پاس ثبوت ہے۔ چیف کو میرا نام کیسے معلوم ہوا۔ یہ سب کچھ پلاننگ کے تحت ہو رہا ہے۔"

ذہن جوابی دلیل دینا چاہتا تھا لیکن عمران کچھ سننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ چیف اسے اسٹڈی میں کیوں لے جارہا ہے جبکہ اسٹڈی میں کوئی کام کی چیز نہیں ہے یقیناً وہاں وہ اسے مزاحمت کے نام پر قتل کرے گا۔ یقیناً یہی بات ہے ورنہ اس کی آنکھوں میں چمک کیوں ابھری تھی۔

وہ اسٹڈی میں پہنچ چکے تھے لیکن عمران کو اس کا احساس نہیں تھا۔ "اس کیبنٹ کی چابی نکالو اور اسے کھولو۔" چیف نے اسے چونکا دیا۔

عمران میز کی طرف بڑھ گیا۔ میز کی دراز سے اس نے آہنی کیبنٹ کی چابی نکالی۔ اس دوران وہ کچھ کرنے کے امکانات پر غور بھی کرتا رہا لیکن یہ سب کچھ محض تخیل میں آسان لگتا ہے۔ وہ تو ویسے بھی عملی آدمی نہیں تھا۔ موت سر پر کھڑی ہو تو آدمی کچھ بھی کرسکتا ہے مگر یہاں مقابلہ خود کار گن سے تھا جو ایک سیکنڈ میں ان گنت گولیاں اس کے جسم میں اُتار سکتی ہے۔ ایسے میں کچھ کرنا خودکشی ہی کہلا سکتا ہے۔ کچھ کر کے وہ چیف کو جواز ہی فراہم کرے گا۔

انہی خیالات میں الجھا وہ کیبنٹ تک پہنچ گیا۔ چیف میز پر کھڑا میز پر رکھے کاغذات کو دیکھ رہا تھا لیکن عمران جانتا تھا کہ وہ ساتھ ہی اس پر نظر بھی رکھے ہوئے ہے۔ چیف نے میز پر رکھے ایک لفافے میں سے کاغذ نکالا اور اس کا جائزہ لیا۔ اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

"مسٹر عمران، الماری کھولنے کی ضرورت نہیں۔" چیف نے اچانک پکارا۔ عمران ٹھٹک گیا۔ "یہاں آؤ اور سکون سے بیٹھ جاؤ۔" چیف نے کاؤچ کی طرف اشارہ کیا۔

عمران کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ وہ پلٹا اور کاؤچ پر جابیٹھا۔ چیف نے میز کے سامنے والی کرسی سنبھال لی تھی۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنی موٹی مرغی ہو۔" چیف نے کہا۔ "تم تو ہمارے لئے خوش قسمتی کا نشان ثابت ہو رہے ہو۔"

"میں سمجھا نہیں۔" عمران منمنایا۔

"کون سوچ سکتا ہے کہ تمہارے بینک اکاؤنٹ میں دس لاکھ سے اوپر رقم ہوگی۔" چیف نے لفافے سے نکالا ہوا کاغذ لہراتے ہوئے کہا۔

عمران نے غور سے کاغذ کو دیکھا اور ایک نظر میں پہچان گیا۔ وہ بینک اکاؤنٹ کا سہ ماہی گوشوارہ تھا۔ ایک لمحے کو اسے اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا مگر پھر جیسے اس کے اندر امید

کی توانائی دوڑ گئی۔ اب چیف اسے مار نہیں سکتا تھا۔ وہ دس لاکھ روپے تو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

"چلو' نقدی بھی مل گئی۔" چیف خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔ "آؤ دوست۔ اب واپس چلیں۔" اس نے عمران سے کہا۔ "اب تو ہمیں یہاں قیام کرنا پڑے گا۔"

اس بار ٹی وی لاؤنج کی طرف جاتے ہوئے عمران کے قدموں میں اعتماد تھا۔

"ساتھیو.......... ایک بہت بڑی خوش خبری ہے تمہارے لئے۔" ٹی وی لاؤنج میں چیف نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "یہاں دس لاکھ کی رقم بھی موجود ہے۔"

اس کے ساتھی بے یقینی سے اسے دیکھنے لگے۔ "سچ چیف؟" بی ون نے کہا۔ "کہاں ہے؟"

"بینک میں۔" چیف نے بڑے سکون سے کہا۔

یہ سن کر ثمینہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اسے اس رقم کے بارے میں علم ہی نہیں تھا۔

"اب کیا پروگرام ہے؟" بی ون نے چیف سے پوچھا۔

"رقم ملنے تک ہمارا یہیں قیام رہے گا۔" چیف نے کہا۔ "بی تھری اور بی ٹو سوجائیں گے' تم اور میں رات بھر ان پر نظر رکھیں گے۔ باری باری۔ اس وقت ساڑھے بارہ بجے ہیں۔ پہلے چار گھنٹے تم سوجاؤ' پھر میں سوجاؤں گا۔ ساڑھے آٹھ بجے ہم سب کو جگا دینا۔"

"لیکن ہوگا کیا؟"

"بی تھری مسٹر پرائم منسٹر کے ساتھ بینک جائے گا اور رقم نکلوا کرلائے گا۔ اس لئے اس کی نیند پوری ہونا ضروری ہے۔"

"اور بی ٹو؟ اس کے جاگنے کی ڈیوٹی کیوں نہیں لگ رہی ہے؟" بی ون نے اعتراض کیا۔

"اس سے مجھے ایک اور کام لینا ہے۔"

"لیکن ان صاحب کا ساتھ جانا بھی ضروری تو نہیں۔" بی ون نے عمران کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "چیک تو بی تھری بھی کیش کرا سکتا ہے۔"

"تم سمجھ نہیں رہے ہو۔ یہ دس لاکھ کا چیک ہوگا۔ میں کوئی خطرہ مول نہیں لے

سکتا۔"

"تو پھر اکیلے عمران کو بھیج دو۔ اس کی بیوی تو ہمارے رحم و کرم پر ہوگی۔ یہ کوئی گڑبڑ نہیں کرسکتا۔"

"ہرگز نہیں۔ دس لاکھ روپے میں تو چار شادیاں ہوسکتی ہیں۔" چیف نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ "دس لاکھ کا معاملہ ہو تو ایک پرانی بیوی کی پروا کون کرتا ہے۔"

عمران نے ثمینہ کو دیکھا۔ اس کا چہرہ ہلدی کی طرح زرد ہو رہا تھا لیکن عمران اب مطمئن تھا۔ یہ تو وہ سمجھ گیا تھا کہ جان کا خطرہ صرف اسے لاحق ہے۔ ثمینہ کو وہ لوگ کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتے۔ اس لئے کہ اسے حاصل کرنے کے لئے ہی تو یہ کھیل کھیلا جارہا ہے اور چیف کے گیم پلان کے مطابق اسے باہر نکلنے کا موقع ملے گا۔ باہر اس طرح کا کوئی موقع ملنا اتنا مشکل بھی نہیں۔

☆======☆======☆

کہتے ہیں کہ نیند پھانسی کے تختے پر بھی آجاتی ہے! عمران کو اس محاورے پر یقین آگیا۔ رات نہ جانے کس وقت نیند کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ صوفے پر ہی ڈھیر ہوگیا تھا اور وہ بے سُدھ سویا تھا۔ درمیان میں ایک بار بھی اس کی آنکھ نہیں کھلی تھی اور اب کوئی جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اسے اٹھا رہا تھا۔

اس نے آنکھیں کھولیں۔ لباس کی وجہ سے اس نے بی ون کو پہچان لیا۔ اس کے ساتھ ہی اسے سب کچھ یاد آگیا اور وہ اٹھ بیٹھا۔ اس نے سر گھما کر دیکھا۔ ایک صوفے پر ثمینہ اور دوسرے پر زیبو بے خبر سو رہی تھی۔

"اٹھو اور اس طرح تیار ہو جاؤ جیسے دفتر کے لئے تیار ہوتے ہو۔" بی ون نے اسے حکم دیا۔

عمران اٹھ کر باتھ روم میں چلا گیا۔ باتھ روم سے نکلتے ہوئے اسے شدید بھوک کا احساس ہوا۔ اسے یاد آیا کہ اس نے رات کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ ویسے بھوک لگنا بے حد خوش آئند تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اسے واقعتاً بہتری کی اُمید ہے۔

وہ باہر نکلا تو بی ون اپنے تمام ساتھیوں کو جگا چکا تھا۔ ثمینہ اور زیبو اب بھی سو رہی تھیں۔ "کپڑے بدلو اور تیار ہو جاؤ۔" چیف نے تحکمانہ لہجے میں اس سے کہا۔

"اس سے پہلے میں ناشتہ کروں گا۔" عمران نے کہا۔

"ناشتے کو بھول جاؤ۔ ہم لوگ یہاں مستقل طور پر قیام کرنے کے لئے نہیں آئے ہیں۔"

"لیکن میں ناشتے کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا۔" عمران کے لہجے میں قطعیت تھی۔

چیف تھوڑی دیر سوچتا رہا۔ اس نے عمران کے بدلے ہوئے انداز کو سمجھ لیا تھا اور یہ بھی جان لیا تھا کہ اس کے پاس دس لاکھ روپوں کی مضبوطی ہے۔ اس نے کندھے جھٹک دیے۔ "ٹھیک ہے ثمینہ بیگم کو اور اپنی ملازمہ کو جگالو۔"

ناشتے سے فارغ ہو کر تیار ہونے میں ڈیڑھ گھنٹا لگا۔ اس دوران چیف بی تھری کو ہدایات دیتا رہا۔ ساڑھے دس بجے عمران بی تھری کے ساتھ ہی باہر نکل آیا۔ وہ نیچے آئے تو عمران نے پوچھا۔ "کیسے چلوگے؟" اس نے بی تھری کے چہرے کو پہلی بار دیکھا۔ وہ 25 سال کا خوش رو جوان تھا۔ اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ ڈاکو ہے۔

"تمہاری بائیک پر۔" بی تھری نے چیف کا دیا ہوا بریف کیس جھلاتے ہوئے کہا "لیکن اس سے پہلے ہم ذرا چہل قدمی کریں گے۔ میں تم پر کچھ واضح کردینا چاہتا ہوں۔"

عمران اس کے ساتھ چل دیا۔

"تمہیں یہ تو اندازہ نہیں ہوسکتا کہ چیف نے تمہارے ساتھ جانے کے لئے میرا انتخاب کیوں کیا ہے۔" بی تھری نے کہا۔ انداز مستفسرانہ نہیں تھا۔ لہٰذا عمران خاموش رہا "ایک میں ہی ایسا ہوں کہ بھرے بازار میں کسی کو بھی شوٹ کرسکتا ہوں۔" بی تھری نے اپنی بات جاری رکھی۔ "مجھے گولی چلانے میں لطف آتا ہے۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ مجھے ایسا کوئی موقع نہ دو۔ بائیک تم چلاؤ گے میں پیچھے بیٹھا ہوں گا۔ بینک میں بھی یہی پوزیشن ہوگی اور یقین کرو میں بینک میں بھی تمہیں شوٹ کرسکتا ہوں۔"

اس نے وہ سب کچھ اتنی سادگی سے کہا تھا جیسے گھریلو معاملات پر باتیں کر رہا ہوں۔ عمران کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑتی محسوس ہوئی پھر بھی اس نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔ "تم ایسا نہیں کرسکتے۔ میں تمہارے لئے دس لاکھ روپے کا چیک ہوں۔"

"اس بھروسے پر کچھ کر نہ بیٹھنا۔" بی تھری نے نرم لہجے میں کہا۔ "مجھے دس لاکھ روپے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں تو صرف سنسنی سے لطف اٹھانے کے لئے اس گروپ میں شامل ہوا ہوں۔ کسی کو شوٹ کرنے کا موقع اب تک نہیں ملا ہے مجھے۔ اب دل چاہے تو آزمالو۔"

عمران کا اعتماد متزلزل ہونے لگا۔ اس کے ذہن میں انگریزی زبان کی ایک اصطلاح گونج اٹھی.......... ٹریگر ہیپی! "اب چل دو۔" بی تھری نے کہا۔ "اب ہم بینک جائیں گے۔"

☆======☆======☆

عمران اور بی تھری کے باہر نکلنے کے دومنٹ بعد بی ٹو بھی فلیٹ سے نکل آیا۔ باہر نکلنے سے پہلے اس نے رومال چہرے سے ہٹالیا تھا مگر وہ چشمہ اب بھی لگائے ہوئے تھا۔ وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا' جہاں اس کی موٹر سائیکل کھڑی تھی۔ اس نے موٹر سائیکل باہر نکالی۔ اسٹارٹ کی اور پارک کی طرف چل دیا۔ پارک کے قریب ایک درخت کی اوٹ میں اس نے موٹر سائیکل روک دی۔

وہ بہت نروس تھا۔ چیف نے اسے کوئی خطرناک کام نہیں سونپا تھا۔ بلکہ اس کا کام بہت آسان تھا مگر وہ بہت جلدی گھبرا جانے والا' کمزور اعصاب کا آدمی تھا۔ اس وقت وہ پچھتا رہا تھا کہ اس نے گینگ میں شامل ہونے کی ہامی کیوں بھری۔ اگر معاملہ بگڑ گیا اور وہ سب پکڑے گئے تو؟ اس خیال سے ہی اسے ہول چڑھنے لگا مگر اب وہ پیچھے بھی نہیں ہٹ سکتا تھا۔

اس کے ذہن نے فوراً اس کی تردید کی۔ پیچھے تو وہ کسی بھی وقت ہٹ سکتا ہے۔ اس وقت بھی وہ آزاد ہے۔ کون اسے روک سکتا ہے؟

اس کے اندر اسی وقت گھر چلے جانے کی تحریک پیدا ہوئی۔ اس نے بڑی مشکل سے خود پر قابو رکھا۔ جب کام مشکل نہیں' اس میں کوئی خطرہ بھی نہیں تو کیوں خواہ مخواہ بزدلی دکھائی جائے۔ اس خیال سے وہ کم از کم وقتی طور پر ڈٹ گیا۔

تمہیں اپنی پوری توجہ اس کام پر رکھنی چاہئے جو تمہیں سونپا گیا ہے۔ اس نے خود کو مشورہ دیا۔

☆======☆======☆

گیارہ بج کر دس منٹ پر چیف کو ایک خیال نے چونکا دیا۔ "تمہارے شوہر دفتر سے چھٹی کرتے ہیں تو کیا کرتے ہیں؟" اس نے ثمینہ سے پوچھا۔

"اب تک صرف ایک بار ایسا ہوا ہے۔" ثمینہ نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "اور اس بار انہوں نے دفتر فون کرکے بتادیا تھا کہ وہ نہیں آئیں گے۔"

چیف کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا۔ "تب فون کرنا ضروری ہے۔ اب یہ کام تمہیں کر ہے۔"

"لیکن.........."

"اس معاملے میں لیکن کی گنجائش نہیں ہے۔" چیف نے درشت لہجے میں کہا۔

"میں ان سے کہوں گی کیا؟"

"تم کہوگی کے عمران کو بہت تیز بخار ہے۔ وہ فون پر بات بھی نہیں کرسکتے۔ آج دفتر نہیں آئیں گے۔"

ثمینہ اسٹڈی میں چلی گئی۔ چیف اس کے پیچھے تھا۔ ثمینہ نے نمبر ملایا۔ عمران سیکریٹری سے اس نے وہی سب کچھ کہا جو چیف نے اسے بتایا تھا۔ ریسیور رکھنے کے بعد اٹھ رہی رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا چیف نے اسے روک دیا۔ "ایک منٹ۔" اس نے کہا۔ "یہ کس کا فون ہوسکتا ہے؟"

"میری ساس کا ہوگا یا امی کا ہوگا اور تو کوئی نہیں ہوسکتا۔" ثمینہ نے کہا۔

گھنٹی بجے جارہی تھی۔ چند لمحے سوچنے کے بعد چیف نے کہا۔ "ٹھیک ہے بات کر لیکن محتاط گفتگو کرنا۔ میں گولی چلانے میں تامل نہیں کروں گا۔"

ثمینہ نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف عمران کی امی تھیں اور وہ تفصیلی گفتگو کر کے موڈ میں تھیں۔ ثمینہ عجیب مشکل میں پھنس گئی۔ ادھر دردانہ بیگم بات کئے جار تھیں۔ ادھر چیف گن لہرا کر اشارہ کر رہا تھا کہ گفتگو مختصر کی جائے۔ آخر ثمینہ نے دردا بیگم سے کہا۔ "امی.......... آپ ہولڈ کریں۔ میں سالن چڑھا کر آئی ہوں۔ ذرا اسے د لوں۔" پھر اس نے ریسیور پر ہاتھ رکھ کر چیف سے سرگوشی کی۔ "امی ہمیشہ طویل گفتگ کرتی ہیں۔ میں مختصر کروں گی تو انہیں شک بھی ہوسکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے بات کرو لیکن کوشش کرو کہ جلدی پیچھا چھوٹ جائے۔" چیف نے کہ لیکن وہ کال اس کے بعد بھی بیس منٹ جاری رہی۔

☆======☆======☆

موٹر سائیکل چلاتے ہوئے عمران بہت تیزی سے سوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جانتا تھا کہ چیک کیش ہونے کے بعد وہ کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ اسے جو کچھ بھی کرنا تھا سے پہلے ہی کرنا تھا اور وہ اس کے لئے پہلا اور آخری موقع تھا۔ یہ طے تھا کہ وہ

چیک کیش ہونے کے طریقِ کار سے ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

بینک پہنچتے پہنچتے وہ اپنے ذہن میں ایک لائحہ عمل ترتیب دے چکا تھا۔ اس کی مضبوطی بس اسی میں تھی کہ اسے ثمینہ کے محفوظ ہونے کا یقین تھا۔ اسے صرف اپنے تحفظ کی فکر کرنا تھی۔ اپنی دانست میں وہ ایک باقاعدہ سازش کا شکار ہوا تھا اور صرف اس کی زندگی کو خطرہ لاحق تھا۔

اس نے ونڈو پر چیک پیش کیا۔ "اکاؤنٹ آپ ہی کا ہے؟" کلرک نے اس سے پوچھا۔

بی تھری اس کے ساتھ ہی کھڑا تھا۔ وہ پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ ریوالور جیب میں رکھ کر بھی وہ اسے شوٹ کرسکتا ہے۔ بس پینٹ کی جیب میں ایک سوراخ ہوگا۔

"جی ہاں' اکاؤنٹ میرا ہی ہے۔ میں خود چیک کیش کرانے آیا ہوں۔" عمران نے جواب دیا اور پلٹ کر ان صوفوں کی طرف چل دیا جو چیک کیش ہونے کا انتظار کرنے والوں کے لئے رکھے گئے تھے۔

"یہ ٹوکن تو لے لیں۔" کلرک نے پیچھے سے آواز دی۔

عمران پلٹ کر گیا اور ٹوکن لے آیا۔ بی تھری اتنی دیر میں صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔

بینک میں زیادہ رش نہیں تھا۔ تین چار منٹ بعد کلرک نے پکارا۔ "تین نمبر" عمران اٹھا اور ونڈو کی طرف چلا۔ بی تھری بریف کیس لئے اس کے پیچھے تھا۔

"سر' آپ نے چیک کے پیچھے دستخط نہیں کئے ہیں۔" کلرک نے چیک عمران کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

عمران نے چیک لیا' اسے پلٹ کر اس پر دستخط کئے اور ذرا سا پہلو بدلا۔ ایک لمحے کو بی تھری کی طرف اس کی پشت ہوگئی۔ اس ایک لمحے میں عمران نے کام دکھا دیا۔ اب جو کچھ وہ کرسکتا تھا' کرچکا تھا۔ اب صرف دعا ہی کی جاسکتی تھی کہ بینک کا اسٹاف صورتِ حال کو سمجھ کر کچھ کرے۔

دونوں واپس چلے آئے۔

☆======☆======☆

دستخط ملانے والے کلرک نے چیک کے دستخط ملائے پھر چیک کے پیچھے والے دستخط چیک کئے۔ دستخط تو وہی تھے لیکن دستخط کے نیچے چھوٹے حروف میں لکھا SOS اس کی

نظروں سے چھپا نہ رہ سکا۔ یہ ایک غیر معمولی بات تھی۔ کلرک جانتا تھا کہ خطرے میں ا
سگنل کے تحت مدد طلب کی جاتی ہے۔

عام طور پر کلرک دستخط ملا کر اوکے کر دیتے ہیں لیکن SOS نے کلرک کو چیک
اچھی طرح دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ پہلی بار اس کی نظر رقم پر پڑی جو نکلوائی جا رہی تھی تو ا
کی آنکھیں پھیل گئیں۔ دس لاکھ کی رقم اور SOS۔ اسے یقین ہو گیا کہ کوئی بڑی گڑ
ہے۔

وہ اٹھا اور منیجر کے کمرے کی طرف چل دیا۔ منیجر نے اس کی بات سننے اور چیک
جائزہ لینے کے بعد اسے تفصیلی ہدایت دیں۔ اسے رخصت کرنے کے بعد منیجر فون پر ایک
نمبر ملانے لگا۔ "آپ دس منٹ میں پہنچ رہے ہیں نا؟" اس نے فون پر پوچھا۔ "امکان
ہے کہ وہ میرے کمرے میں ہوں گے۔ جی ٹھیک ہے.........."

☆======☆======☆

"ٹوکن نمبر تھری۔" کلرک نے پکارا۔ عمران اور بی تھری اس بار کیش کاؤنٹر پر پ
کیونکہ آواز وہیں سے دی گئی تھی۔ "کس کا ہے ٹوکن تھری؟"

"میرا ہے۔" عمران نے کہا۔

"اور آپ؟" کیشیئر بی تھری کی طرف متوجہ ہوا۔

"جی میں ان کے ساتھ ہوں۔" بی تھری نے بلا تامل جوب دیا۔

"یہ میرے بھائی ہیں۔ اتنی بڑی رقم لینے میں اکیلا تو نہیں آسکتا تھا۔" عمران۔
ایک ایک لفظ پر ضرور دے کر کہا۔

"آپ کو منیجر صاحب کے کمرے میں جانا ہوگا۔" کیشیئر نے کہا۔ "معاملہ بڑی رقم
ہے۔ پیمنٹ وہیں سے ہوگی۔ وہاں بیٹھتے ہیں منیجر صاحب۔" اس نے اشارہ کیا۔

عمران منیجر کے کمرے کی طرف چل دیا۔ بی تھری چند لمحے ہچکچایا لیکن فوراً ہی ا
احساس ہو گیا کہ اس نے عمران کو اکیلا چھوڑا تو کھیل بگڑ سکتا ہے۔ دو لمبے ڈگ بھر کے
عمران تک پہنچ گیا۔ "کوئی گڑبڑ نہ کرنا۔" اس نے سرگوشی میں کہا۔ "یاد رکھنا' تمہاری ب
کی زندگی تمہارے رحم و کرم پر ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔" عمران نے بھی سرگوشی کی۔

بینک منیجر انہیں دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ "عمران صاحب؟" اس نے ہاتھ بڑھا

عمران نے اس سے مصافحہ کیا۔ "تشریف رکھیے۔ آپ کون.........؟" اس نے بی تھری کی طرف اشارہ کیا۔

عمران نے وہی کچھ دہرایا جو کیشیئر سے کہا تھا پھر پوچھا۔ "پیمنٹ کا کیا ہوگا؟"

"اصولاً اتنی بڑی رقم نکلوانی ہو تو بینک کو ایک دن پہلے مطلع کرنا چاہیے۔" منیجر نے بے حد خوش اخلاقی سے کہا۔ "لیکن ہم اپنے کلائنٹس کو مایوس نہیں کرتے البتہ یہ ضرور ہے کہ ادائیگی میں ذرا تاخیر ہوگی۔ آپ اتنی دیر میرے پاس تشریف رکھیں۔ کیش میں آپ کو یہیں دوں گا تاکہ کوئی خطرہ نہ رہے۔ یہ بتائیے ٹھنڈا پئیں گے یا کافی؟"

عمران نے دانستہ بی تھری سے نظریں چرائیں۔ "کافی منگوا دیں۔" اس نے بے تکلفی سے کہا۔

منیجر نے گھنٹی بجا کر چپراسی کو بلایا اور اسے کافی لانے کو کہا پھر وہ عمران کی طرف متوجہ ہوا "آپ اب بے فکر ہو جائیں۔" اس نے عمران کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کا مسئلہ ہمارا مسئلہ ہے اور آپ کا مسئلہ انشااللہ جلد ہی حل ہو جائے گا۔"

عمران کو منیجر کے لہجے اور انداز کی معنی خیزی نے بہت سہارا دیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ اس کا پیغام سمجھ لیا گیا ہے اور منیجر نے اس سلسلے میں کچھ سوچ بھی لیا ہے۔ بی تھری بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا لیکن وہ کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔

چپراسی کافی کی پیالیاں رکھ گیا۔ منیجر سامنے رکھے کاغذات کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ عمران چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتا رہا۔ بی تھری بے دلی سے کافی پی رہا تھا۔ اب اسے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ اسے یہ الجھن بھی تھی کہ عمران اس سے نظریں چرا رہا ہے۔

وہ اس طرح بیٹھے تھے کہ دروازہ ان کی پشت پر تھا۔ بی تھری نے کرسی کو اتنا ترچھا کر لیا کہ اب کوئی اس کی نظروں میں آئے بغیر اندر نہیں آسکتا تھا۔ پانچ منٹ بعد دو خوش لباس ادھیڑ عمر آدمی کمرے میں آئے۔ صورت اور وضع قطع سے وہ کاروباری لگ رہے تھے۔ بی تھری انہیں دیکھ کر بھڑکا لیکن پھر اس نے خود کو سنبھال لیا۔ "آفاق صاحب' ہمارے اوڈی کا کیا بنا؟" ان میں سے ایک نے کہا۔

منیجر نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ بی تھری کو ان دونوں کی طرف متوجہ پا کر اس نے آنکھ سے بی تھری کی طرف اشارہ کیا۔ "جی ہاں آپ کا کام ہو گیا ہے۔" اس نے کہا۔ "آئیں تشریف رکھیں۔ میں ابھی اوڈی بنا دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ بی تھری سے مخاطب

ہوا "یہ کافی ٹھنڈی ہوگئی ہوگی آپ کی۔"

بی تھری بلا ارادہ کافی کی پیالی پر جھکا۔ اسی لمحے اسے جکڑ لیا گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ دونوں آنے والوں کی گرفت میں تھے۔ "زور نہ لگانا برخوردار" اوڈی کا سوال کرنے والے نے تنبیہہ کی۔ "ورنہ عمر بھر کے لئے اپاہج ہو جاؤ گے۔"

☆======☆======☆

بی ٹو کو بینک کے سامنے والے فٹ پاتھ پر کھڑے آدھا گھنٹا ہو چکا تھا۔ اب اس پر گھبراہٹ سوار ہو رہی تھی۔ چیک کیش ہونے میں اتنی دیر! پھر اسے خیال آیا کہ وہ کوئی عام چیک نہیں، دس لاکھ کا چیک ہے۔ وہ پھر جم کر کھڑا ہو گیا لیکن اس کا دل اب بھی گھبرا رہا تھا۔

اچانک اسے پولیس کی ایک گاڑی دور سے آتی نظر آئی۔ اس کا رخ بینک کی طرف ہی تھا۔ اسے دیکھ کر بی ٹو کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ ضرور کوئی گڑ بڑ ہو گئی ہے۔ اس نے سوچا۔ بینک کو بھول کر اب وہ پولیس کی گاڑی کو دیکھ رہا تھا۔

پولیس کی گاڑی کچھ پیچھے ہی رک گئی۔ اس میں سے آٹھ باوردی پولیس والے اترے۔ ان کے علاوہ دو افراد بھی تھے جو سوٹ پہنے ہوئے تھے انہوں نے ٹائیاں بھی لگائی ہوئی تھیں۔ دیکھنے میں متمول طبقے کے کاروباری لگ رہے تھے۔ وہ بینک کی طرف چل دیئے۔ باوردی پولیس والے ان سے کچھ فاصلہ رکھ کر چل رہے تھے۔

بی ٹو دھڑکتے دل کے ساتھ یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ اس کی نظریں ان کا تعاقب کر رہی تھیں۔ اس نے دونوں سادہ لباس والوں کو بینک میں داخل ہوتے دیکھا تو اس کی حالت غیر ہونے لگی۔ باوردی پولیس مین بینک میں داخل نہیں ہوئے۔ انہوں نے بینک کے دروازے کے دونوں طرف پوزیشن سنبھال لی۔

بی ٹو تیزی سے حرکت میں آیا۔ کارنر پر ٹیلپ کا ٹیلی فون نصب تھا۔ اس کی جیب میں کارڈ موجود تھا۔ اس نے کارڈ لگایا اور نمبر ملایا لیکن دوسری طرف سے انگیج کی ٹون آ رہی تھی۔ اس نے بینک کی طرف دیکھا۔ پولیس والے بدستور پوزیشن سنبھالے ہوئے تھے لیکن کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آ رہی تھی۔

اس نے تین چار بار نمبر اور ٹرائی کیا۔ مسلسل انگیج کی ٹون سن کر وہ جھنجلا گیا۔ اس نے کارڈ کھینچا اور دوبارہ اپنی جگہ واپس چلا آیا مگر بے چینی اسے پھر ٹیلپ فون کی طرف

لے گئی۔ دوسری طرف سے اب بھی...... انگیج کی ٹون سنائی دے رہی تھی۔

اس بار اس نے بینک کی طرف دیکھا تو اس کے اعصاب جواب دے گئے۔ اس نے دونوں سادہ لباس والوں کو باہر آتے دیکھا۔ ان کے درمیان بی تھری تھا اور اسے ہتھکڑی لگی ہوئی تھی۔ ایک سادہ لباس والے نے رک کر دروازے کے اردگرد کھڑے پولیس والوں سے کچھ بات کی۔ پولیس والے وہیں رہ گئے اور سادہ لباس والے بی تھری کو پولیس گاڑی کی طرف لے گئے۔ اتنی دیر میں بینک سے عمران بھی نکل آیا۔ وہ بھی پولیس گاڑی میں جا بیٹھا پولیس روانہ ہو گئی۔

بی ٹو کا جی چاہا کہ وہاں سے بھاگ کھڑا ہو مگر اس نے خود کو سمجھایا۔ پہلی بات تو یہ کہ اسے کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا۔ پولیس کو اس کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ بلکہ اس کی یہاں موجودگی کا علم تو بی تھری کو بھی نہیں تھا۔ دوسری بات یہ کہ اسے چیف کو اس بات کی اطلاع دینا تھی کہ کھیل خراب ہو چکا ہے تاکہ وہ اس فلیٹ سے نکل بھاگیں۔

اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ گیارہ بج کر ستائیس منٹ ہوئے تھے۔ دل اب بھی اسے بھاگ لینے کی نصیحت کر رہا تھا۔ ادھر اس کے ہاتھ بھی لرز رہے تھے۔ اسے احساس تھا کہ خطرے سے براہِ راست دوچار نہ ہونے کے باوجود اس کے اعصاب زیادہ دیر ساتھ نہیں دیں گے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ ساڑھے گیارہ بجے تک وہ بہرحال چیف کو فون کرنے کی کوشش کرتا رہے گا۔ ہاں اس کے بعد وہ یہاں نہیں رکے گا۔

اس سے پہلے وہ اس امکان پر غور کر چکا تھا کہ وہ گلستانِ جوہر جا کر خود چیف کو صورتِ حال سے مطلع کرے گا لیکن اسے ہمت نہیں پڑی۔ وہ جانتا تھا کہ یہاں کی پولیس وائرلیس پر گلستان جوہر کی پولیس کو اطلاع دے گی تو وہاں کی پولیس کو اس فلیٹ پر پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی۔ بلکہ ممکن تھا کہ اب تک پولیس اس فلیٹ کو گھیرے میں لے چکی ہو۔

اس خیال سے اس پر کپکپی چڑھنے لگی پھر بھی دل کڑا کر کے اس نے پھر فون ٹرائی کیا لیکن فلیٹ کا فون اب بھی انگیج تھا۔ وہ چوتھی بار ٹرائی کر رہا تھا کہ بینک کے دروازے پر کھڑے پولیس والے کو اس نے سڑک پار کر کے اس طرف آتے دیکھا۔ اب پانی سر سے گزر رہا تھا۔ اس نے گھبراہٹ میں کارڈ انسٹرومنٹ میں لگا چھوڑا اور تیز قدموں سے اس طرف چل دیا جہاں اس نے موٹر سائیکل کھڑی کی تھی۔ اس نے بڑی کوشش کر کے

خود کو بھاگنے سے باز رکھا تھا۔

موٹر سائیکل اسٹارٹ کرتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ اب کہاں جائے گا۔ اب تو گھر بھی مخدوش ہو چکا ہے۔

☆======☆======☆

عمران سی آئی اے سینٹر میں انسپکٹر فاروق کے کمرے میں بیٹھا تھا۔ یہیں سے اس نے اپنے اور ثمینہ کے گھر فون کیا تھا۔ اس کے نتیجے میں ابو اور انیس صاحب یہاں پہنچ چکے تھے۔ دونوں عمران سے تفصیل سن چکے تھے اور بے حد متوحش نظر آ رہے تھے۔

"بیٹے، تم نے غلطی کی۔ ثمینہ کو خواہ مخواہ خطرے میں ڈال دیا۔" ابو اور انیس صاحب دونوں نے ایک ہی بات کہی تھی۔ اب وہ انہیں کیسے سمجھاتا کہ ثمینہ کی زندگی کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے اور اس نے جو کچھ کیا' سوچ سمجھ کر کیا ہے۔

انیس صاحب نے اس کی خاموشی کو شرم ساری پر محمول کرتے ہوئے دلاسا دیا۔ "نہیں بیٹے میں زیادتی کر رہا ہوں۔ تم نے غلطی نہیں کی۔ ایسی صورتِ حال میں ہوش و حواس بھلا کہاں ساتھ رہتے ہیں۔"

اب وہ تینوں کمرے میں خاموش بیٹھے تھے۔ ساڑھے بارہ بجے انسپکٹر فاروق کمرے میں آیا۔ "بات آگے بڑھی ہے۔" اس نے انہیں بتایا۔ "ہم نے فلیٹ کا محاصرہ کر لیا ہے۔ ابھی مجرموں کو پتا نہیں ہے۔ ممکن ہے' ان میں سے کوئی پریشان ہو کر باہر نکلے۔ اس صورت میں ہم اسے چھاپ لیں گے۔ ایک پر قابو پانا اتنا دشوار نہیں ہو گا۔ ادھر اس لڑکے نے زبان کھول دی ہے۔ ہمیں مجرموں کے متعلق پوری تفصیل معلوم ہو گئی ہے۔"

"انسپکٹر' تمہارے محاصرے سے ہماری بہو کو خطرہ بھی لاحق ہو سکتا ہے۔" ایاز صاحب نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔ انیس صاحب نے ان کی تائید کی۔

"خطرے میں تو وہ ویسے بھی ہیں۔" انسپکٹر نے کہا۔ "پھر بھی ہم ہر ممکن احتیاط کریں گے۔ ہمیں اوپر سے بھی ہدایات مل چکی ہیں۔ آپ اثر و رسوخ والے لوگ ہیں۔" اس کے لہجے میں چڑنے کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ "فلیٹ کے محاصرے کا سپروژن ہمارے ڈی ایس پی صاحب کر رہے ہیں۔"

"ہمیں وہاں پہنچ جانا چاہیے۔" ایاز صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔ انیس صاحب بھی ان کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ٹھیک ہے آپ چلے جائیں۔" انسپکٹر بولا۔ "عمران صاحب کو یہیں رکنا ہو گا۔ ہمیں ان کی مدد کی ضرورت ہے۔"

☆======☆======☆

دوپہر کا ایک بج گیا تھا۔ چیف کو اب تشویش ہونے لگی تھی۔ اس نے ثمینہ کو فون کرنے پر مجبور کر دیا۔ گفتگو کے دوران وہ ثمینہ کے سر پر کھڑا رہا۔

دوسری طرف مینجر نے ہی فون اٹھایا۔ "سنئے......... میرے شوہر عمران ایاز کا آپ کے بینک میں اکاؤنٹ ہے۔ وہ دس لاکھ کا چیک کیش کرانے آئے تھے۔ ابھی تک گھر واپس نہیں پہنچے ہیں۔ میں بہت پریشان ہوں۔"

"آپ کون ہیں؟" مینجر نے پوچھا۔ اسے بھی تفصیلی ہدایات دی گئی تھیں کہ اس قسم کی صورتِ حال میں اسے کیسی گفتگو کرنی ہے۔

"جی میں مسز عمران ہوں۔"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں مسز عمران.........."

اس مرحلے پر چیف نے ثمینہ سے فون لیا اور خود مینجر کی وضاحت سنی۔

"ہم آج ہی ادائیگی کر رہے ہیں۔" مینجر کہہ رہا تھا۔ "لیکن اس میں ذرا دیر لگے گی۔ بڑی رقم ہے نا۔ ہم اپنی شاخ میں عام طور پر اتنی بڑی رقم نہیں رکھتے۔ یہاں صرف چھوٹے چیک کیش ہوتے ہیں۔ کسی کو بڑی رقم نکلوانی ہو تو وہ ایک دن پہلے ہمیں مطلع کرتا ہے۔ اگلے روز ہم زیادہ کیش منگوا لیتے ہیں۔ اب بھی ہم نے ہیڈ آفس سے رقم منگوائی ہے' مجھے امید ہے کہ سوا دو بجے تک آپ کے شوہر یہاں سے فارغ ہو جائیں گے۔"

چیف نے سر کو تفہیمی جنبش دیتے ہوئے ریسیور ثمینہ کو دے دیا۔ "شکریہ مینجر خدا حافظ۔" اس نے ریسیور رکھ دیا۔

چیف کو مطمئن ہونا چاہئے تھا لیکن وہ مطمئن نہیں تھا۔ نہ جانے کیوں اسے خطرے کا احساس ہو رہا تھا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ بہت دیر سے اس نے سگریٹ نہیں پی ہے۔ اسی لئے وہ اعصاب زدہ ہو رہا ہے۔ دراصل وہ یہاں اتنے لمبے قیام کی نیت سے نہیں آئے تھے اور اس کی سگریٹیں رات ہی کو ختم ہو گئی تھیں۔

اس خیال سے اسے اطمینان ہوا۔ اس کا اندازہ تھا کہ وہ تین بجے سے پہلے فلیٹ

سے نہیں نکل سکیں گے۔ بہتر یہی تھا کہ سگریٹ منگوالی جائے۔ اس نے بی ون سے کہا۔

"یار تم ذرا جا کر مجھے سگریٹ لا دو۔ خطرہ تو کوئی نہیں ہے۔ مگر پھر بھی ذرا محتاط رہنا۔"

بی ون کو یہ حکم تکلیف دہ لگا۔ سگریٹ کی دکان کافی دور تھی مگر اتنی کامیاب واردات کے بعد وہ چیف کو ناخوش بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے سر کو اثباتی جنبش دی اور فلیٹ کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

اس نے چہرے سے رومال ہٹایا اور دروازہ کھول کر فلیٹ سے نکل آیا۔ چشمہ وہ اب بھی لگائے ہوئے تھا۔ باہر نکلتے ہوئے اسے گمان بھی نہیں تھا کہ سامنے والے فلیٹ کے دروازے کی پیپنگ آئی سے اسے کوئی دیکھ رہا تھا۔ وہ تو یہ جانتا تھا کہ یہ فلیٹ ابھی آباد ہی نہیں ہوا ہے۔

سامنے والے فلیٹ میں موجود پولیس مین نے وائرلیس پر رابطہ کیا.........

☆======☆======☆

انسپکٹر فاروق نے عمران کی طرف اخبار بڑھایا۔ "میں ذرا معلوم کر آؤں کہ ملزم سے کچھ اور معلومات حاصل ہو سکیں یا نہیں۔"

عمران کا اخبار پڑھنے کا موڈ نہیں تھا۔ وہ یوں بیٹھے بیٹھے عاجز آ چکا تھا۔ اس نے یونہی اخبار دیکھنا شروع کیا۔ قدرتی طور پر ڈاکے کی خبروں میں وہ دلچسپی لے رہا تھا۔ اچانک ایک خبر نے اس کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی۔ سرخی تھی۔

شادی کے صرف چار ماہ بعد ثمینہ سفاک ڈاکوؤں کے ہاتھوں بیوہ ہو گئی۔

عمران بے تابی سے خبر پڑھنے لگا۔ خبر کے مطابق یہ واردات گلشن اقبال میں ہوئی تھی۔ ڈاکوؤں نے مزاحمت کرنے پر صاحب خانہ مسعود حسن کو شوٹ کر دیا تھا اور گھر کے تمام زیورات اور نقدی لوٹ کر لے گئے تھے۔ مقتول کی صرف چار ماہ پہلے شادی ہوئی تھی۔ وہ اپنی بیوی کے ساتھ رین بو اپارٹمنٹس کے اس فلیٹ میں اکیلا رہتا تھا۔ صرف چار ماہ کے بعد بیوہ ہو جانے والی ثمینہ نے پولیس کو بتایا کہ ڈاکوؤں کی تعداد چار تھی اور انہوں نے چہروں پر ڈھاٹے باندھ رکھے تھے لہٰذا کسی کو پہچاننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ثمینہ نے یہ بھی بتایا کہ اس کے شوہر مسعود نے ایک ڈاکو سے ہاتھاپائی کی تھی جس کے نتیجے میں ڈاکو نے اسے شوٹ کر دیا۔ یاد رہے کہ ثمینہ یونیک ٹیکسٹائل ملز کے مالک اقبال کی بیٹی ہے۔

عمران نے خبر پڑھنے کے بعد اخبار ایک طرف رکھا اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ اس کا دماغ سنسنا رہا تھا۔ کیا یہ وہ ثمینہ تھی جس کی گفتگو اس نے روز اتفاقیہ طور پر فون پر سن لی تھی؟ اگر ایسا ہے تو اس کی ثمینہ.......... او مائی گاڈ' ثمینہ خطرے میں ہے' میں نے اسے مروانے کا سامان کر دیا ہے۔

لیکن اس کے ذہن میں اب بھی ایک گرہ تھی۔ ڈاکوؤں کو اس کا اور ثمینہ کا نام کیسے معلوم ہوا؟

اس خلش کے باوجود اب وہ پریشان تھا۔ ثمینہ تین سفاک ڈاکوؤں کے ساتھ گھر میں اکیلی ہے جلد یا بدیر ڈاکوؤں کو علم ہو جائے گا کہ پولیس نے انہیں گھیر لیا ہے۔ صرف اس لئے کہ عمران نے ہوشیاری دکھائی تھی۔ اس کے بعد وہ کچھ بھی کر سکتے تھے۔ وہ انتقاماً ثمینہ کو بھی قتل کر سکتے ہیں۔

اس پر وحشت طاری ہونے لگی۔ وہ اٹھ کر چھوٹے سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اب ثمینہ کو بچانا ضروری تھا اور یہ کام اسی کو کرنا تھا لیکن کیسے؟ وہ دیوانہ وار فلیٹ میں جا گھستا لیکن وہ جانتا تھا کہ یہ اس کے بس سے باہر ہے اور اس سے مسئلہ بھی حل نہیں ہو گا۔

وہ عملی آدمی نہیں تھا۔ اس کا سب سے اہم ہتھیار اس کا تخیل تھا لیکن اس سنگین اور عملی نوعیت کے معاملے میں تخیل سے کیا کام لیا جا سکتا تھا۔ وہ ٹہلتا اور سوچتا رہا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ یہاں سے نکلے اور سیدھا فلیٹ کا رخ کرے۔

اچانک اسے ایک خیال سوجھ گیا۔ ابتدا میں تو یہ سمجھنا مشکل تھا کہ وہ قابلِ عمل ہے یا نہیں لیکن جیسے جیسے وہ سوچتا گیا اس کے جسم میں سنسنی دوڑتی گئی۔ یہ خیال بے حد خوش آئندہ تھا کہ وہ ثمینہ کو بچا سکتا ہے۔ اسے یہ احساس بھی تھا کہ اگر ثمینہ کو کچھ ہو گیا تو وہ تمام عمر احساسِ جرم کے بوجھ تلے سسکتا رہے گا۔ کبھی خوش نہیں رہ سکے گا۔

اس نے ذہن میں تمام جزئیات ترتیب دے لیں۔

سوال یہ تھا کہ معلومات کیسے حاصل کی جائیں۔ انسپکٹر فاروق سے کچھ اگلوانا بہت مشکل ہے۔

اسی لمحے انسپکٹر فاروق نے اسے چونکا دیا۔ "ایک اور اہم بات معلوم ہوئی ہے۔"

عمران نے سر اٹھا کر انسپکٹر کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"آپ کی ملازمہ زیب النساء ڈاکوؤں کی مخبر ہے۔"

عمران کے لیے وہ بہت بڑا دھماکا تھا لیکن اس کی سب سے بڑی خلش بھی دور ہو گئی۔ ڈاکوؤں کو اس کے اور ثمینہ کے نام زیبو نے بتائے تھے۔

اس کا ذہن اب بھی یہی تکرار کر رہا تھا۔ انسپکٹر فاروق سے معلومات کیسے اگلوائی جائیں پھراس نے قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا۔ ”انسپکٹر مجھے ڈاکوؤں کے متعلق معلومات فراہم کرسکتے ہو۔ ان کے نام کیا ہیں۔ وہ کہاں رہتے ہیں خاص طور پر ان کا چیف۔“

انسپکٹر فاروق نے اسے غور سے دیکھا۔ ”سوری یہ ممکن نہیں۔“

”لیکن اس میں کیا حرج ہے؟“

”ہم ایسا کر کے مزید قانون شکنی اور نقص امن کا امکان کیوں پیدا کریں۔“

عمران کو انسپکٹر کی بات سمجھنے میں کچھ دیر لگی۔ ”کیا میں تمہیں ایسا نظر آتا ہوں؟“ اس نے ترش لہجے میں کہا۔

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ عزیز ترین ہستی کو خطرہ لاحق ہو تو بے ضرر لوگ بھی مرنے مارنے پر تل جاتے ہیں۔“

”میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایسا کچھ نہیں ہو گا۔“

”سوری عمران صاحب۔“

”تم اس بات کی اہمیت نہیں سمجھ رہے ہو۔“ عمران نے چیخ کر کہا۔ ”میری بیوی کو پولیس نہیں بچا سکتی۔ ہاں میں بچا سکتا ہوں۔“

”یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں۔“ انسپکٹر نے رسان سے کہا۔ ”لیکن میں مجرموں کی فیملی کو مجرم سمجھنے کا قائل نہیں میں انہیں خطرے سے دوچار کبھی نہیں کروں گا۔“

”میں تم سے وعدہ کرتا ہوں........“

انسپکٹر نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”سوری عمران صاحب۔“

عمران پاؤں پٹختا' مٹھیاں بھینچے انسپکٹر کی طرف دیکھا۔

”اب اس وقت آپ آئینہ دیکھ لیں تو میری بات آپ کی سمجھ میں آجائے گی۔“ انسپکٹر نے سرد لہجے میں کہا۔ ”حالانکہ آپ کے سامنے مجرم کے گھر کا کوئی فرد نہیں' قانون کا ایک محافظ کھڑا ہے۔ مگر آپ مرنے مارنے پر آمادہ ہیں۔“

وہ کرسی پر بیٹھ گیا اور خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کے بعد ہی بات کی جاسکتی تھی۔

☆=====☆=====☆

بی ون کو گئے آدھا گھنٹا ہو چکا تھا اور وہ ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ اب چیف کا تشویش سے برا حال تھا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ پورے معاملے میں کوئی گڑبڑ ہے۔ اب تو اسے اس پر بھی شک تھا کہ بینک مینیجر نے فون پر جو کچھ بتایا تھا درست تھا مگر سوال یہ تھا کہ بی ٹو کیا کر رہا ہے؟اس نے کسی گڑبڑ کی صورت میں فون کیوں نہیں کیا۔ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ وہ بھی گرفتار ہو گیا ہو۔

اس نے ثمینہ کی طرف دیکھا جو سامنے صوفے پر بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی۔ اگر پورا منصوبہ پٹ گیا تھا تو وہی اس کے آخری ٹرمپ کارڈ کی حیثیت رکھتی تھی لیکن مجھے اپنے اعصاب پر قابو رکھنا ہو گا۔ اس نے اپنے ہاتھوں کو ہلکی سی لرزش دیکھ کر سوچا۔

مگر یہ اس کے اختیار میں نہیں تھا۔ ہاتھوں کی لرزش کم نہیں ہو رہی تھی' بڑھ رہی تھی۔ اس نے زیبو کو اشارے سے اپنے پاس بلایا اور سرگوشی میں باتیں کرنے لگا۔

☆=====☆=====☆

زیب النساء فلیٹ سے نکلی تو بہت خوف زدہ تھی۔ اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اسے اس طرح استعمال کیا جائے گا۔ چیف نے اسے باہر جانے کو کہا تو اس نے احتجاج کیا کہ بی ون کی طرح وہ بھی واپس نہیں آسکے گی۔ اس پر چیف نے مسکراتے ہوئے کہا تھا کہ اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اس صورت میں وہ پولیس تک اس کا ایک پیغام پہنچا سکتی ہے۔

”لیکن میں باہر نہیں جانا چاہتی۔“

”باہر زندگی ہے' جیل کی ہی سہی لیکن یہاں تو تمہارے لئے صرف موت ہے۔ میرے ہاتھوں۔“ چیف نے بے حد سفاک لہجے میں کہا تھا۔

یوں چاروناچار زیبو کو باہر نکلنا پڑا لیکن خوف سے اس کا برا حال تھا۔ وہ لرزتے قدموں سے پارک کی طرف چلتی رہی۔

پارک کے قریب اچانک ہی اسے پولیس والوں نے گھیرلیا لیکن وہ اس کے لئے تیار تھی۔

اسے ڈی ایس پی کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہاں ایاز صاحب بھی تھے۔ اس کے ساتھ ایک اور معمر آدمی بھی تھا' جسے وہ نہیں پہچانتی تھی۔ ایاز صاحب کو دیکھ کر اس نے نظریں جھکالیں۔

"کب سے ڈاکوؤں کے لئے مخبری کر رہی ہو تم؟" ڈی ایس پی نے سخت لہجے میں اس سے پوچھا۔

"اس سے کام کی بات پوچھیں بھٹی صاحب۔" انیس صاحب نے ڈی ایس پی کو ٹوکا۔

"میں آپ کو ایک ہی بات بتا سکتی ہوں۔" زیبو نے کہا۔ "اس نے کہلوایا ہے کہ اسے کچھ ہونے سے پہلے باجی ہلاک ہو جائیں گی۔ اس نے مجھے بھی بندوق کے زور پر باہر نکالا ہے۔ یہی پیغام بھجوانے کے لئے۔"

یہ سن کر انیس الرحمان اور ایاز صاحب کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ "آپ کا کیا ارادہ ہے؟" انیس صاحب نے ڈی ایس پی سے پوچھا۔

"آپ بے فکر رہیں ہم اس پر قابو پالیں گے۔" ڈی ایس پی بھٹی نے کہا۔

"لیکن میری بیٹی کی جان خطرے میں ہے۔" انیس صاحب بولے۔ "میں اس کا ہر مطالبہ پورا کرنے کو تیار ہوں۔"

"ہم مجرموں سے سمجھوتے نہیں کرتے جناب۔" ڈی ایس پی نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "ہم کمانڈو کارروائی کریں گے۔"

"میں آئی جی سے بات کروں گا۔"

"یہ سب کچھ انہی کے حکم کے مطابق ہو رہا ہے۔"

"تو پھر ہمیں فلیٹ میں جانے دیں۔" ایاز صاحب بولے۔ "ہم اسے سمجھانے کی کوشش کریں گے۔"

"وہ آپ کی زبان نہیں سمجھے گا۔ یہ لوگ صرف گولی کی زبان سمجھتے ہیں۔"

"پھر بھی ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے کمانڈو ایکشن کے وقت ہم اپنی بیٹی کے ساتھ ہوں۔"

"میں آپ کو اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"میں اس سلسلے میں آئی جی صاحب سے بات ضرور کروں گا۔ میری بات کرایئے ان سے۔" انیس صاحب نے بے حد خراب لہجے میں کہا۔

☆======☆======☆

"یہ کل جو گلشن اقبال میں ڈکیتی ہوئی ہے یہ کیس کس کے پاس ہے؟" عمران نے

انسپکٹر فاروق سے پوچھا۔

"میرے ہی پاس ہے کوئی سراغ نہیں ملا ہے اب تک۔"

"میں مجرم تمہارے حوالے کر سکتا ہوں۔" عمران نے اعتماد سے کہا۔

انسپکٹر نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "یہ کیسے ممکن ہے؟ تم اس کے بارے میں کیا جانتے ہو۔"

"میں تمہیں اصل مجرم تک پہنچا سکتا ہوں۔"

"تو پھر بتاؤ۔ تمہیں ویسے بھی قانون کی مدد کرنی چاہیے۔"

"میں اس کے لئے تیار ہوں لیکن قانون کو بھی میری مدد کرنی ہو گی۔"

انسپکٹر کی آنکھوں میں الجھن جھانکنے لگی۔ "تم اپنے مجرموں کے نام اور پتے چاہتے ہو نا؟"

"صرف ان کے سرغنہ کا۔ باقی سب بے کار ہیں اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ خلافِ قانون کوئی کام نہیں کروں گا۔"

انسپکٹر تھوڑی دیر سوچتا رہا پھر اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "تم بلف کر رہے ہو میرے ساتھ۔ تمہارا اس واردات سے کیا تعلق؟"

"میرا کوئی تعلق نہیں لیکن میں اصل مجرم تمہیں دے سکتا ہوں۔"

"اس کی کیا ضمانت ہے کہ تم اپنی مطلوبہ معلومات حاصل کرنے کے لیے مجھے دھوکا نہیں دے رہے ہو۔"

"اس کی کوئی ضمانت نہیں لیکن میں جھوٹ کبھی نہیں بولتا۔"

"تو پھر میں تم سے ویسے بھی اگلوا سکتا ہوں۔"

عمران کا چہرہ تمتما اٹھا۔ "کوشش کر دیکھو۔ میں کوئی بے بس شہری نہیں کہ تم جو چاہو کر گزرو۔ بغیر کسی وجہ کے پکڑ لو اور تشدد کرو۔"

انسپکٹر کھسیا گیا۔ "سوری عمران صاحب۔ میں اس مزاج کا آدمی نہیں ہوں۔ بس منہ سے یہ بات نکل گئی۔ ٹھیک ہے آپ اپنی معلومات مجھے فراہم کریں۔ میں آپ کو آپ کی مطلوبہ معلومات فراہم کروں گا لیکن یہ وعدہ نہ بھولیے گا کہ آپ کوئی غیر قانونی حرکت نہیں کریں گے۔"

چند لمحے دونوں میں اس پر بحث ہوتی رہی کہ پہلے زبان کون کھولے گا۔ اس بار

انسپکٹر ڈٹ گیا۔ غرض کیونکہ عمران کی بڑی تھی اس لئے اسے ہی ہتھیار ڈالنا پڑے۔

"تو سنو" اس نے کہا۔ "ثمینہ کا ایک کزن ہے جس نے اس کا رشتہ بھی مانگا تھا لیکن اقبال صاحب نے انکار کر دیا تھا۔ وہ یلو کیب چلاتا ہے۔ یہ واردات اسی نے کی ہے۔ مقصد صرف ثمینہ کے شوہر کو راستے سے ہٹانا تھا جو مال ملا وہ بونس ہے اسے پکڑو اور سب کچھ اگلوالو۔"

انسپکٹر فاروق کے چہرے سے دبا دبا ہیجان ظاہر ہو رہا تھا۔ "اس کا نام؟"

"نام مجھے نہیں معلوم۔ ثمینہ یا اقبال صاحب بتا سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے عمران صاحب۔ اب آپ اپنی واردات کے سرغنہ کا نام اور پتا نوٹ کر لیں۔"

☆======☆======☆

ثمینہ کو احساس ہو گیا تھا کہ صورتِ حال بہت سنگین ہو چکی ہے۔ اب وہ گھر میں چیف کے ساتھ اکیلی تھی اور چیف بہت اعصاب زدہ دکھائی دے رہا تھا۔ ثمینہ کا اندازہ تھا کہ عمران کسی طرح نہ طرح ڈاکوؤں کے چنگل سے نکل گیا ہے بلکہ اس نے انہیں گرفتار بھی کرا دیا ہے۔ اب صرف چیف ہی آزاد ہے۔ یہ خیال اس کے لئے طمانیت بخش تھا کہ عمران اب خطرے میں نہیں لیکن اسے خوف تھا کہ اب شاید وہ نہیں بچ سکے گی۔ اس نے چیف کے ہاتھوں میں لرزش دیکھ لی تھی اور جانتی تھی کہ جن ہاتھوں میں خطرناک گن ہو، ان ہاتھوں کی لرزش ہلاکت خیز ثابت ہوتی ہے۔

"ثمینہ بی بی، ہمارا تو اب مرنے جینے کا ساتھ ہے۔" چیف نے اسے چونکا دیا۔ "یاد رکھنا، جو میرا حشر ہو گا وہی تمہارا ہو گا۔"

یعنی بات کھل کر سامنے آ گئی۔ چیف کی دھمکی بے حد واضح تھی۔

چیف نے دھمکی تو دے دی تھی لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ زیب النساء کے ذریعے وہ دھمکی بھجوا چکا تھا مگر پولیس کا کوئی ردِ عمل سامنے نہیں آیا تھا۔ اگر وہ فون پر اس سے بات کر لیتے تو وہ نسبتاً پُرسکون ہو جاتا۔ اسے پولیس کی بے پروائی اور بے نیازی سے خوف آ رہا تھا۔ ایسا کسی مضبوطی ہی کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔

اس نے گھڑی دیکھی۔ اب تو زیب النساء کو گئے ہوئے بھی تقریباً آدھا گھنٹہ ہو چکا تھا۔ وہ گیلری میں جانے کی ہمت بھی نہیں کر سکتا تھا کہ گرد و پیش کا جائزہ لے سکے۔ وہ تو

کھڑکی کے پاس بھی نہیں جا رہا تھا۔

اطلاعی گھنٹی بجی تو وہ اچھل پڑا۔

"اٹھ جاؤ بی بی۔ میرے ساتھ دروازے تک چلو۔" چیف نے گن لہراتے ہوئے کہا۔

ثمینہ اٹھی اور اس کے ساتھ چل دی۔ چیف نے پیپنگ آئی سے آنکھ لگائی اور باہر دیکھا۔ وہاں دو مرد کھڑے تھے۔ دونوں کی عمریں پچاس سے اوپر تھیں۔ ان میں سے ایک نے پھر اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبایا۔

"ذرا جھانک کر دیکھو۔ یہ لوگ کون ہیں۔" چیف نے سرگوشی میں کہا۔

ثمینہ نے پیپنگ آئی سے دیکھا۔ "میرے ابا جان اور سسر ہیں۔" اس نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے اب تم ہٹ جاؤ۔" چیف نے کہا پھر بلند آواز میں بولا۔ "تم لوگ یہاں کیوں آئے ہو؟"

"ہم تمہارا ہر مطالبہ ماننے کو تیار ہیں۔" باہر سے ایاز صاحب نے کہا۔ "بس ثمینہ بٹی کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔"

"تمہارے ماننے سے کچھ نہیں ہو گا۔ اصل مسئلہ تو پولیس کا ہے۔" چیف نے چیخ کر کہا۔

"اچھا، تم ہمیں یرغمال بنا لو۔ ثمینہ کو چھوڑ دو۔"

چیف نے اس پر چند لمحے غور کیا۔ اس نے یہ بھی سوچا کہ ان دونوں کو بھی بلا کر یرغمال بنا لے لیکن تین پر نظر رکھنا آسان نہیں تھا۔ تبادلے والی بات میں بھی وہ خسارے ہی میں رہتا۔ لڑکی بہتر یرغمال تھی۔ اس سے کوئی خطرہ بھی نہیں تھا۔ "نہیں شکریہ۔" وہ چلایا۔ "میری بچت کے لئے یہ خاتون ہی کافی ہیں۔"

"خدا کے لئے.........."

اسی لمحے چیف کو احساس ہوا کہ اب وہ اس فلیٹ میں قید نہیں رہ سکتا۔ حقیقت پسندی سے سوچا جائے تو یہ طے ہے کہ اب اس کے بچنے کا امکان نہیں لیکن گرفتار ہونا اسے گوارا نہیں تھا۔ تو اسے ثمینہ کو کلاشنکوف کی زد پر لے کر باہر نکلنا تھا۔ اندر تو ہر حال میں اسے مارا جانا تھا۔ باہر نکلنے میں ایک امکان تھا کہ شاید کچھ ہو جائے۔ وہ جانتا تھا کہ

پولیس ثمینہ کی موجودگی کی زیادہ پروا نہیں کرے گی۔ البتہ یہ دونوں پولیس پر دباؤ ڈال سکیں تو شاید کوئی بہتری کی صورت نکل آئے۔

"آپ دونوں میری بات غور سے سنیں۔" اس نے چیخ کر کہا۔ "میں کسی حال میں گرفتاری نہیں دوں گا اور پولیس مجھ پر فائر کرے گی تو میں یقینی طور پر اس خاتون کو ختم کر دوں گا۔ اگر آپ پولیس کو روک سکیں تو روک لیں۔ ورنہ میں اکیلا نہیں مروں گا۔"

"بات تو سنو........"

"میں کچھ نہیں سنوں گا۔ آپ سنیں۔ میں آپ لوگوں کو صرف پندرہ منٹ کی مہلت دے رہا ہوں۔ پندرہ منٹ کے اندر ایک گاڑی یہاں لا کر کھڑی کر دیں۔ ٹنکی فل ہونی چاہئے اگر ایسا نہیں ہوا تو میں اس خاتون کو شوٹ کر دوں گا اور اس کے بعد آخری گولی تک مقابلہ کروں گا بس اب آپ چل دیں' اس لمحے سے آپ کے پاس صرف پندرہ منٹ کی مہلت ہے۔"

☆======☆======☆

ایاز اور انیس الرحمٰن ڈی ایس پی کے پاس پہنچے تو ہانپ رہے تھے۔ وہ بھاگتے ہوئے آئے تھے۔ انہوں نے چیف کا پیغام ڈی ایس پی کو پہنچا دیا۔ ڈی ایس پی نے آئی جی کو مطلع کیا۔ آئی جی سے انیس صاحب کے مراسم بھی تھے انہوں نے آئی جی سے بات کی۔ طے یہ پایا کہ مجرم کا مطالبہ ماننا پڑے گا۔

وہ لوگ تیزی سے حرکت میں آئے' وقت بہت تیزی سے گزر رہا تھا۔

☆======☆======☆

فیصلے کا لمحہ آپہنچا تھا۔ اب خوف کی گنجائش نہیں تھی۔ چیف نے دل کڑا کر لیا تھا۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ اس کی دی ہوئی مہلت میں دس منٹ گزر چکے تھے مگر اب اس کا گیلری میں جانا لازمی تھا ورنہ اسے معلوم ہی نہ ہوتا کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔

اس نے گن ثمینہ کی کمر سے لگائی اور اسے آگے آگے لئے بالکونی میں آگیا۔ باہر کوئی سرگرمی نظر نہیں آئی۔ وہ کھڑا رہا۔ اس کی انگلی ٹریگر کو دبانے کے لئے پوری طرح تیار تھی۔

دو منٹ بعد بلڈنگ کے سامنے ایک کار رکی۔ وہ پرانے ماڈل کی ٹویوٹا تھی۔ اس میں سے پولیس والے اترے۔ ان کی تعداد چار تھی۔

"تم سب اتنی دور چلے جاؤ کہ مجھے نظر نہ آؤ۔ ورنہ یاد رکھو' میں لڑکی کو شوٹ کر دوں گا۔" چیف نے چیخ کر کہا۔

پولیس والوں نے اوپر بالکونی کی طرف دیکھا' اور پھر اس طرف چل دیئے جہاں سے گاڑی آئی تھی۔

چیف کو احساس تھا کہ اکیلے ہونے کی وجہ سے اس کی پوزیشن بہت خراب ہے کاش کوئی ایک ساتھی ہمراہ ہوتا۔ بہرحال اب تو اسے اس مرحلے سے اکیلے ہی گزرنا تھا۔

☆======☆======☆

عمران نے کال بیل کا بٹن دبایا۔ قدموں کی آہٹ سنائی دی لیکن دروازہ نہیں کھلا۔ ایک نسوانی آواز نے پوچھا۔ "کون ہیں آپ؟ کیا بات ہے؟"

"جی مجھے بابا نے بھیجا ہے۔" عمران نے کہا۔

دروازہ کھول دیا گیا۔ سامنے سولہ سترہ سال کی ایک لڑکی تھی۔ "بھائی خیریت سے تو ہیں۔ رات گھر بھی نہیں آئے۔" لڑکی کے لہجے میں پریشانی تھی۔

عمران لڑکی کو ایک طرف ہٹاتے ہوئے اندر گھس گیا۔ "خاموشی سے دروازہ بند کر دو۔" اس نے جیب سے ریوالور نکالتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

لڑکی کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ وہ تو جیسے بت بن گئی تھی۔ دروازہ عمران کو خود ہی بند کرنا پڑا۔ "گھر میں کون کون ہے؟" عمران نے پوچھا۔

"امی ہیں' باجی ہیں اور میں ہوں۔"

"کہاں ہیں۔ مجھے ان کے پاس لے چلو۔"

"نہیں.......... نہیں.........." لڑکی نے ہذیانی لہجے میں کہا۔

"چلو۔" عمران نے ریوالور لہرایا۔ یہ سب کچھ اسے بہت شاق گزر رہا تھا لیکن اس کے پاس کوئی اور چارہ بھی نہیں تھا۔

لڑکی اسے اپنے بیڈ روم میں لے گئی۔ وہاں ایک معمر خاتون تھیں اور ایک چوبیس پچیس سال کی لڑکی۔ "یہ سب کیا ہے؟" خاتون نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ان کی خوف زدہ نظریں عمران کے ریوالور پر جمی تھیں۔

ٹیبل پر ٹیلی فون دیکھ کر عمران کی جان میں جان آئی۔ اس نے کہا۔ "آپ تینوں سامنے کونے میں کھڑی ہو جائیں۔ پلیز چیخئے گا نہیں۔ میں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔"

دروازہ کھولنے والی لڑکی ماں سے لپٹ گئی۔ ماں نے دوسری لڑکی کو بھی لپٹا لیا۔ تینوں کونے میں کھڑی ہو گئی تھیں۔ عمران کو اطمینان تھا کہ وہ کوئی گڑبڑ نہیں کریں گی۔ وہ بہت زیادہ ڈری ہوئی تھیں۔

وہ ٹیلی فون کے پاس جا بیٹھا۔ اس کا ریوالور کا رخ تینوں کی طرف تھا۔

☆======☆======☆

چیف مطمئن ہو کر ثمینہ کو لیے ہوئے اندر آیا۔ اس کی گن بدستور ثمینہ کی کمر سے لگی ہوئی تھی۔ وہ اسے دھکیلتا ہوا دروازے کی طرف لے چلا۔ کھیل فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو رہا تھا۔ اس نے چٹخنی گرائی اور ناب پر ہاتھ رکھا۔ اس کا ہاتھ ناب پر جم کر رہ گیا۔

اسٹڈی میں ٹیلی فون کی گھنٹی چیخی تھی۔

چیف کا ہاتھ ناب پر متحرک ہو گیا۔ وہ فون کو نظرانداز کر دینا چاہتا تھا مگر پھر اسے خیال آیا کہ فون پولیس کا بھی ہو سکتا ہے۔ اٹینڈ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

"اسٹڈی میں چلو۔" اس نے ثمینہ سے کہا۔

ثمینہ کو سامنے کھڑا کر کے اس نے ریسیور اٹھایا۔ "سلیم بابا۔" دوسری طرف سے کسی نے کہا۔

چیف چند لمحے جواب نہ دے سکا۔ اپنا نام سن کر اسے حیرت ہوئی پھر اس نے خود ک سنبھالتے ہوئے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "بول رہا ہوں۔ خوامخواہ حیران ہو رہا تھا۔ اب تک ظاہر ہے' تم لوگ میرے بارے میں سب کچھ جان چکے ہو گے۔"

"بابا' میں عمران بول رہا ہوں۔ وہی عمران جس کے گھر میں اس وقت دندنا ر ہو۔ اور میں تمہارے گھر سے بول رہا ہوں۔"

"کیا بکتے ہو۔" سلیم بابا دہاڑا۔

"سچ کہہ رہا ہوں۔ تمہارے قبضے میں تو صرف میری بیوی ہے۔ میرے ریوالور کی پر تمہاری ماں اور دو بہنیں ہیں۔ سودا تمہارے ہی فائدے کا ہے۔"

"تم جھوٹے ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ ایک ایک کر کے تینوں سے بات کر لو۔"

سلیم بابا ریسیور کان سے لگائے کھڑا رہا۔ اس کے چہرے کے تاثرات تیزی سے بد

رہے تھے۔ رنگ فق ہوا جا رہا تھا۔

"بابا یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" یہ ماں کی فریاد تھی۔ "بابا' تم کہاں ہو؟ کیا کر بیٹھے ہو؟"

"بابا بھائی........ یہ آدمی کون ہے؟" یہ بہن کی آواز تھی۔

"بھائی جان' کیا یہ ہمیں گولی مار دیں گے؟ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ بھائی جان۔" یہ لاڈلی چھوٹی بہن رو رہی تھی۔

سلیم بابا کا دل لرزنے لگا۔ "کہو' اطمینان ہو گیا؟" دوسری طرف سے عمران نے پوچھا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟" سلیم بابا نے کمزور آواز میں پوچھا۔

"میری بیوی کو کچھ ہوا تو میں تمہارے پورے گھر کو تباہ کر دوں گا۔"

"بتاؤ' میں کیا کروں؟"

"میری بیوی کو پولیس تک پہنچا دو۔ میرے والد مجھے فون کر کے یہ بتا دیں کہ ثمینہ خیریت سے ہے اور محفوظ ہاتھوں میں ہے تو تمہارا گھر بھی محفوظ رہے گا۔ اپنے گھر کا فون نمبر تو تمہیں معلوم ہی ہے۔ یہ ذہن میں رکھنا کہ میں زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکوں گا۔ یہ کام پہلی فرصت میں کر گزرو۔"

سلیم بابا ہیلو ہیلو چیختا رہا لیکن دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا تھا۔ سلیم بابا نے ریسیور چھوڑ دیا پھر اس نے چشمہ اتارا۔ رومال کھول کر چہرے کا پسینہ صاف کیا اور گن ایک طرف پھینک دی۔ اب کسی چیز کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ بازی ہار چکا تھا۔

☆======☆======☆

عمران نے ریسیور رکھ دیا' ریوالور ایک طرف پھینکا اور دونوں ہاتھوں سے سر تھامے کرسی پر جا بیٹھا۔ کونے میں کھڑی تینوں خواتین اسے حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔ ان کی نگاہوں میں اب بھی خوف تھا۔

بالآخر معمر خاتون نے زبان کھولی۔ "یہ سب کیا ہے؟ تم شکل و صورت سے تو شریف گھر کے لگتے ہو۔"

"شریف گھر کا لگتا نہیں' ہوں بھی اور خود بھی برا آدمی نہیں ہوں۔" عمران نے سر اٹھاتے ہوئے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔ "میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔ آپ لوگ

آرام سے بیٹھ جائیں پلیز۔ یہ ریوالور اصلی نہیں۔ کھلونا ہے۔ میں مجبور تھا اماں۔"

وہ تینوں بیڈ پر ایک دوسرے سے چپک کر بیٹھ گئیں۔ اب وہ قدرے پُر سکون تھیں لیکن مطمئن اب بھی نہیں تھیں۔

"کیا کیا ہے میرے بابا نے؟" معمر خاتون کے لہجے میں اندیشوں کی جھنکار تھی۔

عمران نے مختصراً انہیں سب کچھ بتا دیا۔ وہ تینوں اب رو رہی تھیں اور عمران انہیں دلاسہ دے رہا تھا۔

پانچ منٹ بعد فون کی گھنٹی بجی۔ عمران نے جھپٹ کر ریسیور اٹھایا۔ "ہیلو؟"

"بیٹے' ثمینہ خیریت سے ہے اور میرے ساتھ ہے۔" ابو کی جانی پہچانی آواز سنائی دی۔

"ٹھیک ہے ابو۔ میں آرہا ہوں۔" عمران اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا ہوا بیٹے؟" بابا کی امی نے پوچھا۔

"بابا نے خود کو پولیس کے حوالے کر دیا ہے۔" عمران کے لہجے میں سچ مچ افسردگی تھی۔ "اماں مجھے افسوس ہے۔ میں آپ سے اور ان بہنوں سے شرمندہ ہوں۔ میں نے آپ کے ساتھ زیادتی کی میں جانتا تھا کہ آپ میرے کہنے پر یوں بھی فون کر سکتی ہیں مگر اس طرح آپ کے لہجوں میں سچا خوف نہ ہوتا۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجئے گا۔"

"شرمندہ تو ہم ہیں بیٹے۔" خاتون نے بمشکل کہا پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

عمران تھکے تھکے قدموں سے فلیٹ سے نکل آیا۔

☆======☆======☆

وہ امی کے گھر میں تھے!

"تو اس واردات نے تمہیں سسرال آنے پر مجبور کر دیا؟" عمران نے کہا۔

"جی نہیں۔ امی کو میں پہلے ہی بتا چکی ہوں۔ آپ ان سے پوچھ سکتے ہیں۔ جس رات یہ واردات ہوئی ہے' اسی دن میں نے امی کو فون کر کے کہا تھا کہ ہم اگلے جمعے کو شفٹ ہو رہے ہیں۔"

عمران مسکرایا۔ امی یہ بات اسے پہلے ہی بتا چکی تھیں۔ انہوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ ثمینہ نے شادی کے چوتھے دن انہیں رخصت کرتے ہوئے کہہ دیا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ

چھ مہینے الگ رہے گی اور پھر اپنی مرضی سے سب کے ساتھ رہے گی۔

"تم اس پر خفا ہو گی کہ میں نے تمہاری زندگی خطرے میں ڈال دی۔"

"نہیں تو۔ ان حالات میں کون سوچ سمجھ کر فیصلہ کر سکتا ہے آدمی کو کچھ سجھائی نہیں دیتا۔" ثمینہ نے کہا۔ "بلکہ میں تو شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری زندگی بچائی۔ کیسی ترکیب سوجھی آپ کو۔"

"ثمینہ میں نے تمہیں خطرے میں ڈالنے کا فیصلہ سوچ سمجھ کر کیا تھا۔" عمران نے سنگین لہجے میں کہا۔

ثمینہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی!"

"میرے خیال میں تمہیں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ خطرہ صرف مجھے تھا۔ میرا خیال تھا کہ ڈاکو تم سے واقف ہیں۔"

"میں ابھی نہیں سمجھی؟"

"اب میں تمہیں وہ بات بتا رہا ہوں جس کے بعد تمہاری نظروں سے گر جاؤں گا لیکن ازدواجی زندگی میں نہ جھوٹ کی گنجائش ہے' نہ جیون ساتھی سے کچھ چھپانے کی۔ میں چھپا بھی سکتا تھا لیکن اعتراف کر رہا ہوں اور غیر مشروط طور پر معافی کا خواستگار ہوں۔"

عمران نے ابتدا سے بتانا شروع کیا۔ ثمینہ پہلے حیرت اور پھر تاسف سے اسے دیکھتی رہی۔ عمران کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

ثمینہ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اس نے عمران کے دونوں ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ "کیسی باتیں کرتے ہیں۔ معافی تو مجھے آپ سے مانگنی چاہیے۔"

عمران نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ اس کا مضحکہ نہیں اڑا رہی تھی۔ وہ سنجیدہ تھی۔

"یہ سب کچھ تو میری اس بے ہودہ شرط کی وجہ سے ہوا۔ آپ کی کوئی غلطی نہیں۔ میں سچ مچ آپ سے شرمندہ ہوں۔"

اس بار عمران نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

☆======☆======☆

سی آئی اے کے افسران بہت خوش تھے۔ انسپکٹر فاروق نے ثمینہ مسعود کے گھر ڈاکے کا کیس حیرت انگیز طور پر حل کر لیا تھا۔ تفتیش کے نتیجے میں لرزہ خیز حقائق سامنے

آئے تھے۔ ثمینہ کے کزن خالد نے اس واردات کی منصوبہ بندی کی تھی۔ مقصد صرف مسعود کو ختم کرنا تھا اور ثمینہ یہ سب کچھ جانتی تھی۔ اسے بھی شریکِ جرم کی حیثیت سے گرفتار کرلیا گیا تھا۔

تفتیش کے دوران خالد نے اعتراف کیا تھا کہ وہ ثمینہ سے بہت پہلے سے محبت کرتا تھا اور ان کے درمیان تعلقات بھی تھے۔ خالد نے رشتہ مانگا تھا لیکن اقبال صاحب نے انکار کر دیا تھا۔ ثمینہ اور خالد شادی کے بعد ملتے رہے تھے۔ اسی لیے ثمینہ سسرال سے الگ ہو گئی تھی۔ ڈکیتی کا منصوبہ بھی دونوں نے اتفاق رائے سے بنایا تھا۔ خالد کی نشان دہی پر اس کے ساتھی بھی گرفتار کر لئے گئے تھے۔

اخبار میں یہ سب کچھ پڑھنے کے بعد ثمینہ نے معنی خیز نظروں سے عمران کو دیکھا۔ عمران نے نظریں جھکالیں۔ "اب تو میرا جی چاہتا ہے' نام بدل لوں۔" ثمینہ نے کہا۔

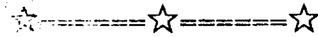
"فضول بات ہے۔ مجھے تو اس نام سے عشق ہو گیا ہے۔" عمران نے سر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"صرف نام سے؟" ثمینہ نے شوخی سے پوچھا۔

"ہاں' صرف نام سے۔"

ثمینہ بجھ کر رہ گئی۔

"تم سے تو پہلے ہی عشق ہو گیا تھا۔" عمران نے جملہ پورا کیا۔ دونوں کھِل کھِلا کر ہنس دیئے۔



رہگذارِ ابد

روح کیا؟ کیا روح کا کوئی وجود ہے؟ عالم ارواح کہاں ہے؟ کیا روحیں انسانوں کے پاس آسکتی ہیں؟ یہ وہ سوال ہے جو صدیوں سے انسان کے ذہن میں پیدا ہوتے آرہے ہیں۔ یہ ایک اسرار ہے جس نے ہمیشہ انسان کو اپنی کھوج پر اکسایا ہے۔ اس موضوع پر سائنسی تحقیق کے بارے میں ایک سنسنی خیز کہانی۔ ایک سرپھرے صحافی کا فسانہ حیرت جو روح کا بھید جاننے کے لئے عالم ارواح کے سفر پر روانہ ہو گیا۔

آپریشن تھیٹر میں ہنگامی صورتِ حال تھی۔ نرسیں اور سرجیکل اسسٹنٹ بے حد مصروف تھے۔ ڈاکٹر ہریش چند کے علاوہ کئی اسسٹنٹ سرجن بھی وہاں موجود تھے۔ انڈین ٹائمز کا رپورٹر فاروق بلال بڑی دلچسپی سے یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔

آپریشن ٹیبل پر ایک وجود بکھرا ہوا تھا۔ وہ موت سے جنگِ مغلوبہ لڑ رہا تھا۔

ایک ٹیکنیشن کی آواز ابھری۔ ”ای سی جی معدوم ہے‘ یہ مرچکا ہے۔“

سرجیکل ماسک کے اوپر سے جھانکتی ہوئی ڈاکٹر ہریش کی آنکھوں میں مسکراہٹ سی چمکی۔ اس نے سر کو اثباتی جنبش دی اور لنگڑاتا ہوا ٹیبل کی طرف بڑھا۔ راستے میں جا بجا الیکٹریکل وائر بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے مریض کا معائنہ کیا جس کا سر پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ پٹیاں خون آلود تھیں۔ تنفس کی مشین کا ٹیوب اس کے منہ میں لگا تھا۔ ڈاکٹر نے اس کا ہاتھ اٹھایا اور فوراً ہی چھوڑ بھی دیا۔ ہاتھ دھپ سے نیچے ٹیبل پر گرا۔ ہاتھ بے جان تھا۔

ای سی جی کی ٹھہری ہوئی پتلی سی لکیر مریض کی دماغی موت کا اعلان کر رہی تھی۔ تاہم دل اب بھی دھڑک رہا تھا۔ پھیپھڑے تنفس کی مشین اور دیگر آلات کے زور پر بدستور کام کر رہے تھے۔ قانونی اور طبی اعتبار سے موت واقع ہو چکی تھی لیکن جسم اندرونی اعضاء سمیت ابھی زندہ تھا تاکہ اعضاء نکالنے کا کام بخیرو خوبی مکمل ہوسکے۔

”کام شروع۔“ ڈاکٹر ہریش نے اعلان کیا۔ پھر وہ فاروق کی طرف متوجہ ہوا۔ ”اتنا پیچھے رہ کر تو تم کچھ بھی نہیں دیکھ سکو گے لکھو گے کیا۔“

”شکریہ ڈاکٹر۔ میں یہیں ٹھیک ہوں۔“ فاروق نے کہا۔ وہ الٹا ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

”بے ہوش ہونے لگو تو آگے کی طرف نہ گرنا۔ ورنہ میں تمہیں بھی کھول دوں گا۔“ ڈاکٹر نے مزاحیہ انداز میں کہا اور قہقہہ لگایا۔ پھر اس نے میز سے ایک آلۂ جراحی اٹھایا۔

فاروق مزید ایک قدم پیچھے ہٹا۔ وہ یہاں سے بھی میز کو دیکھ سکتا تھا۔ اسے اعضاء کی تبدیلی کے اس آپریشن کی رپورٹنگ کرنا تھی۔ رپورٹ کا بڑا حصہ تو وہ ڈاکٹر ہریش سے انٹرویو کے فوراً بعد ہی لکھ چکا تھا۔ اب اسے صرف عینی شاہد کا رول کرنا تھا۔ وہ سب کچھ دیکھ کر اس کی تصدیق کرنا تھی‘ جو وہ پہلے ہی لکھ چکا تھا۔ اب اسے اپنے فیچر میں بھرنے کے لیے کچھ حقیقی رنگ درکار تھے۔

اعضاء نکالنے کا مرحلہ شروع ہوا تو اسے ایسا لگا‘ جیسے وہ قصائی کی دکان میں کھڑا ہے۔ ڈاکٹر ہریش اعضاء نکال کر اپنے معاونین کو دیتے ہوئے پکار رہا تھا۔ ”یہ دل لو........... یہ بایاں پھیپھڑا........... یہ کلیجا........... یہ...........“

آپریشن تھیٹر سے ملحق کمرے میں وہ مریض تھے‘ جنہیں ان اعضاء کی ضرورت تھی۔ ان کا آپریشن کرنے والے اسسٹنٹ سرجن عضو لیتے اور اپنے کام یعنی تبدیلی کے آپریشن میں مصروف ہو جاتے۔ وہ سب اعضاء کی پیوند کاری کے اسپیشلسٹ تھے۔

”شراب کے عادی لوگوں کا جگر خراب ہوتا ہے۔“ ڈاکٹر ہریش کام کرتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا۔ ”ایسے جگر پیوند کاری میں کام نہیں آتے۔“ کام ختم کر کے وہ فاروق کی طرف چلا گیا۔ ”کہو........... تمہارے لیے ایک اچھا فیچر تیار ہو گیا یا نہیں؟“

”میں اس موضوع پر کئی فیچر کرنا چاہتا ہوں۔“ فاروق نے کہا۔

ایک اسسٹنٹ سرجن نے ڈاکٹر ہریش کے بازو کو چھوتے ہوئے کہا۔ ”تمام اعضاء نکالنے میں اس بار ایک گھنٹا پچیس منٹ لگے۔ دس منٹ کم ہو گئے اس بار۔“

ڈاکٹر ہریش نے اس ستائش پر بے نیازی سے کندھے جھٹک دیئے۔

ایک نرس نے کھوکھلی لاش پر چادر ڈال دی۔ ڈاکٹر ہریش نے چہرے سے سرجیکل ماسک ہٹایا اور فاروق سے کہا۔ ”چلو‘ تمہیں کافی پلواؤں۔“

”شکریہ ڈاکٹر‘ لیکن مجھے فوراً ہی جانا ہے۔“

اپنی کار میں بیٹھ کر فاروق نے ذہن اور نگاہوں سے آپریشن تھیٹر کے منظر کو جھٹکنے کی کوشش کی۔ نکالے جانے والے اعضاء اس کی نگاہوں میں لہراتے رہے۔ اس نے یہ سوچ کر خود کو تسلی دی کہ پیوند کاری انسانی زندگی کو بچانے میں معاون ہوتی ہے۔

اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ وہ لیٹ ہو گیا تھا۔ اس نے کار پوری رفتار سے چلائی لیکن ٹریفک بہت زیادہ تھا۔ گھر پہنچنے میں اسے بیس منٹ لگے۔ گاڑی اندر کھڑی کر

کے اس نے اپنے گھر کو دیکھا۔ اسے اب بھی یقین نہیں آتا تھا کہ یہ اس کا اپنا گھر ہے۔ اسے یقین نہیں آتا تھا کہ اس کی ایک خوب صورت بیوی اور اورایک پیاری سی بیٹی بھی اس گھر میں رہتی ہے۔ یہ سب کچھ اس نے صرف چند برسوں میں حاصل کیا تھا۔ ورنہ اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ اس نے اپنے سفر کا آغاز صفر سے کیا تھا۔

اس کے پڑوسی بچے نے اسے دیکھ کر ہاتھ لہرایا۔ اس نے جواباً ہاتھ لہرایا۔

زرینہ کچن میں سنک کے پاس کھڑی برتن دھو رہی تھی۔ اس نے فاروق کو دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ "کیا بات ہے جان؟" فاروق نے اس سے پوچھا۔

"چار گھنٹے کی تاخیر! کہاں تھے تم صبح سے؟" زرینہ نے جواب کا انتظار کیے بغیر اپنی بات جاری رکھی۔ "تم میری سمجھ میں نہیں آتے۔ چھٹی لیتے ہو اور اس کے بعد خود ہی کسی کام کے لیے نکل کھڑے ہوتے ہو۔"

فاروق نے سوچا۔ لو' پھر شروع ہوئی وہی کہانی' توجیہات' عذر' الزام اور احساسِ جرم۔' اس نے زرینہ کو ڈاکٹر ہریش کے آپریشن کی اہمیت کے متعلق بتایا۔ "اب تم ہی کہو' میں اتنا اہم فیچر کیسے چھوڑ سکتا تھا۔"

"یہ تو ٹھیک ہے لیکن تمہیں تمکین سے وعدہ کر کے وعدہ خلافی نہیں کرنی چاہیے۔"

"صبح سردی بھی بہت تھی۔ اتنی سردی میں اسے چڑیا گھر کیا لے کر جاتا۔" فاروق نے تاویل پیش کی۔ "تمکین کہاں ہے؟"

"آنگن میں کھیل رہی ہے سردی کے باوجود۔" زرینہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں بتایا۔

فاروق کو شکست کا احساس ہونے لگا۔ اس نے گھڑی دیکھی اور بولا۔ "اب چلتے ہیں۔ راستے میں' میں دفتر رک کر ایک ضروری چیز دے دوں گا۔"

"نہیں فاروق' یہ نہیں ہو گا۔ میں باقی آدھے دن کی چھٹی گنوانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔" زرینہ نے جلدی سے کہا۔ "یہ چالبازیاں تم میرے ساتھ بے شک کر لو' تمکین کے ساتھ ایسا نہیں ہونے دوں گی میں۔" فاروق نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا۔ مگر زرینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "دیکھو.......... اگر تم نے یہ کہا کہ تم یہ سب کچھ ہمارے ہی لیے کرتے ہو تو خدا کی قسم' میں چیخ پڑوں گی۔ تمہاری عمر ۳۵ سال ہے اور

حرکتیں ان نوجوان کی سی ہیں' جو کچھ بننے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔"

"میں تو صرف اپنی فیلڈ میں نام کمانے کی کوشش کر رہا ہوں۔" فاروق نے صفائی پیش کی۔

"میں بھی تمہیں بلندی پر دیکھنا چاہتی ہوں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم ہفتے کے ساتوں دن چوبیس گھنٹے کام میں مصروف رہو۔" زرینہ بولی۔ "تم خود کو منوانا چاہتے ہو اس میں کوئی بری بات نہیں۔ ماضی کی پرچھائیاں آدمی میں یہ خواہش جگاتی ہی ہیں۔ تم بچپن ہی سے محرومی کا شکار.........."

"یہ بات نہیں۔ میری ماں نے جس وقت مجھے چھوڑا' میں کم از کم چھ سات سال کا تھا۔ دودھ پیتا بچہ نہیں تھا۔" فاروق کے لہجے میں تلخی اتر آئی۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ تم اس وقت بچے ہی تھے۔ تم یتیم خانے میں پلے بڑھے۔ تمہیں کچھ بھی تو نہیں ملا لیکن اب تمہارا ایک گھر ہے' بیوی ہے' ایک بچی ہے۔ اچھی ملازمت ہے۔ پھر اب خود کو منوانے کے لیے اتنی بھگدڑ کی کیا ضرورت ہے؟"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو زرینہ۔ آئی ایم سوری۔"

زرینہ نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "معذرت قبول کر لی گئی۔ اب تمہیں میری بات ماننا ہو گی۔"

فاروق اس پر جھکا ہی تھا کہ تمکین اچھلتی کودتی آ گئی۔ اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔ پانچ سالہ تمکین کو دیکھ کر فاروق کا دل محبت اور تفاخر سے بھر گیا۔ اس نے بچی کو سینے سے لگا لیا۔ "ہم ابھی اپنی بیٹی کو چڑیا گھر دکھانے لے جائیں گے۔" اس نے کہا اور سوچا' اعضاء کی پیوندکاری پر فیچر واپس آ کر مکمل کر لے گا۔

☆======☆======☆

ڈاکٹر ہریش انڈین ٹائمز کا تازہ شمارہ ہاتھ میں لیے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر طمانیت تھی۔ فاروق بلال اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ ڈاکٹر اپنے آپریشن کے بارے میں مطبوعہ فیچر پڑھ رہا تھا۔ "تم نے بہت اچھی رپورٹنگ کی ہے فاروق۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "لیکن مجھے شہرت کی کبھی پروا نہیں رہی۔"

فاروق نے کندھے جھٹک دیئے۔ وہ جانتا تھا کہ ڈاکٹر ہریش چند کو شہرت کی کتنی شدید آرزو ہے۔ اسی لمحے دوسرے کمرے سے اسے ڈاکٹر کی بیوی کی آواز سنائی دی' جو

فون پر کسی کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔ حوالہ انڈین ٹائمز کا وہی فیچر تھا۔

ڈاکٹر مسکراتے ہوئے اٹھا' لنگڑاتے ہوئے ڈرائنگ روم کے دروازے کی طرف گیا اور دروازہ بند کر دیا۔ پھر اس نے پلٹ کر فاروق کو دیکھا۔ "لوگوں میں دوسروں کے کام آنے کا جذبہ ہونا چاہیے۔" اس نے کہا۔ "ایک مرتا ہوا آدمی اپنے اعضاء کے ذریعے کم از کم بیس افراد کو نئی زندگی دے سکتا ہے۔" یہ کہہ کر وہ دوبارہ آ بیٹھا اور اپنی معذور ٹانگ کو سہلانے لگا۔ اس کی ٹانگ کی یہ خرابی چالیس برس پرانی تھی۔ فاروق اس کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔

"میں کچھ جلدی پیدا ہو گیا۔" ڈاکٹر ہرلیش نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر آج میں جوان ہوتا تو اس ٹانگ کا علاج ہو چکا ہوتا لیکن اب اس بڑھاپے میں کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔" فاروق نے کہا۔ وہ جانتا تھا کہ ڈاکٹر ہرلیش کی مقبولیت میں اس ٹانگ کا بہت بڑا دخل ہے۔

"اگر میرے لڑکپن میں کوئی ڈاکٹر ہرلیش چند موجود ہوتا تو آج میں اس حال میں نہ ہوتا۔" ڈاکٹر کے لہجے میں افسردگی تھی۔

فاروق نے تیزی سے موضوع بدلا۔ "ڈاکٹر......... میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ میں پیوند کاری کے موضوع پر فیچرز کی ایک سیریز لکھنا چاہتا ہوں۔"

ڈاکٹر ہرلیش نے کرسی سے ٹیک لگائی اور چند لمحے چھت پر گھورتا رہا۔ پھر وہ سیدھا ہو بیٹھا اور اس نے بولنا شروع کیا۔ اس نے بتایا کہ اس نے نوجوان سرجنوں کو پیوند کاری میں اسپیشلائز کرنے کا مشورہ دیا ہے لیکن پیوند کاری میں سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ عام طور پر جسم کسی دوسرے جسم کے اعضاء کو مسترد کر دیتا ہے۔ اس سلسلے میں بہتری کے لیے ضروری ہے کہ پیوند کاری کے آپریشن زیادہ سے زیادہ ہوں اور اینٹی ریجکشن دوائیں تیار کی جائیں۔ تبھی یہ سائنس ترقی کر سکتی ہے۔"

فاروق مسکرا دیا۔ "ممکن ہے' ڈاکٹر کہ قدرت اسی طرح ہمیں کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہی ہو۔ یہ کہ پیوند کاری غلط ہے' نہیں کی جانی چاہیے۔"

ڈاکٹر کا منہ بن گیا۔ "احمقانہ خیال ہے۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔ "اس قسم کی باتیں طبی تحقیق کے راستے میں رکاوٹ ثابت ہوتی ہیں۔"

فاروق' ڈاکٹر کی حسِ مزاح کی نااہلی پر سر پیٹ کر رہ گیا۔ "میں تو مذاق کر رہا تھا۔"

اس نے آہستہ سے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ "اب میں چلتا ہوں۔"

☆======☆======☆

فاروق دفتر پہنچا تو اسے بتایا گیا کہ اس کے گھر سے فون آیا تھا۔ اس کے علاوہ کسی پیٹرجون نے فون کیا تھا اور کہا تھا کہ وہ دوبارہ فون کرے گا۔ فاروق کو وہ نام جانا پہچانا لگا لیکن پوری طرح سے یاد نہیں آ رہا تھا کہ پیٹرجون کون ہے۔ بہرحال اس نے فوراً ہی زرینہ کو جوابی فون کیا۔

"فاروق......... آج کتنی دیر سے آؤ گے؟" زرینہ نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"ایک گھنٹا لیٹ تو ہو ہی جاؤں گا۔ تم اور تمکین کھانا کھا لینا۔ میرا انتظار مت کرنا۔"

"ایک گھنٹا انتظار تو کیا جا سکتا ہے۔"

"میں جلد از جلد آنے کی کوشش کروں گا"

"میں جانتی ہوں۔"

فاروق نے ریسیور رکھا اور کام میں لگ گیا۔ ٹائپ کرتے کرتے اس کی انگلیاں دکھ گئیں۔ اس نے کچھ دیر کے لیے ہاتھ روکا اور بیٹھا سوچتا رہا۔ وہ نامور صحافی بننا چاہتا تھا مگر ہر روز گھر واپس جاتے ہوئے اسے مایوسی کا احساس ستاتا تھا۔ مایوسی اس بات پر کہ اسے کوئی بڑی غیر معمولی خبر نہیں ملی جو ہر رپورٹر کا خواب ہوتی ہے۔ سائنس اس کا پسندیدہ مضمون رہا تھا۔ اگر وہ جرنلسٹ نہ بنا ہوتا تو یقیناً سائنس داں بننے کے خواب دیکھتا۔ اب بھی اس کے بیشتر فیچرز سائنسی تحقیق اور ارتقاء پر ہی ہوتے تھے۔

رپورٹ مکمل کر کے اس نے کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر ٹانگیں پھیلائیں اور طویل جماہی لی۔ اس نے آنکھیں بند کی ہی تھیں کہ ایک آواز نے اسے چونکا دیا۔

"فاروق بلال صاحب' آپ سے ملاقات میرے لیے اعزاز ہے۔"

اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ ملاقاتی دراز قد اور بھاری بھرکم تھا۔ چہرے پر جھریاں تھیں۔

فاروق اٹھ کھڑا ہوا۔ "معاف کیجئے' میں آپ کو........."

"میرا نام پیٹرجون ہے۔ میرا تدفین کا ادارہ ہے۔" ملاقاتی نے کہا۔

"اوہ.........یاد آیا۔ جی ہاں......... آپ کا پیغام ملنے کے بعد میں نے بہت کوشش کی مگر مجھے یاد ہی نہیں آیا کہ آپ کون ہیں۔"

"میں آپ کی رپورٹس بڑے شوق سے پڑھتا ہوں۔ آپ بہت اچھے صحافی ہیں۔"

"بس جی' یہ تو روزی ہے۔" فاروق نے کہا۔ ویسے اپنی تعریف سننا اسے اچھا ا تھا۔ "کہیے' میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"میں نے پیوند کاری کے موضوع پر آپ کا ایک فیچر پڑھا ہے۔" پیٹر جون نے کہا۔ "اور میں آپ کے اخبار کے توسط سے عام لوگوں تک ایک اہم بات پہنچانا چاہتا ہوں۔"

فاروق نے دکھاوے کے لیے پیڈ اور پنسل سنبھالی' حالانکہ وہ بہت بیزاری محسوس کر رہا تھا۔ "جی...... فرمائیے۔"

"میں وہ بات سامنے لانا چاہتا ہوں' جو تیس سال سے چھپائے بیٹھا ہوں۔"

"اگر وہ اتنی ہی اہم بات تھی تو آپ نے اتنے عرصے لب کیوں سیئے رکھے؟" فاروق نے اعتراض کیا۔

پیٹر پر کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔ چہرے پر زردی بکھر گئی۔ اس نے رومال نکال کر منہ صاف کیا اور بولا۔ "بعض باتیں مناسب وقت پر ہی ظاہر کی جاتی ہیں۔ اس بات کے لیے یہی مناسب ترین وقت ہے۔ میرا خیال ہے' پیوند کاری کے آپریشن روح کی روانگی کے راستے میں رکاوٹ بن رہے ہیں۔"

"تو یہ ہے وہ اہم بات؟" فاروق نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"دیکھیے...... مُردے کو جلانا ہو یا دفن کرنا ہو' میں یہ کام چوبیس گھنٹے سے پہلے نہیں کرتا۔ تاکہ روح بغیر کسی رکاوٹ کے اپنے سفر پر روانہ ہو جائے۔" پیٹر آگے کو جھکتے ہوئے رازداری سے بولا۔ "میں جانتا ہوں' آپ کیا سوچ رہے ہیں۔ یہی کہ میں اس سے زیادہ انتظار کیوں نہیں کرتا۔ بات یہ ہے مسٹر فاروق کہ میں یہ کام برسوں سے کر رہا ہوں۔ میرا تجربہ اور مشاہدہ بے حد وسیع ہے۔ میرے نزدیک مناسب ترین مہلت چوبیس گھنٹے کی ہے۔ میں لاش آراستہ کرنے کے بہانے یہ مہلت حاصل کرتا ہوں۔"

فاروق نے سر کھجایا۔ سر جھکا کر مسلسل ٹائپ کرنے سے اس کی گردن دکھنے لگی تھی۔ "مسٹر پیٹر روح کی روانگی تو دور کی بات ہے' آپ نے اب تک روح کی موجودگی بھی ثابت نہیں کی ہے مجھ پر۔"

"پچھلے دو تین برسوں میں ایسے سیکڑوں کیس سامنے آئے ہیں' جن میں لوگوں کو مُردہ قرار دے دیا گیا تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ جی اٹھے۔ ایسے لوگوں نے اپنا تجربہ بیان کیا

ہے' انہوں نے بتایا کہ وہ تتلی کی طرح ہلکے پھلکے ہو گئے تھے اور وہ جس دنیا میں تھے' وہاں خوشیاں ہی خوشیاں' سکون ہی سکون تھا۔"

"جی...... جی ہاں۔" فاروق نے بہت دھیمی آواز میں کہا۔ اسے یہ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی کہ اس کا ملاقاتی جن لوگوں کے حوالے دے رہا ہے' وہ مریض تھے اور ان کی بات کو سند کے طور پر تسلیم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دوسری طرف وہ پیٹر پر برہم بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ بڑے اعتماد اور ذہانت سے اپنا موقف لفظوں میں بیان کر رہا تھا۔ پھر اچانک وہ یوں اٹھا' جیسے ملاقات ختم ہونے کا اعلان کر رہا ہو۔ "ٹھیک ہے مسٹر پیٹر۔ میں اس سلسلے میں اپنے ایڈیٹر سے بات کروں گا۔" اس نے کہا۔

"مسٹر فاروق' انہیں بتانا کہ مرنے والوں کو ان کے استحقاق سے محروم کیا جا رہا ہے۔ پیوند کاری کے سرجن جو کچھ کر رہے ہیں' اسے قتل اور آدم خوری کا امتزاج کہا جانا چاہیے۔ اگر آپ اپنے اخبار کے ذریعے اس درندگی کو روک سکے تو میں سمجھوں گا میری زندگی کسی کام آ گئی۔"

فاروق نے اس سے ہاتھ ملایا۔ اس کا ہاتھ پُر گوشت مگر بے حد سرد اور گرفت سے محروم تھا۔ وہ کسی مُردے کا ہاتھ معلوم ہوتا تھا۔

☆======☆======☆

پیٹر جون سے ملاقات کا احوال کاغذ پر منتقل کرنے میں اور دیر لگ گئی۔ لیٹ تو وہ پہلے ہی ہو گیا تھا۔ اسے ڈر یہ تھا کہ کہیں زرینہ اور تمکین اس کے انتظار میں بھوکی نہ بھی ہوں۔ اس نے پیٹر جون کا انٹرویو اپنے ایڈیٹر کی میز پر رکھا اور دفتر سے نکل آیا۔ امنے ہی کھلونوں کی دکان تھی۔ اس نے دکان سے بھس بھرا ہوا ہاتھی خریدا' جو اپنی اٹھی ئی سونڈ سمیت تین فٹ اونچا تھا۔

ایک ہاتھ میں بریف کیس اور دوسرے ہاتھ میں وہ ہاتھی لیے اپنے گھر میں داخل را۔ زرینہ کھانے کی میز پر بیٹھی تھی۔ اس نے زرینہ کی آنکھوں میں جھانکا۔ مگر اس کی نکھوں میں برہمی نہیں تھی...... رحم تھا' ہمدردی تھی۔ اس کے سامنے چائے کی پیالی کھی تھی' جس کی چائے جانے کب کی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

"آئی ایم سوری زری!" فاروق نے کہا۔

"نہیں فاروق۔ شرمندہ تو میں ہوں۔ میں نے تمہیں اتنی زیادہ محنت کرنے کی

اجازت کیوں دی۔"

اس بار زرینہ نے جنگی حکمتِ عملی تبدیل کر دی تھی۔ فاروق نے اسے نظرانداز کیا اور جلدی سے موضوع تبدیل کر دیا۔ اس نے بھس بھرا ہاتھی سامنے کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے راستے میں رک کر تمکین کے لیے خریدا ہے۔"

"میرا خیال ہے' اسے ان چیزوں سے زیادہ باپ کی ضرورت ہے۔"

اب کے فاروق کو اس کی نگاہوں میں برہمی نظر آئی۔ "دیکھو زرینہ ڈیئر' میں نے واقعی جلدی آنے کی کوشش کی تھی۔" اس نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔

"ہم تو تمہارے ساتھ کھانا کھانے کو ترس گئے ہیں۔" زرینہ نے لرزیدہ آواز میں کہا۔ "تم چھٹی کے دن بھی ہمارے نہیں ہوتے۔ بات کیا ہے فاروق؟ کام اتنا اہم ہے تمہارے لیے؟"

"زرینہ......... پھر وہی سب کچھ دہراؤ گی۔ دیکھو......... یہ مصروفیت کے دن ہیں۔ پھر کچھ لوگ چھٹی پر گئے ہوئے ہیں۔"

"نہیں' تم شروع ہی سے کام کے عاشق ہو۔ میں نے اپنے لیے کبھی شکایت نہیں کی لیکن میری تمکین بڑی ہو رہی ہے اب' اور اس کا باپ اس کے لیے اجنبی ہے۔ یہ ٹھیک نہیں۔"

"تمکین سو گئی کیا؟" فاورق نے پھر اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کی۔

"میرا خیال ہے' نہیں۔"

فاروق بیڈ روم کی طرف چل دیا۔ "تمکین تم جاگ رہی ہو نا؟" اس نے پکارا۔

"ڈیڈی......... آپ نے کھانا ہمارے ساتھ نہیں کھایا۔" اندر سے تمکین کی آواز سنائی دی۔

"بٹیا رانی......... میں تمہارے لیے ایک چیز لایا ہوں۔ اب میں دیر سے آؤں گا تو یہ تمہارے ساتھ رہے گا۔" فاروق نے لائٹ آن کر دی۔

تمکین چند لمحے حیرت سے پلکیں جھپکاتی رہی' پھر خوشی سے چلائی۔ "ارے واہ......... اتنا بڑا ہاتھی! یہ زندہ ہے نا ڈیڈی؟"

"نہیں۔" فاروق نے پلٹ کر زرینہ کو دیکھتے ہوئے کہا جو اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں چلی آئی تھی۔ "اس میں بھوسا بھرا ہوا ہے' یہ بہت اچھی چیز ہے۔" فاروق نے ہنستے

ہوئے کہا۔ "اب میں اسے تمہارے پاس لٹا رہا ہوں۔ سو جاؤ آرام سے۔"

کمرے سے نکلتے ہوئے فاروق نے زرینہ سے پھر معذرت کی۔ ہمیشہ کی طرح زرینہ پھر نرم پڑ گئی۔ "کچھ خاوند شراب پیتے ہیں۔ کچھ آوارگی کرتے ہیں' کچھ جوا کھیلتے ہیں۔ مجھے ایک ایسا شوہر ملا ہے' جسے کام کی لت ہے۔ یہ تو مقامِ شکر ہے اور میں ناشکری شکایت کر رہی ہوں۔"

"تم شکایت کہاں کرتی ہو۔" فاروق نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔ "خیر......... میں تلافی کر دوں گا۔ اس عید پر ہم بمبئی چلیں گے تمہارے گھر اور ہوائی جہاز سے چلیں گے۔"

زرینہ کا چہرہ چمکنے لگا۔ "سچ کہہ رہے ہو؟ وعدہ؟"

"پکا وعدہ۔"

☆======☆======☆

ایڈیٹر سلیل گپتا نے انٹرویو کی روداد والے کاغذ اس ٹرے پر رکھ دیئے' جس پر التوا کی سلپ چسپاں تھی۔ "میرے خیال میں یہ نہیں چھپنا چاہیے۔" اس نے فاروق سے کہا۔

فاروق کو امید بھی یہی تھی۔ پھر بھی اس نے کہا۔ "اس کی کوئی وجہ' کوئی جواز بھی ہو گا؟"

"ہاں۔ یہ چھپنے کے بعد میرا' تمہارا' ہمارے اخبار کا اور خود پیٹر جون کا خوب مذاق اُڑے گا۔ اس کے علاوہ یہ ہمارے قارئین کے لیے باعثِ توہین ہو گا۔ ہمیں یہ خرافات قارئین پر تھوپنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

"لیکن ہمیں اسے اشاعت سے روکنے کا بھی کوئی حق نہیں۔ ہم سنسر کرنے والے کون ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے' ہمارے قارئین تک یہ بات پہنچنی چاہیے۔"

سلیل کا سر اثبات میں ہلا۔ مگر فوراً ہی اسے خیال آگیا اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ بات کہ روحوں کی روانگی کا بھی شیڈول ہوتا ہے۔" اس نے مضحکہ اڑایا۔ "تم خود بتاؤ' فاروق' کیا تم اس پر یقین رکھتے ہو؟"

"میرے یقین کرنے نہ کرنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ہمارے قارئین میں سے بہت سے ایسے ہوں گے' جو اس پر یقین کریں گے ویسے بھی تقریباً ہر مذہب یہی بتاتا ہے۔"

سلیل نے کان کھجاتے ہوئے کہا۔ "اب اس کا فیصلہ پرکاش صاحب ہی کریں گے۔"

اس کا اشارہ پبلشر کی طرف تھا۔ اس نے انٹرکام ریسیور اٹھایا' بزر دبایا اور چند لمحے بات کرنے کے بعد ریسیور رکھ دیا۔ "ٹھیک ہے' فاروق تم جیتے۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔ "پرکاش صاحب نے کہا ہے کہ اسے پوری سنجیدگی اور اختصار کے ساتھ بیک پیج پر چھاپا جائے۔"

☆======☆======☆

پیٹر جون کا انٹرویو چھپنے کے بعد فاروق یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ حریف اخباروں نے اگلے روز اسی کہانی کو فرنٹ پیج پر چھاپا ہے۔ پھر سلیل نے اسے بتایا کہ اس سلسلے میں اتنے خط آئے ہیں کہ پچھلے تمام ریکارڈ ٹوٹ گئے ہیں۔ "لیکن میں لیٹرز ٹو دی ایڈیٹر میں ان میں سے ایک خط بھی نہیں چھاپوں گا۔" سلیل نے آخر میں کہا۔ "تم جا کر دیکھو تو۔"

فاروق میل روم کی طرف چلا گیا۔ انڈین ٹائمز کو ہر روز سیکڑوں خط موصول ہوتے تھے۔ ان میں سے پانچ چھ اشاعت کے لیے منتخب کر لئے جاتے تھے۔ سلیل ان خطوط کو ترجیح دیتا تھا جن میں اداریے سے مدلل انداز میں اختلاف کیا گیا ہو یا اخبار کی پالیسی پر تنقید کی گئی ہو۔

فاروق نے سرسری انداز میں خطوط کا جائزہ لیا۔ بیشتر خطوط میں پیٹر جون کے نکتہ نظر کو سراہا گیا تھا۔ کچھ خطوط میں اسے پاگل قرار دیا گیا تھا۔ فاروق نے دلچسپ خطوط علیحدہ کر لیے۔ اس نے ان خطوط کو دوبارہ پڑھا۔ ایک خط پادری جوزف گل کی طرف سے تھا۔

> ایسے لوگ بھی ہوں گے' جو مسٹر پیٹر جون کا مضحکہ اڑائیں گے لیکن یہ عقیدے کا معاملہ ہے' روح کا وجود برحق ہے اور روح غیر مرئی ہوتی ہے جو حقیقت ہے' اسے روشن خیالی کے نام پر مسترد نہیں کیا جا سکتا.........

ایک اور خط ٹام ہنری کا تھا' جو دہریہ تھا۔ اس نے لکھا تھا۔

> میں حیران ہوں کہ اس قسم کی خرافات اتنے بڑے روزنامے میں کیوں شائع کی گئی۔ اس دور میں توہمات کو اتنی اہمیت دینا کسی اعتبار سے درست نہیں۔ یہ خط انسانیت اور اس کے ارتقاء

> کے خلاف سازش ہے.........

مگر فالو اپ کے نکتہ نظر سے سب سے زوردار خط پشپا چودھری کا تھا۔ پشپا چودھری اپنی پیش گوئیوں کے حوالے سے بہت مشہور تھی۔ اس نے لکھا۔

> مادی دنیا سے حقیقی دنیا تک کا سفر طویل بھی ہے اور دشوار بھی۔ اس سفر میں مداخلت یقیناً ضرر رساں ثابت ہو سکتی ہے۔ کیا پتا' جنہیں ہم بھوت پریت کہتے ہیں' وہ دراصل روحیں ہوں' جو کسی وجہ سے اپنی منزل تک نہ پہنچ سکی ہوں۔ میں اعضاء کی پیوندکاری کے آپریشن کا سلسلہ روکنے کے لیے حکومت سے رابطہ کر رہی ہوں.........

فاروق نے وہ خط کوٹ کی جیب میں ڈال دیئے۔ وہ ان تینوں افراد سے انٹرویو کرنا چاہتا تھا۔ اپنی میز پر واپس آ کر اس نے تینوں کے پتے اور فون نمبر اپنی ڈائری پر نوٹ کیے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ آغاز پشپا چودھری سے کرے گا۔

سب سے اہم مسئلہ وقت کا تھا۔ یہ کام اسے اپنے طور پر اپنی فرصت کے اوقات میں کرنا تھا۔ یعنی اتوار کے دن اور ان تینوں میں سے کسی کو کال کرنے سے پہلے اسے زرینہ کو بتانا ہو گا۔ اسے اندازہ تھا کہ زرینہ کا ردِ عمل کیا ہو گا لیکن عید کی چھٹیوں میں گھر جانے کی رشوت سے اسے بہلایا جا سکتا تھا۔

☆======☆======☆

پشپا چودھری نے بڑی چونکا دینے والی پیش گوئیاں کی تھیں' جن میں سے بیشتر سچ ثابت ہوئی تھیں۔ اٹھارہ سال کی عمر میں ہی وہ مستقبل میں جھانکنے کی صلاحیت کے حوالے سے کافی مشہور ہو چکی تھی۔ اس شہرت ہی نے اسے ٹی وی کے ایک اسٹیج شو میں لوک سبھا کے ممبر انیل چودھری سے ملوایا۔ جلد ہی دونوں کی شادی ہو گئی۔ انیل چودھری کی موت نے اسے خوش حالی بھی دے دی۔

فاروق نے اسے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ بہت حسین اور متناسب الاعضاء تھی۔ اس نے لباس بھی اپنی خوبصورتی کو نمایاں کر کے عیاں کرنے والا پہنا تھا۔ تیز خوشبو اس پر مستزاد تھی۔ پیچھے ایک سیاہ بلی بیٹھی تھی۔

فاروق نے جیب سے نوٹ بک اور پنسل نکالی۔ وہ سامنے بیٹھی ہوئی پشپا کے بدن سے نظریں ہٹا کر اپنی توجہ کام پر مرکوز کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہا تھا۔ اس نے انٹرویو پر رضامند ہونے پر پشپا کا شکریہ ادا کیا لیکن پشپا کے پُرکشش جسم سے نظریں چرانا اس کے لیے کارِ دارد ثابت ہو رہا تھا۔

"چودھری جی' اب بھی میری رہنمائی کرتے ہیں۔" پشپا نے کہا۔ "انہوں نے لکھا تھا کہ مجھے تم سے بات کرنی چاہیے۔"

"آپ کا مطلب ہے' آنجہانی چودھری سے آپ کا اب بھی رابطہ ہے؟" فاروق اپنے لہجے کی حیرت نہ چھپا سکا۔

"ہاں.........کیوں نہیں۔" پشپا نے اس کی حیرت سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

فاروق ان سب باتوں پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ اسے تو اس پر بھی شک تھا کہ کوئی مستقبل میں جھانک سکتا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ ایک منطقی ذہن صورتِ حال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مستقبل کے بارے میں اندازے لگا سکتا ہے لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ پشپا کی پیش بینی پر یقین رکھنے والوں کی تعداد کم نہیں۔

پشپا نے اسے سوچتے دیکھا تو مسکرائی اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ ایک طرح کی جنگ تھی۔ فاروق بھی پلکیں جھپکائے بغیر اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ اسی وقت ایک ملازمہ چائے لے آئی۔ ملازمہ کے جانے کے بعد پشپا نے کہا۔ "تم اپنے فیچر میں مجھے معمول نہ لکھنا۔ میں خود کو پیش بین کہلوانا پسند کرتی ہوں۔"

"لیکن آپ نے بتایا کہ انیل چودھری سے آپ کا رابطہ ہے۔ اس اعتبار سے تو آپ معمول ہی ہوئیں۔"

"میرا رابطہ تحریر کے ذریعے ہے۔ اس میں آدمی روح کے زیر اثر قلم برداشتہ' سوچے سمجھے لکھتا چلا جاتا ہے۔" پشپا نے وضاحت کی۔ "انیل چودھری مجھ سے لکھواتے ہیں، مجھے بتاتے ہیں کہ دوسری دنیا کیسی ہے۔"

"کیسی ہے دوسری دنیا؟"

"تم مضحکہ اڑا رہے ہو مگر مجھے اس کی کوئی پروا نہیں شکوک سے میرا ہر روز رابطہ رہتا ہے۔" وہ مسکرا کر خطرناک زاویے سے فاروق کی طرف جھکی۔ فاروق کا دل اچھل پچھل ہونے لگا۔ اس نے گھبرا کر بلی کی طرف دیکھا اور بولا۔ "خوب صورت بلی ہے۔"

"یہ اپنی ماں پر گئی ہے۔ اس کی ماں کی راکھ میں نے اس جار میں محفوظ رکھی ہے۔" پشپا نے شوکیس میں رکھے جار کی طرف اشارہ کیا۔

"گویا آپ نے اپنی بلی کی چتا جلائی تھی۔" فاروق نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ پیٹر جون سے اتفاق کرتے ہوئے آپ نے اسے کم از کم چوبیس گھنٹے بعد جلایا ہوگا۔ تاکہ اس کی روح کو نکلنے کے لیے مناسب مہلت مل سکے۔"

"مذاق اُڑا رہے ہو میرا؟" پشپا کی بھوئیں تن گئیں۔

"جی نہیں۔ میں تو ایک زوردار فیچر کے لیے مواد جمع کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" فاروق نے جواب دیا۔ "ویسے آپ کے خیال میں کسی مُردے کو جلا کر ہم اس کی روح کے راستے میں رکاوٹ کھڑی نہیں کرتے؟"

"میرا خیال ہے' آتما کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آتما لچک دار اور ان مٹ ہوتی ہے۔"

"تو پھر اعضاء نکالنے ہی سے کیا فرق پڑ سکتا ہے۔" فاروق نے اعتراض کیا۔

پشپا کسی سوچ میں گم ہوگئی۔ "میں یقین سے نہیں کہہ سکتی میں نے روح کی قوت کے بارے میں جو کچھ کہا' اس کے بارے میں بھی بہت زیادہ پُریقین نہیں ہوں لیکن میں یہ جانتی ہوں کہ آتما کو عافیت کے ساتھ رخصت ہونے کا موقع ضرور ملنا چاہیے۔"

فاروق نے بڑی مشکل سے اپنے استعجاب پر مسکراہٹ کا پردہ ڈالا۔ اس کی سمجھ میں پشپا کی بے بسی تو آرہی تھی لیکن یہ بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس عورت کو اتنے معتقدین کیسے مل گئے۔

پشپا نے جیسے اس کے ذہن کو پڑھ لیا۔ "تم اپنے فیچر میں مجھے مضحکہ خیز بنا کر تو نہیں پیش کرو گے؟ رپورٹر بڑے بے رحم ہوتے ہیں۔ تم تو ایسے نہیں ہو نا؟" اس کے لہجے میں خوف تھا۔ "ویسے تم پُرکشش آدمی ہو۔" اس کی آنکھوں میں ترغیب کی چمک لہرائی۔

"آپ نے میرا ذہن ٹھیک طرح سے نہیں پڑھا۔ مجھے کوئی رشوت نہیں چاہیے۔"

"مجھ میں ذہن پڑھنے کی صلاحیت نہیں۔ البتہ تمہارے جسم کی خوشبو سے تمہارے متعلق بہت کچھ جان سکتی ہوں۔"

"مثلاً؟"

"تم طبعاً مہربان اور نرم ہو۔ اندر کی دنیا میں مگن رہنے والے ہو لیکن اکثر ضد اور

جارحیت کا مظاہرہ کرتے ہو۔ تمہارا باس سخت گیر ہے اور اپنی بات منوانا چاہتا ہے جبکہ تم اپنے انداز میں کام کرنا پسند کرتے ہو۔ تمہیں اپنی بیوی کے علاوہ بھی نسوانی قربت کی خواہش ہے۔"

فاروق مسکرا دیا۔ "یہ سب کچھ تقریباً ہر مرد پر فٹ آ سکتا ہے۔ جہاں تک نسوانی قربت کی خواہش کا تعلق ہے تو تم نے میری بھکی نظروں سے یہ نتیجہ نکالا ہے۔"

پشپا چند لمحے خاموش بیٹھی اسے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے نرم لہجے میں کہا۔ "میں کسی کو اپنی صلاحیتوں پر قائل کرنے کے لیے دلائل نہیں دیتی میں نے تمہارے بارے میں جو اچھی باتیں کیں' انہیں واپس لیتی ہوں تم بہت بے رحم آدمی ہو۔"

"تمہیں اپنے جادوئی گولے سے چپکے رہنا چاہیے۔"

"میں جادوئی گولا استعمال نہیں کرتی۔ اپنی نظر اور خوابوں پر انحصار کرتی ہوں۔"

فاروق کو اپنے فیچر کے لیے خاصا مسالہ مل چکا تھا۔ اب اسے مصلحت کا خیال نہیں رکھنا تھا۔ اس نے کہا۔ "تم ریس کورس اور سٹے والوں کا بھٹا کیوں نہیں بٹھاتیں۔"

"مجھے بھگوان کی دی ہوئی صلاحیت سے مالی مفاد حاصل کرنا اچھا نہیں لگتا۔" پشپا نے کہا۔ اس پر فاروق نے قہقہہ لگایا۔ پشپا کا جسم تن سا گیا۔ اس نے کشیدہ لہجے میں پوچھا "تمہیں میری پیدائشی صلاحیت پر یقین نہیں ہے نا؟" وہ اس کے قریب کھسکی اور اپنے ہاتھ یوں بلند کیے کہ ہتھیلیاں اوپر کی سمت ہوں "میری ہتھیلیوں سے اپنی ہتھیلیاں ملاؤ۔" اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"یہ پامسٹری کی کوئی نئی قسم ہے؟"

"دیکھ لینا۔ اب میری آنکھوں میں دیکھو۔"

اس کی گہری شربتی آنکھیں بلی جیسی تھیں۔ فاروق خود کو اس کی طرف کھنچتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ وہ سحر زدہ اس کی آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔

"او بھگوان...... بے چارہ...... ننھا لڑکا۔" چند لمحے بعد پشپا نے کراہتے ہوئے کہا۔

"کیا دیکھا تم نے؟" فاروق نے پوچھا۔

"چھوڑو۔ یہ سننا تمہیں اچھا نہیں لگے گا۔"

☆======☆======☆

ٹام ہنری چرچ کے باہر ایک اچھے خاصے مجمع کو لیکچر پلا رہا تھا۔ کچھ لوگ ہوٹنگ بھی کر رہے تھے۔ قریب ہی ایک پولیس والا بھی کھڑا ہوا تھا۔

"نہ کہیں کوئی جنت ہے نہ دوزخ۔ آدمی ختم تو سب کچھ ختم۔" ٹام ہنری کہہ رہا تھا۔ "مذہب کو ماننے والوں سے پوچھو۔ وہ ہم دہریوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے کچھ کیوں نہیں کرتے۔ کچھ نہیں کر سکتے تو اپنے خدا سے ہمارے لیے دعا ہی کریں کہ وہ ہمارے دلوں سے شکوک اور بے یقینی مٹا دے......"

مجمع میں کسی نے قہقہہ لگایا۔

"اب یہ ارواح کا چکر چلا دیا گیا ہے۔" ٹام ہنری نے قہقہے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ اسی لمحے اس کی پیشانی سے ایک انڈا ٹکرایا۔ اس کا چہرہ زردی میں لتھڑ گیا۔ اس نے اس طرف دیکھا۔ وہ ایک نوجوان تھا۔ ٹام نے تہدیدی انداز میں اس طرف انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔ "تمہارا خدا تمہاری روح پر رحم کرے کتے کے بچے......"

اس بار کئی لوگوں نے قہقہے لگائے۔ پولیس والا الجھتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ ٹام نے رومال سے اپنا چہرہ صاف کیا اور اپنی بات جاری رکھی۔ "پندرہ صدیوں سے عیسائیت دعویٰ کر رہی ہے کہ انسانوں کو صرف اور صرف بائبل کی ضرورت ہے اور بائبل کیا ہے۔ جنت دوزخ کے فرضی قصے۔ روح کی باتیں۔ موت کے بعد زندگی! دوستو انصاف سے بتاؤ' مسیحیت نے اب تک انسانوں کو کیا فائدہ پہنچایا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اس نے سب کچھ تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ انسان کو بھی اور انسانیت کو بھی......"

اچانک اس درخت کے تنے سے ایک بوتل ٹکرا کر ٹوٹی جس کے نیچے کھڑا ہو کر وہ تقریر کر رہا تھا۔ ٹام کے منہ سے مغلظات کا طوفان اُمڈ پڑا۔ بوتل پھینکنے والے کا پتا نہیں چلایا جا سکتا تھا۔ ٹام ہنری نے اپنے اوپر گرنے والے شیشے کے ٹکڑے صاف کیے۔ ایک ٹکڑا اس کی ہتھیلی میں اتر گیا۔ ٹام نے اپنا ہاتھ بلا ارادہ بلند کیا۔ زخم سے خون ابل کر اس کی قمیض پر گر رہا تھا۔ انڈا پھینکنے والے لڑکے نے مسرت آمیز قہقہہ لگایا۔

ٹام ہنری کے حلق سے گالیاں ابل پڑیں۔ وہ مجمع کو چیرتا آگے بڑھا۔ وہ انڈا پھینکنے والے لڑکے کی طرف جھپٹ رہا تھا' جو اب بھی ہنسے جا رہا تھا۔ ٹام نے اسے دھکا دے کر زمین پر گرایا۔ اسی لمحے عقب سے ایک اور نوجوان نے اس کی کمر پر لات رسید کی۔ دیکھتے ہی دیکھتے مجمع چھٹ گیا۔ اب وہاں ٹام ہنری' فاروق بلال اور پولیس والے کے سوا

کوئی بھی نہیں تھا۔ فاروق نے ٹام کو سہارا دے کر اٹھایا۔ پولیس والا بے نیازی سے دوسری طرف چلا گیا۔

ٹام ہنری کا گھر قریب ہی تھا۔ فاروق اسے گھر لے گیا۔ اس نے اپنا تعارف بھی کرایا۔

"تم اخبار والے ہی اس جہالت کے ذمے دار ہو۔ صرف سنسنی کی خاطر روحوں کی کہانیاں چھاپ دیتے ہو۔ میں ہر اتوار کو چرچ کے باہر اس جہالت کے خلاف جہاد کرتا ہوں۔"

"مسٹر ہنری......... اخبار کچھ اور نہیں، معاشرے کا آئینہ ہوتے ہیں۔" فاروق نے بے حد رسان سے کہا۔

ٹام نے اپنی زخمی ہتھیلی کی خود ہی ڈریسنگ کی۔ "یہ بتاؤ مسٹر فاروق کہ مجھے یہ سب کچھ کر کے کیا حاصل ہوتا ہے؟" ٹام نے کہا۔ "مجھے کوئی لالچ نہیں۔ بس یہ اطمینان ملتا ہے کہ میں انسانوں کے دماغ کے پھوڑوں کا بساط بھر صفایا کر رہا ہوں اور جب سے تمہارے اخبار نے روح والا چکر چلایا ہے، میرا کام دشوار ہو گیا ہے مجھے گالیاں سننا پڑتی ہیں۔ حکام کو اجتماعی درخواستیں دی جا رہی ہیں کہ مجھے بند کر دیا جائے فون پر دھمکیاں الگ دی جاتی ہیں۔ لفافوں میں غلاظت بھر کر بائی پوسٹ بھیجی جاتی ہے مجھے۔ یہ سب روحانیت والوں کی حرکتیں ہیں۔ یہ ابدیت پسند وہ چیز فروخت کر رہے ہیں لوگوں کے ہاتھوں، جو سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ روحانیت کا چکر چلانے والے شعبدے باز بھی میرے پیچھے پڑ گئے ہیں لیکن میں اس طرح ہارنے والا نہیں ہوں۔"

"ٹی وی پر مناظرے کا موقع مل جائے تمہیں تو کیسا رہے؟" فاروق نے پوچھا۔

"بھاسکر شو کا کمپیئر دلیپ بھاسکر میرا اچھا دوست ہے۔ تمہارا کسی پادری یا روحانیت پسند سے مناظرہ کرایا جا سکتا ہے بھاسکر شو میں لیکن اس کے صلے میں تمہیں مجھے خصوصی انٹرویو دینا ہو گا اور شرط یہ ہے کہ کسی اور صحافی سے تم بات بھی نہیں کرو گے۔"

"مجھے منظور ہے۔ میں مذہب کے پیٹ پر پوری قوت سے لات مارنا چاہتا ہوں۔"

ٹام ہنری کے چہرے پر درندگی کا تاثر تھا۔ فاروق کو وہ خطرناک دیوانہ معلوم ہوا۔

☆======☆======☆

پادری جوزف گل کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ وہ پیدائشی طور پر تشویش کا مریض

ہے۔ فاروق کی بات سن کر وہ بے تابانہ ٹہلتا رہا۔ پھر اس نے قدم روکے اور شدت سے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں مسٹر فاروق یہ ممکن نہیں۔ دہریئے سے ٹی وی پر مناظرہ اسے خواہ مخواہ پبلسٹی دے گا، جو اسے ویسے نہیں مل سکتی۔"

"ابھی آپ نے کہا تھا کہ آپ روحانیت کی تبلیغ و ترویج کے خواہش مند ہیں۔" فاروق نے احتجاج کیا۔ "ٹی وی سے بہتر تبلیغ کا اور کون سے موقع مل سکتا ہے آپ کو؟ اور آپ تو ٹھیک طرح سے مقابلہ کیے بغیر ہی جیت جائیں گے۔ عام لوگ دہریوں سے نفرت کرتے ہیں۔ ان کے سخت خلاف ہیں وہ۔ وہ آپ کی بات توجہ سے سنیں گے اور سراہیں گے۔"

"نہیں مناظرہ کوئی اچھی چیز نہیں اور دہریوں سے مناظرہ تو ہوتا ہی مشکل ہے۔ وہ عجیب منطق نکال کر لاتے ہیں اور ان جیسے لوگ اس منطق پر تالیاں پیٹتے ہیں۔"

"تو آپ بھی انہیں اسی زبان میں جواب دیں۔"

"مسٹر فاروق، ہم مذہبی رہنما ہیں، کوئی سیاست داں نہیں۔ تم روحانیت کے بارے میں کچھ جانتے بھی ہو؟"

فاروق نے اثبات میں سر ہلایا۔ "اس کے ماننے والے روح پر یقین رکھتے ہیں۔ ان کے خیال میں مرنے والے سے رابطہ ممکن ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے پیٹر جون بھی روحانیت پسند ہے، جس کا انٹرویو ہم نے چھاپا تھا۔"

"ہاں۔ پیٹر جون میرا اچھا دوست بھی ہے۔"

"ابھی کچھ دیر پہلے میں اور ایک روحانیت پسند......... پشپا سے ملا تھا۔" فاروق نے کہا۔

پادری کا منہ بن گیا۔ "ہاں......... وہ بہت حساس اور خداداد صلاحیت کی مالک عورت تھی لیکن اس نے اپنی صلاحیت کو مادی مقاصد کے لیے استعمال کیا تو اس سے وہ صلاحیت ہی چھن گئی۔ اس کی ہوس اس کی صلاحیت کو کھا گئی۔"

"تو فادر، میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ ٹام ہنری سے مناظرہ نہیں کریں گے تو میں روحانیت پسندوں کی نمائندگی پشپا کو سونپ دوں گا۔"

پادری جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "نہیں......... تم ایسا نہیں کرو گے۔"

"دیکھیے۔ لوگوں کا علم بڑھانے کے لیے ضروری ہے۔ آپ تعاون نہیں کریں گے

ہمیں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہو گا۔" فاروق نے کہا۔ "چلیں......... پیٹر جون کو رضامند کر
ں۔"

"وہ بیمار رہتا ہے۔"

"تب تو ہمیں پشپا ہی سے مدد لینا ہو گی۔"

"میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔" پادری نے سخت لہجے میں کہا۔ پھر فوراً ہی
زم پڑ گیا۔ "ٹھیک ہے' میں پیٹر سے بات کروں گا۔ امید ہے' وہ رضامند ہو جائے گا۔"

☆======☆======☆

مولوی نعمت بڑے جلال والے بزرگ تھے۔ انہیں دیکھ کر کوئی بھی مرعوب ہوئے
غیر نہیں رہ سکتا تھا۔ انہوں نے فاروق کی بات سن کر اسے گھورا اور بولے۔ "نام سے تو
سلمان معلوم ہوتے ہو لیکن ایمان کا مطلب نہیں سمجھتے۔ میاں' یہ عارضی زندگی ہے۔
یہ اس لیے کہ آدمی ابدی زندگی کے لیے نیک کمائی کر لے تاکہ وہاں اچھی گزرے اور
روح اللہ کا راز ہے' اس کے بارے میں تجسس کو منع کیا گیا ہے۔"

"لیکن اسلام نے تو حصولِ علم کو جہاد قرار دیا ہے اور بے خبری کو لعنت۔"

"مگر کچھ چیزوں کے لیے خاص حکم ہے کہ ان پر آنکھیں بند کر کے دل سے یقین کیا
جائے۔ دماغ کی پروا کیے بغیر۔"

"تو آپ مناظرے میں حصہ نہیں لیں گے؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسلام دینِ کامل ہے جو بے خبر ہیں' انہیں تجسس کرنے
دو مجھے تو اس پر حیرت ہے کہ تم مسلمان ہو کر اسلام کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"

فاروق کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھری۔ "میں یتیم خانے میں پلا بڑھا ہوں۔ صرف
ادے کو جانتا ہوں۔ مجھے کبھی کسی نے روح کے متعلق......... اسلام کے متعلق نہیں بتایا۔
میرے نزدیک مذہب محض ایک ڈھکوسلا ہے۔ لوگوں کو بے وقوف بنانے کا شعبدہ۔"

"خوش قسمت ہو کہ مسلمان پیدا ہوئے۔ خوش نصیب ہو کہ بالآخر تمہیں راہِ
راست پر آنا ہے۔ یاد رکھو' روح کو کوئی قید نہیں کر سکتا۔ یہ راز کوئی نہیں پا سکتا۔"
مولوی صاحب نے اسے ترحم آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ایمان میں بحث کی کوئی
گنجائش نہیں ہوتی۔"

اگلے روز پیٹر جون نے فون کر کے فاروق کو مطلع کیا کہ وہ ٹام ہنری سے مناظرے

کے لیے تیار ہے۔ فاروق احساسِ فتح سے سرشار ہو گیا۔ اب صرف شیڈول کی تیاری کرنا
تھی۔ اس کے علاوہ وہ اس پروگرام کے بارے میں ایک پیشگی فیچر تیار کرنا چاہتا تھا۔ یہ پہلا
موقع تھا کہ کسی اخبار اور کسی صحافی نے کوئی موضوع تخلیق کیا تھا۔ اسے امید تھی کہ سلیل
گپتا اس پر کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔ موضوع عام لوگوں کی دلچسپی کا تھا اور اس سے
اخبار کی اشاعت کہیں کی کہیں پہنچ سکتی تھی۔

وہ یہ سوچ رہا تھا کہ سلیل گپتا کی طرف سے بلاوا آ گیا۔ "فاروق......... تمہیں ایک
سلسلے وار فیچر پر کام کرنا ہے۔ فرنٹ پیج فیچر ہو گا وہ' اور اس کی اشاعت یکم جنوری سے
شروع ہو گی" سلیل نے چائے کے گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

فاروق کا دل خوش ہو گیا لیکن افسوس بھی ہوا کہ بھاسکر شو کا پروگرام مؤخر کرنا
پڑے گا۔ "فیچر کس موضوع پر ہے؟" اس نے پوچھا۔

"زندگی اور موت پر۔ زندگی کب شروع ہوئی ہے اور کب ختم ہوتی ہے۔ موت کی
قانونی اور طبی اعتبار سے کیا تعریف ہے۔ موت کی سائیکولوجی اصل موضوع ہے۔ اس میں
آواگون کا اینگل بھی آئے گا۔"

فاروق نے سر کو تفہیمی جنبش دیتے ہوئے فیصلہ کیا کہ مناظرہ بعد میں بھی ہو سکتا
ہے۔

"اس فیچر پر فوراً کام شروع کر دو۔ یہ ہمیں بہت جلد چاہیے۔"

فاروق خوش تو تھا کہ اس موضوع پر عرصے سے کام کرنا چاہتا تھا۔ مگر اب ایک مسئلہ
پیدا ہو گیا تھا۔ اب وہ عید پر زرینہ اور تمکین کو بمبئی نہیں لے جا سکتا تھا۔

☆======☆======☆

زرینہ نے فاروق کو بغور دیکھا اور بولی۔ "اب خلافِ معمول دوپہر کے وقت آنے
کی وجہ بھی بتا دو۔"

فاروق کی سمجھ میں نہ آیا کہ بات کیسے شروع کرے۔ "زرینہ......... سلیل گپتا نے
مجھے ایک بہت بڑا کام سونپا ہے' جو مجھے کہیں کا کہیں پہنچا سکتا ہے۔" بالآخر اس نے
اسٹارٹ لیا۔ "میں انکار بھی نہیں کر سکتا۔"

"تو انکار کرنے کی ضرورت کیا ہے؟"

"فیچر کی اشاعت یکم جنوری سے شروع ہو گی۔ یہ کام ارجنٹ ہے۔ ہم بمبئی نہیں جا

سکیں گے۔"

"یہ یہ کام چھوڑ دو۔ اس اخبار کے لیے تم پہلے ہی بہت کچھ کر چکے ہو۔ سلیل سے کہو' یہ فیچر کسی اور سے لکھوا لے۔"

فاروق نے نفی میں سر ہلایا۔ "دو وجوہات کی بناء پر میں ایسا نہیں کر سکتا۔ ایک تو میں پہلے ہی ہامی بھر چکا ہوں اور پھر اس کی بات ٹالی نہیں جا سکتی۔"

"لیکن تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔"

"جانتا ہوں اور وعدہ خلافی پر شرمندہ ہوں۔ ایسا کرو' تمکین کو لے کر بمبئی چلی جاؤ۔ چھٹیاں گزار کر واپس آجانا۔" فاروق نے کہا۔ زرینہ خاموش رہی تو وہ جھنجلا گیا۔ "دیکھو زرینہ.......... میں دیانت داری سے اپنا کام کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ آخر تم مجھ سے چاہتی کیا ہو؟"

"میں چاہتی ہوں' تم وہ وعدے نہ کرو' جنہیں وفا نہ کر سکو۔ میں چاہتی ہوں' تم کام کے پیچھے پاگل نہ ہو جاؤ۔ میں چاہتی ہوں' تم تمکین کو اچھے باپ بن کر دکھاؤ۔" زرینہ کی آواز بلند ہو گئی۔ "اور میں چاہتی ہوں' تم میرے لیے اچھے شوہر ثابت ہو۔"

"تم بمبئی چلی جاؤ۔ تفریح کرو اور مجھے میرا کام کرنے دو۔" فاروق نے جھنجلا کر کہا۔

"میں بمبئی جا رہی ہوں۔"

"اور واپسی کے لیے جلدی کی کوئی شرط نہیں۔"

"یہ کس نے کہا کہ میں واپس آنے کے لیے جا رہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھ پر کوئی احسان کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔"

☆======☆======☆

ٹائپ کرتے کرتے فاروق نے کئی بار ٹیلی فون کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن یہ سوچتے ہوئے فوراً ہی ہاتھ کھینچ لیا کہ ایک پیراگراف اور ٹائپ کر لوں۔ ورنہ خیال ذہن سے نکل جائے گا۔ کام نمٹانے کے بعد اس نے کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگالی۔ زرینہ اور تمکین کے جانے سے کام آسان ہو گیا تھا۔ کام کی رفتار بھی تیز ہو گئی تھی لیکن وہ انہیں بہت زیادہ یاد بھی کرتا تھا۔ اب تو ایک ہفتے سے زیادہ ہو گیا تھا۔ جس روز زرینہ نے کہا تھا کہ وہ کبھی واپس نہ آنے کے لیے بمبئی جا رہی ہے' اس رات وہ گھر پہنچا تو اس کے پڑوسی سنجے نے اسے روک لیا۔ سنجے کے کان بہت تیز تھے اور وہ دوسروں کے بارے میں بہت

زیادہ تجسس کرتا تھا۔ اس نے فاروق کو بتایا کہ زرینہ تمکین کو لے کر ٹیکسی میں بیٹھی تھی۔ اس کے ساتھ دو بڑے سوٹ کیس بھی تھے۔ اس نے پوچھا بھی کہ کہاں جا رہی ہو مگر زرینہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اس دن کے بعد سے فاروق کا اب تک زرینہ سے رابطہ نہیں ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ بھی پریشان ہو گی مگر اس کی طرح وہ بھی انتظار کا کھیل کھیل رہی تھی۔ دونوں فون کرنے میں پہل کرتے ہوئے ہچکچا رہے تھے۔ دونوں کے نزدیک فون کرنے کا مطلب اپنی غلطی تسلیم کرنا تھا۔ اس معاملے میں دونوں بچے ہی تھے۔

زرینہ کے والدین اس سے بڑی محبت کرتے تھے۔ انہوں نے ہی اسے شادی کے موقع پر منع کرنے کے باوجود تحفے میں کار دی تھی کہ اس کا کام بھاگ دوڑ کا ہے۔ کار ضروری ہے اس کے لیے۔

اب صورتِ حال یہ تھی کہ فاروق کام نمٹا چکا تھا۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا' اس کا غصہ سرد پڑتا جا رہا تھا اور اس کی جگہ احساسِ جرم نے لے لی تھی۔ اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ زرینہ نے جو کچھ کیا اس میں وہ حق بہ جانب تھی۔

اس نے ریسیور اٹھایا اور آپریٹر کو بمبئی کا نمبر دیا۔ کچھ ہی دیر بعد فون کی گھنٹی بجی۔ ریسیور اٹھاتے ہی اسے زرینہ کی آواز سنائی دی۔ "زرینہ.......... میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں پاگل.......... بے وقوف ہوں۔" اس نے بلا تمہید کہا۔ "غلطی میری تھی۔ میں شرمندہ ہوں۔ تم تمکین کو لے کر جلدی سے گھر آجاؤ۔"

"فاروق.......... ہم نے تمہیں بہت یاد کیا۔" دوسری طرف سے زرینہ کی آواز بھرائی ہوئی آواز ابھری۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں کبھی واپس نہ آنے کی دھمکی دی۔"

"پاگل.......... فون میں نے کیا ہے۔ معذرت کا حق بھی مجھے ہے۔ اب زیادہ اداکاری مت کرو اور ہاں.......... تمکین سے بات کراؤ۔"

"ڈیڈی.......... آپ میرے ہاتھی کا خیال رکھتے ہیں نا؟" یہ تمکین کی آواز تھی۔

پہلے تو فاروق کی سمجھ میں ہی نہ آیا۔ پھر اسے وہ بھس بھرا ہاتھی یاد آیا۔ "ہاں جان.......... لیکن وہ تمہارے بغیر اداس ہو گیا ہے۔ تم جلدی سے واپس آجاؤ۔ اب ریسیور امی کو دو۔ ہاں زرینہ.......... تم کل کی فلائٹ سے آجاؤ۔ شام کو تمہیں ایئرپورٹ پر ریسیو

کروں گا۔"

"فرصت ہو گی تمہیں؟" زرینہ نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

فاروق بھی ہنس دیا۔ "اب تو فرصت ہی فرصت ہے۔"

☆======☆======☆

فاروق کو کمرے کے تاریک گوشے میں حرکت کے احساس نے چونکا دیا۔ اس وقت وہ ٹی وی پر ایک اسٹیج شو دیکھ رہا تھا۔ میزبان ایک اداکارہ سے بات کر رہا تھا۔ اس نے اسکرین سے نظریں ہٹا کر کمرے کے اس گوشے کی طرف دیکھا۔ وہاں ایک عورت کھڑی تھی۔

فاروق کو عجیب سا احساس ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہو......... جیسے وہ اُڑ رہا ہو۔ وہ عورت سامنے کھڑی تھی۔ اس کے چہرے کی نقوش واضح نہیں تھے۔ اس کا وجود دھند میں لپٹا محسوس ہو رہا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ وہ دھند چھٹنے لگی۔ پھر فاروق حیران رہ گیا۔ "ارے زرینہ......... تم؟"

عورت ساکن و صامت کھڑی اس کے عقب میں کسی غیر مرئی نقطے کو گھورتی رہی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کا چہرہ جیسے چٹخا' منہ یوں کھلا' جیسے وہ چیخنا چاہ رہی ہو۔

"زرینہ!" فاروق چلایا۔

عورت نے اسے پیچھے ہٹانے کے لیے دونوں ہاتھ بڑھائے۔ پھر اچانک وہ فضا میں تحلیل ہو گئی۔ فاروق نے اپنی پلکیں جھپکائیں اور پھر آنکھیں سختی سے بھینچ لیں۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ جاگ رہا ہے۔ اس نے کئی بار سر جھٹکا۔ شاید گزشتہ روز کی تھکن اس کے ذہن پر اثر انداز ہو رہی تھی۔

وہ پھر ٹی وی اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا۔ پروگرام کا میزبان اب بھی اداکارہ سے گفتگو کر رہا تھا۔ اس سے اس نے اندازہ لگایا کہ اس کا خواب ضرور چند لمحوں پر محیط تھا کیونکہ اس نے زیادہ گفتگو مس نہیں کی تھی۔ وہ خواب تھا یا فریبِ نظر؟ وہ بیٹھا سوچتا رہا۔ وہ شاید اس کے تھکے ہوئے دماغ کا کرشمہ تھا۔ اس نے پھر سر جھٹکا اور گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ ابھی ایئرپورٹ جانے میں خاصا وقت تھا۔ اسے وقت گزاری کرنا ہی تھی۔ اس نے سوچا' وقت گزاری ایئرپورٹ پر ہی کر لی جائے گی۔

وہ دروازے پر ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ وہ سوچتا رہا کہ فون ریسیو کرے یا نہ

ے۔ کہیں دفتر سے کوئی اور کام نہ سونپ دیا جائے۔ پھر اس نے سوچا' ممکن ہے' ینہ کا فون ہو' فلائٹ سے متعلق۔ کیا پتا' اس نے ارادہ بدل دیا ہو۔ یا اس فلائٹ کا ٹ نہ ملا ہو۔ اس نے بڑھ کر ریسیور اٹھایا۔

"فاروق......... تم فوری طور پر آفس پہنچ جاؤ۔" دوسری طرف سے سلیل گپتا کی واز سنائی دی۔ اس کے لہجے میں کشیدگی اور گھبراہٹ تھی۔

"تمہیں معلوم ہے' مجھے زرینہ کو ایئرپورٹ پر ریسیو کرنا ہے۔" فاروق نے جھنجلا کر ہا۔

"دیکھو......... بہت اہم بات ہے۔ فوراً آجاؤ۔"

"میں ایئرپورٹ سے واپسی پر آجاؤں گا۔ ٹھیک ہے؟"

"سنو فاروق......... زرینہ جس جہاز پر آرہی تھی' وہ کریش ہو گیا ہے۔ کوئی مسافر زندہ نہیں بچا۔"

☆======☆======☆

لاشیں شناخت کر لی گئی تھیں۔ تدفین کے وقت سخت سردی کے باوجود فاروق کے جسم سے پسینہ پانی کی طرح بہہ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا' منصوبے بنانے کا فائدہ ہی کیا ہے......... محنت کا کیا حاصل؟ قسمت......... اندھی قسمت' ایک لمحے میں سب کچھ برابر کر دیتی ہے......... ہر چیز چھین لیتی ہے اب......... زرینہ اور تمکین کی موت کے بعد زندگی میں کیا رکھا ہے۔ بے معنی زندگی!

دکھ' غصے اور ملال سے اس کا وجود چھٹکنے لگا۔ یہ تو زیادتی ہے کہ وہ دونوں اسے اکیلا چھوڑ کر چل دیں۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اب دکھ برداشت کرنا اس کے بس سے باہر تھا۔ وہ قبروں پر گر گیا اور سسکیوں کے درمیان ان دونوں کے نام پکارنے لگا۔ کسی کی تسلی......... کوئی دلاسا اس کے غم کا مداوا نہیں کر سکتا تھا۔

☆======☆======☆

سرد ہوا اس کے چہرے سے ٹکرا رہی تھی۔ وہ چونک کر جاگا۔ اسے گرد و پیش میں ایک جانی پہچانی خوشبو محسوس ہوئی۔ اس نے ذہن پر زور دیا اور بالآخر اس خوشبو کو پہچان گیا۔ وہ کافور کی بو تھی۔ اس کے جسم پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ پھر اسے جانی پہچانی آہٹ سنائی دی......... سینڈل والے پیروں کی چاپ......... پھر بیڈ کی پائنتی کی طرف

اچانک زرینہ نمودار ہوئی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ خواب دیکھ رہا ہے' مگر اس کے باوجود وہ اسے گھورتا رہا۔ وہ اس کے وجود سے متعلق تمام جزئیات ذہن نشین کرنا چاہتا تھا۔ وہ خود کو یاد دلائے جا رہا تھا کہ یہ خواب ہے......... محض خواب' اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ جسم بری طرح دکھ رہا تھا۔ بے حد کوشش کے بعد وہ بستر سے اٹھا اور باتھ روم جا کر آئینے میں اپنے عکس کو دیکھا۔ بے خوابی کی تمام علامات اس کے چہرے پر موجود تھیں۔ تنہائی کے مہیب احساس نے اس کے پورے وجود کو جکڑ لیا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا کمرے میں آیا اور لائٹ آن کر دی۔ پھر وہ کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے دل میں شدید خواہش ابھری کہ کاش وہ بھی زرینہ اور تمکین کے ساتھ مر گیا ہوتا۔ اب اس کے پاس بھی رہا کیا ہے۔ خالی گھر' بے معنی روزگار اور تنہائی!

اس کا جی چاہا کہ ریزر سے اپنی کلائیاں کاٹ لے۔ وہ دل ہی دل میں رقعے کا مضمون مرتب کرنے لگا۔ ڈیئر زرینہ اور تمکین۔ جتنی محبت میں تم سے کرتا ہوں' اس کے بعد تمہارے بغیر زندگی میرے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔ تم جہاں کہیں بھی ہو' میں بہت جلد تم سے آملوں گا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ سرگوشی میں ان دونوں کو پکارتا رہا تھا۔ دیر تک وہ سسکتا رہا۔ پھر اس نے سر کو جنبش دی چلو' اچھا ہے۔ دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ اس نے سوچا۔ کل میں ان دونوں کی چیزیں ویلفیئر والوں کو دے دوں گا۔ وہ دونوں بھی یہی چاہتی ہوں گی کہ میں انہیں بھول جاؤں۔ میں مکان بیچ دوں گا اور ایک چھوٹا سا اپارٹمنٹ لے لوں گا اور کام میں مصروف ہو جاؤں گا۔"

☆======☆======☆

صبح دھوپ اس کے کمرے میں در آئی تو اس کی آنکھ کھلی۔ اس کی نظر گھڑی پر پڑی تو وہ حیران رہ گیا۔ چار بج کر بارہ منٹ ہوئے تھے۔ اسے اپنی بصارت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ریڈیو آن کیا۔ کیونکہ وہ خبروں کا وقت تھا لیکن اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اتنی دیر سو سکتا ہے۔ "صبح کے آٹھ بجے ہیں۔ اب آپ خبریں سنئے۔" ریڈیو نے اسے حیران کر دیا۔

وہ اچھل کر بستر سے اترا۔ اسے کام پر جانا تھا۔ اسے نئے سرے سے زندگی کا آغاز کرنا تھا۔ سب سے پہلے اسے زرینہ اور تمکین کی وہ چیزیں الگ کرنا تھیں۔ جنہیں ویلفیئر والوں کو دینا تھا۔ وہ کچن کی طرف آیا۔ پھر وہ بری طرح چونکا۔ اس نے پورے گھر کا جائزہ

لیا۔ گھر میں موجود ہر گھڑی چار بج کر بارہ منٹ پر رکی ہوئی تھی۔

اس کے جسم میں سرد لہر سی دوڑ گئی۔ اس کا دل یوں دھڑک رہا تھا۔ جیسے پسلیاں توڑ کر نکل آئے گا۔ پھر اسے جھٹکا لگا۔ زرینہ کا جہاز چار بج کر بارہ منٹ پر حادثے کا شکار ہوا تھا۔ وہ قریب پڑی کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

پھر بیڈ روم میں آہٹ ہوئی۔ وہ دیوانہ وار لپکا۔ بیڈ روم میں کوئی نہیں تھا۔ وہ ایک ایک کمرے میں جھانکتا پھرا۔ ایک کمرے میں ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا ہوا آئینہ دھیرے دھیرے سرک رہا تھا۔ اس نے جھپٹ کر اسے گرنے سے روکا۔ آئینہ پھسلنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس کا دل پھر بری طرح دھڑکنے لگا۔

اس نے چائے بنائی اور چائے کے گھونٹ پیتے ہوئے پیش آنے والے واقعات کی توجیہہ کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔ اس نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔ ممکن ہے' کوئی جیٹ طیارہ گزرا ہو اور اس کے پیدا کردہ ارتعاش کی وجہ سے آئینہ پھسلا ہو۔ لیکن تمام گھڑیوں کے ایک مخصوص وقت پر بند ہونے کی کیا توجیہہ ممکن ہے۔ اتفاق؟

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ یہ اس کے دماغ کا کرشمہ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ اپنی مایوسی سے لڑ بھی چکا تھا اور جیت بھی چکا تھا۔ وہ فریبِ نظر بھی نہیں تھا۔ گھڑیوں کی سوئیاں تو اب بھی وہیں ٹھہری ہوئی تھیں۔

چائے پینے کے بعد اس نے خالی کارٹن اکٹھے کیے اور زرینہ اور تمکین کی چیزیں ان میں رکھنے میں مصروف ہو گیا۔ اس دوران اس نے بڑی مشکل سے ان چیزوں کے حوالے سے خود کو زرینہ اور تمکین کے بارے میں سوچنے سے باز رکھا۔ اس پیکنگ میں آدھا دن گزر گیا۔ تاہم اس نے جذباتی طور سے خود پر قابو رکھا تھا لیکن تمکین کے ہاتھی نے اس کے ضبط کی دیوار گرا ہی دی۔ اسے وہ ہاتھی اگلے قدموں پر بیٹھ کر کھانے کی بھیک مانگتا محسوس ہوا۔ اس کے حلق میں گولا سا پھنس گیا۔ اپنی سسکیوں پر قابو پانا اس کے لیے ناممکن ہو گیا۔ اپنی آستین سے آنسو پونچھتے ہوئے اس نے ہاتھی کو بھی کارٹن میں ٹھونس دیا۔

وہ بری طرح تھک گیا تھا لیکن یہ سوچ کر کام میں لگا رہا کہ وہ اس وقت ایک رفاہی کام کر رہا تھا۔ یہ چیزیں جانے کتنے مستحق لوگوں کے کام آئیں گی۔ تمام کارٹن پیک کرنے کے بعد اس نے ویلفیئر آفس والوں کو فون کر کے اپنا پتا لکھوایا۔ تاکہ وہ یہ کارٹن

اٹھوالیں۔

اس رات اس نے خوب پی اور پیتے پیتے سو گیا۔ اس بار اسے زرینہ نظر نہ آ
لیکن وہ بار بار چونک کر جاگتا رہا۔ وہ خواب میں تمکین کو سڑکوں پر چلتے ہوئے دیکھتا رہا۔ ا
اسے آسمان پر ایک سفید سا نقطہ نظر آیا۔ نیچے آنے پر پتا چلا کہ کبوتر ہے۔ نیچے آنے
بعد کبوتر اس کے گرد چکر لگاتا رہا اور پھر زمین پر گرا اور ساکت ہو گیا۔ "ڈیڈی یہ تو
گیا۔ مر گیا نا؟" تمکین نے اس سے پوچھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے تمکین
شانے تھپکے۔ "ڈیڈی......... یہ اب کبھی واپس نہیں آئے گا۔ کبھی زندہ نہیں ہو گا؟" ا
نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "نہیں بیٹیا۔ اس کی روح پرندوں کی جنت
ہمیشہ زندہ رہے گی۔ پھر اس نے جھک کر کبوتر کو دیکھا اور حیران رہ گیا۔ کبوتر نہیں......
وہ تو تمکین تھی......... خون میں نہائی ہوئی۔

وہ ہانپتے اور چیختے ہوئے بیدار ہوا۔ جاگنے کے بعد اس نے اپنی چیخوں پر قابو پایا
چند لمحے خاموش لیٹا رہا۔ پھر اس نے کلاک کو دیکھا۔ صبح کے پانچ بجے تھے۔ اب
مناسب نہیں تھا۔ اس نے سوچا' آج کیا کیا جائے۔ آفس جا کر بکھرا ہوا کام سنبھالا جا
کوئی نیا کام شروع کیا جائے۔ کوئی نیا فیچر!

اس نے نہا کر کپڑے بدلے اور کسی ریسٹورنٹ میں ناشتے کا ارادہ کر کے نکل آیا۔
وہ گھر میں کم سے کم وقت گزارنا چاہتا تھا۔

دفتر میں مصروفیت کی وجہ سے کچھ پتا ہی نہ چلا کام ختم ہوا تو گھر جانے کا وقت ہو
تھا۔ وہ جانتا تھا کہ گھر جلدی گیا تو پینے میں مصروف ہو جائے گا۔ اب اسے تینوں وقت کھ
گھر سے باہر ہی کھانا تھا۔ اس نے افسردہ ہو کر سوچا' رات کا کھانا ویسے ہی میں کون سا گھ
کھاتا تھا۔ اب تو گھر میں یادوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

وہ گھر واپس پہنچا تو لان میں رکھے ہوئے کارٹن' جو وہ جاتے ہوئے باہر نکال کر
گیا تھا' اٹھائے جا چکے تھے۔ ویلفیئر والوں نے صبح ہی گاڑی بھیج دی ہو گی۔ اس
پوسٹ بکس چیک کیا۔ اس میں دو خط موجود تھے۔ ایک بمبئی سے آیا تھا......... زرینہ
والدین کی طرف سے' اور دوسرا پیٹر جون کی طرف سے۔ اس نے پیٹر کا خط کھولا۔ پیٹر
اس کی بیوی اور بچی کی موت پر دلی افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اسے ملاقات
درخواست کی تھی۔ فاروق نے سر جھٹکا۔ پیٹر جون اور ٹام ہنری کے مجوزہ مناظرے کا ا

خیال ہی نہیں رہا تھا۔ اس نے سوچا' یہ وہ کام ثابت ہو سکتا ہے' جو میری توجہ زرینہ اور تمکین کے غم سے ہٹا سکے گا۔

دونوں خط جیب میں ڈال کر وہ گھر میں داخل ہوا۔ گھر میں اندھیرا تھا اور غیر فطری خالی پن کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے لائے ہوئے تھیلے میں سے شراب کی بوتل نکالی اور برف کے لیے فریج کی طرف بڑھا۔ پھر وہ یوں ساکت ہوا جیسے اسے کرنٹ لگا ہو۔ تمکین کی کرسی پر اس کا بھس والا ہاتھی بیٹھا تھا۔



فاروق صورتِ حال سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔ پانچ منٹ میں وہ تین جام حلق سے اتار چکا تھا۔ اسے خوب یاد تھا کہ اس نے تمکین کے ہاتھی کو کارٹن میں ٹھونس دیا تھا۔ پھر وہ کیسے اندر آیا؟ مگر اس عرصے میں وہ پیتا بھی تو رہا تھا لیکن صبح تو اس نے نہیں پی تھی اور صبح ہاتھی گھر میں موجود نہیں تھا۔ تھک ہار کر اس نے خود کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ اس کی یادداشت دھوکا دے رہی ہے۔ یا پھر کوئی اس کے ساتھ کوئی بے رحم کھیل کھیل رہا ہے۔ مگر کون؟ اس نے سوچا' اسے کسی سائیکاٹرسٹ یا کم از کم ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہیے۔ مگر یہ بھی نہیں کہ اسے اپنے ہوش و حواس کی سلامتی پر کوئی شک ہو۔

اس نے اب تک جو کچھ دیکھا تھا' اسے ذہن میں ترتیب دیا۔ سب سے پہلے تو اس نے حادثے کے وقت زرینہ کو نمودار ہوتے دیکھا تھا۔ اسے وہ ذکھ کی کارگزاری قرار نہیں دے سکتا تھا۔ کیونکہ اس وقت تک اسے حادثے کا علم نہیں تھا۔ پھر دوسری بار وہ کافور کی بُو کے ساتھ نظر آئی۔ پھر تمام گھڑیاں چار بج کر بارہ منٹ پر بند نظر آئیں۔ اس نے آئینے کو ڈریسنگ ٹیبل پر پھسلتے دیکھا جبکہ اس نے کسی جہاز کے گزرنے کی آواز بھی نہیں سنی تھی بلکہ حقیقت تو یہ تھی کہ صبح کے وقت اس طرف سے جہاز کبھی نہیں گزرے تھے۔

اس نے چہرہ اوپر اٹھایا اور سختی سے آنکھیں بھینچ لیں۔ اس نے سوچا' پچھلے کچھ عرصے سے وہ روح کے چکر میں دلچسپی لے رہا ہے۔ ایسے میں اس کا ذہن کوئی بھی کرشمہ دکھا سکتا ہے۔ شروع میں جب اس نے مختلف امراض پر فیچر لکھے تھے۔ تو وہ خود کو ان امراض میں مبتلا محسوس کرنے لگا تھا۔ ممکن ہے' یہی بات ہو۔ مگر.........

یہ سوچتے سوچتے ہی وہ سو گیا.........

☆======☆======☆

بڑا جیٹ طیارہ رن وے پر دوڑ رہا تھا۔ اس نے زمین چھوڑی اور افق کی طرف بلند ہوتا گیا۔ پھر اچانک اس کی آواز رُکی اور وہ خون اور گوشت کے لوتھڑوں سے نہا گیا۔

فاروق جاگا تو اس کا جسم پسینے میں نہلایا ہوا تھا۔ بیڈ کے نیچے شراب کی وہ بوتل پڑی

تھی' جو رات اس نے خالی کر دی تھی۔ وہ سر جھٹکتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔ کچھ دیر وہ بیٹھا سامنے والی دیوار کو دیکھتا رہا۔ وہ خواب اسے پریشان کر رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ کیا یادوں کا کوئی انت نہیں ہوتا۔

کمرے میں ہلکی روشنی تھی۔ مگر اسے تاریک گوشے میں فرش پر روشنی کا ایک دائرہ تھرکتا نظر آیا۔ چند لمحے بعد دائرہ کچھ بڑا ہوگیا۔ وہ دیوار تک پہنچا اور اس نے ایک سر اور کندھوں کی شبیہہ اختیار کرلی۔ شبیہہ کا چہرہ تاریک تھا۔ اس کے باوجود وہ زرینہ کی مماثلت پہچان گیا۔ وہ اٹھا اور لڑکھڑاتے قدموں سے روشن دائرے کی طرف بڑھا۔ دائرہ متحرک ہوا اور دروازے کے قریب پہنچ کر غائب ہوگیا۔ فاروق خود کو یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ اس کے شراب زدہ ذہن کا کرشمہ ہے۔

اس نے دروازہ کھول کر باہر سڑک کی سمت دیکھا۔ روشنی کا دائرہ لان میں تھرک رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ اسے کہیں لے جانا چاہتا ہے۔ فاروق اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ فضا کہر میں لپٹی ہوئی تھی۔ اوورہیڈ برج بہت دھندلا دکھائی دے رہا تھا۔ روشن دائرہ برج کی سیڑھیاں پھلانگتا رہا۔ فاروق اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ دائرے کی وجہ سے اسے سیڑھیاں نظر آرہی تھیں۔ وہ دائرہ کہر کے سینے میں کسی روشن شگاف کی طرح تھا۔ فاروق نے اچھل کر دائرے کو پکڑنے کی کوشش کی۔ اگر اس کے ہاتھ میں ریلنگ کا بالائی حصہ نہ آگیا ہوتا تو وہ نیچے جاگرتا۔ وہ پاؤں جھلاتا برج پر واپس آنے کی کوشش کرتا رہا۔ بڑی جدوجہد کے بعد وہ خود کو ریلنگ کی محفوظ سمت لانے میں کامیاب ہوا۔

نیچے اتر کر اس نے اطمینان کی سانس لی۔ زرینہ کی شبیہہ والا روشن دائرہ اب غائب ہوچکا تھا۔ وہ گھر کی طرف چل دیا۔ اب وہ خود کو پوری طرح بیدار محسوس کر رہا تھا۔ نشہ بھی پوری طرح اُتر چکا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ زرینہ کی شبیہہ نے اُسے قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ ورنہ اسے اتنی دور لے جانے کا کیا سبب ہوسکتا تھا۔ شاید وہ اسے بھی وہیں بلالینا چاہتی تھی' جہاں وہ اور تمکین تھیں۔ اس نے ان خیالات سے چھٹکارا پانے کے لیے بھاگنا شروع کردیا۔ مگر اُسے احساس بھی نہیں ہوا کہ اس نے بلاارادہ اپنی سمت تبدیل کردی ہے۔ وہ تو اس وقت چونکا' جب اس قبرستان کے گیٹ پر پہنچا جہاں زرینہ اور تمکین کو دفن کیا گیا تھا۔

وہ ایک دوسرے کے پہلو میں بنی بڑی اور چھوٹی قبر تک پہنچا۔ قبروں کو دیکھنے کے

بعد وہ خود پر قابو نہ رکھ سکا اور بُری طرح سسکنے لگا' بچوں کی طرح۔ پھر اس نے بکھری ہوئی مٹی کو سمیٹ کر قبر تک پہنچایا' جیسے ہر وہ رخنہ بند کرنے کا خواہاں ہو' جس سے قبر کے مکین کے نکلنے کا امکان ہو۔ پھر وہ اٹھا اور اس نے چھوٹی قبر سے خطاب کیا۔ "تمکین بیٹا........... میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ میں اپنی بیٹی کی قبر دیکھوں گا۔ ہوتا تو یوں ہے کہ چھوٹے بڑوں کی قبروں کو مٹی دیتے ہیں لیکن........... کیا کروں..........." وہ زرینہ کی قبر کی طرف مڑا۔ "زرینہ........... مجھے افسوس ہے کہ یہ سب کچھ یوں ہونا تھا۔ کاش........... تم دونوں کی جگہ میں ہوتا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں لیکن اگر تم میرا ساتھ چاہتی ہو تو ابھی........... اسی وقت مجھے اپنی دنیا میں لے چلو۔ ورنہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ مجھے اذیت نہ دو۔" اتنا کہہ کر اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ پھر اس نے آنکھیں کھولیں اور دونوں قبروں کے درمیان بیٹھ کر گویا دونوں کو اپنے پہلوؤں سے لگالیا۔ "مجھے لے چلو۔ مجھے موت دے دو۔" اس نے گڑگڑا کر کہا۔

اسے فضا میں اپنی آواز کی بازگشت سنائی دی۔ پھر ایک اُلو چیخا۔

☆======☆======☆

"فاروق صاحب! آپ ایک بہت بڑے جذباتی صدمے سے گزرے ہیں۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "مزید پیچیدگی آپ کے احساسِ جرم کی وجہ سے ہے۔ آپ خود کو اپنی بیوی اور بچی کی موت کا ذمے دار سمجھتے ہیں۔ ان خوابوں اور نظر فریبیوں کا یہ سبب ہے۔"

"لیکن گھر کی مادی تبدیلیوں کی آپ کیا توجیہہ کریں گے؟" فاروق نے اعتراض کیا۔ وہ ڈاکٹر کو پہلے ہی سب کچھ بتا چکا تھا۔

ڈاکٹر دیر تک خاموش رہا' جیسے اس کے پاس اس کا کوئی جواب نہ ہو۔ "فاروق صاحب' اس صدمے نے آپ کے ذہن پر بہت بُرا اثر ڈالا ہے۔ آپ خود کو سزا دینے کے لیے خود ہی تبدیلیاں کر رہے ہیں۔ ہاتھی کو آپ نے ہی کارٹن سے نکال کر گھر میں اپنی بچی کی کرسی پر بٹھایا۔ گھڑیاں آپ ہی نے ساکت کیں۔ یہ سب آپ کے لاشعور کا کرشمہ ہے۔ میں آپ کو بتادوں۔ آپ کو کسی سائیکاٹرسٹ سے ملنے کی ضرورت نہیں۔ آپ صرف حقائق کا سامنا کرنے' انھیں قبول کرنے کی کوشش کیجئے۔ بات یہ بھی ہے کہ آپ کی بیوی اور بیٹی کی لاشیں قابلِ شناخت نہیں تھیں۔ اسی لیے آپ ان کی موت کو ذہنی طور پر قبول نہیں کر پارہے ہیں۔ اسے قبول کرلیجئے اور اپنے دکھ کو آنسوؤں سے دھو

ڈالیے۔"

"خدا جانتا ہے' میں بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رویا ہوں ڈاکٹر۔ ان کی موت کے بعد میں نے اور کیا ہی کیا ہے۔" فاروق نے بے بسی سے کہا۔

ڈاکٹر نے نسخہ لکھ کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ "فاروق صاحب آپ ان حقائق کا سامنا کر رہے ہیں' جنھیں قبول کرنا آپ کے لیے ممکن نہیں۔ ایسے میں دماغ تو کرتب دکھائے گا ہی۔ میں آپ کو بتادوں' آپ تیزی سے نروس بریک ڈاؤن کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اس قسم کی صورتِ حال میں ہر شخص کا یہی حشر ہوگا۔ بہرحال آپ جوان آدمی ہیں۔ انجوائے کیجئے۔ زندگی بار بار نہیں ملتی۔ میں آپ کو نیند کی گولیاں تجویز کر رہا ہوں۔ ذہنی اور جسمانی صحت کے لیے ایک اچھی نیند ضروری ہے۔"

فاروق نے دل ہی دل میں سوچا کہ وہ ان دونوں پر تکیہ نہیں کرے گا۔ غم کا سب سے اچھا علاج مصروفیت ہے۔ اب اسے بھاسکر شو کے مناظرے کے لیے کام کرنا تھا۔

☆======☆======☆

دلیپ بھاسکر کو وہ آئیڈیا بہت پسند آیا۔ وہ اس سلسلے میں کئی فیچر پڑھ چکا تھا اور جانتا تھا کہ مناظرہ اس کی اور اس کے شو کی مقبولیت میں بے حد اضافہ کر سکتا ہے۔ اس نے فاروق کا شکریہ ادا کیا اور پروگرام کے لیے تاریخ بھی دے دی۔ بھاسکر شو لائیو دکھایا جاتا تھا۔

پروگرام شام کو پیش ہونا تھا۔ اس اعتبار سے یہ ضروری تھا کہ اگلے روز کی اشاعت کے لیے اس کی جگہ مخصوص کی جائے۔ پروگرام ختم ہونے کے بعد اس پر فیچر لکھنے میں وقت لگتا۔ جبکہ اخبار کا فیچر والا حصہ رات نو دس بجے چھپنے کے لیے چلا جاتا تھا۔ وہ فیچر فاروق کے لیے حوصلے کا امتحان بھی تھا۔ اسے اس مسئلے پر لکھنا تھا' جو اس کا اپنا مسئلہ بھی تھا اور اندر ہی اندر اسے چاٹے ڈال رہا تھا۔ وہ خود ذاتی طور پر موت کے بعد کی زندگی پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ اب تک روح کے وجود اور انسان کی ابدیت کے سلسلے میں کوئی ثبوت بھی تو پیش نہیں کیا جا سکا تھا۔ مگر اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ ایسی قوتیں بھی موجود ہیں جن کی انسانی عقل کوئی توجیہہ نہیں کر سکتی۔ اس کا اپنا مزاج ایسا تھا کہ وہ جن چیزوں کی وضاحت نہ کر پاتا' انھیں نظرانداز کبھی نہیں کرتا تھا۔ نہ ہی وہ ایسے واقعات کی نفی کرنے کا قائل تھا۔ بہرحال' اس نے مکان فروخت کرنے کی کوشش شروع کردی تھی اور

آفس کے قریب کسی چھوٹے سے اپارٹمنٹ کی تلاش میں تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس مناظرے کے ساتھ ہی وہ از سرِ نو زندگی شروع کر سکے گا۔

☆======☆======☆

مناظرے والے روز ٹی وی کے باہر بڑی تعداد میں لوگ مظاہرہ کر رہے تھے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں۔ ہاتھوں میں پلے کارڈ تھے اور لبوں پر نعرے۔ وہ سب ٹام ہنری نامی دہریے کی مذمت کر رہے تھے۔ ٹام ہنری آیا تو نعرے بازی اور بڑھ گئی۔ مگر ٹام بڑی بے نیازی سے ٹی وی اسٹیشن کے گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

اسٹوڈیو میں خاصی گرمی تھی۔ کیمرے اپنی جگہ سیٹ تھے۔ کیمرا مین جائزہ لینے میں مصروف تھے۔ پروگرام پروڈیوسر ہدایات دیتا پھر رہا تھا۔ لائیو پروگرام بڑی ذمے داری ہوتا ہے۔

اسٹوڈیو ہال نما تھا۔ اس میں خاصی تعداد میں مہمان سما سکتے تھے۔ فاروق سامنے والی قطار میں بیٹھا تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور مسکرا دیا۔ ہال پیک ہو چکا تھا۔ اسی قطار میں پادری جوزف گِل بھی موجود تھا۔

دلیپ بھاسکر بوتھ سے نکلا۔ اس نے حاضرین کی تالیوں کے جواب میں ہاتھ لہرایا۔ اسی وقت ٹام ہنری، فاروق کی طرف بڑھا۔ "ایک بری خبر ہے۔" اس نے سرگوشی میں کہا۔ "ابھی کچھ دیر پہلے کسی نے فون پر کہا کہ مجھے مذہب کے خلاف بولنے کا کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے ایسا کیا تو رات نو بجے اسی اسٹوڈیو میں بم کا دھماکہ ہوگا۔"

"تم نے پولیس کو مطلع تو نہیں کیا؟" فاروق نے پُرتشویش لہجے میں پوچھا۔ ٹام نے نفی میں سر ہلایا۔ فاروق چند لمحے سوچتا رہا۔ پولیس کی مداخلت کی صورت میں پروگرام میں تاخیر ہوگی۔ وہ پورا اسٹوڈیو چھان ماریں گے، کچھ عجب نہیں کہ شو ملتوی ہی ہو جائے۔ یوں دوسرے اخبارات کو موقع مل جائے گا۔ وہ اپنی فوقیت گنوا بیٹھے گا۔ اس نے ٹام سے کہا۔

"پولیس کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ ایسی دھمکیاں تو لوگ دیتے ہی رہتے ہیں۔"

ٹام ہنری نے کندھے جھٹک دیئے اور اسٹیج کی طرف بڑھ گیا۔ پیٹر جون پہلے ہی اسٹیج پر پہنچ چکا تھا۔

ٹام ہنری، پیٹر جون اور دلیپ بھاسکر پروگرام شروع ہونے کا اشارہ ملنے کے منتظر تھے۔ پھر پروڈیوسر نے انگلی اٹھا کر پروگرام شروع ہونے کا اشارہ دیا۔ دلیپ بھاسکر نے

حاضرین سے اپنے دونوں مہمانوں کا تعارف کرایا، موضوع کا پس منظر بتایا اور مناظرے کے ضابطے سمجھائے۔ "دونوں حضرات کو پانچ پانچ منٹ دیئے جائیں گے۔ جوابی دلائل کے لیے مزید دو منٹ دیئے جائیں گے۔ پھر سوالوں کا وقفہ ہوگا۔" یہ کہہ کر وہ ٹام ہنری کی طرف متوجہ ہوا۔ "اب ہم پروگرام شروع کرتے ہیں۔"

ٹام ہنری آگے جھک آیا۔ اس نے پٹی والا ہاتھ آگے بڑھا لیا تاکہ نمایاں رہے۔ فاروق حیران ہوا کیونکہ پٹی پہلے کے مقابلے میں زیادہ بڑی ہو گئی تھی۔ شاید اس طرح ٹام لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ پہلے مسٹر پیٹر جون کو موقع دیا جائے۔" ٹام ہنری نے کہا۔ "دلائل انھیں دینے دیجیے۔ میں انھیں غیر مؤثر ثابت کروں گا۔"

حاضرین نے پیٹر جون کی حوصلہ افزائی کے لیے بے حد گرم جوشی سے تالیاں بجائیں۔ پیٹر جون نے تشکر کے طور پر ہاتھ لہرایا۔ خاموشی ہونے کے بعد اس نے بولنا شروع کیا۔ "انسان کے لیے اہم ترین سوال یہ ہے کہ مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے؟ سوال یہ ہے کہ کیا انسان کو مرنے کے بعد زندگی ملتی ہے؟ آغاز تاریخ کے زمانے ہی سے یہ شواہد ملتے ہیں کہ انسان کو یقین تھا کہ قبر انسانی شخصیت کا خاتمہ نہیں کرتی........"

"مجھے اعتراض ہے۔" ٹام ہنری نے چیخ کر کہا۔ "ایسی کوئی شہادت موجود نہیں کہ آدمی موت کے بعد پھر زندہ ہوتا ہے۔"

دلیپ بھاسکر نروس نظر آنے لگا۔ پھر اس نے ٹام سے کہا۔ "پلیز........ توجہ سے سنیں۔ مسٹر پیٹر نے یہ نہیں کہا۔"

"تو کیا کہا ہے انھوں نے؟"

دلیپ بھاسکر چند لمحے سوچتا رہا، پھر پیٹر کی طرف مڑا۔ "آپ نے کیا کہا تھا جناب؟"

"میں نے کہا تھا، میرے خیال میں اس امر کی شہادتیں موجود ہیں کہ انسان بہت پہلے سے حیات بعد الموت پر یقین رکھتا ہے۔"

"ہاں........ یہ بیان کچھ بہتر ہے۔" ٹام نے تنبیہی انداز میں کہا۔

"بہتر کا کیا مطلب؟ میں نے تو پہلے بھی یہی کہا تھا۔"

"پلیز........ آپ لوگ اس طرح نہ الجھیں۔" دلیپ بھاسکر نے مداخلت کی۔

"تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ زمانہ قدیم کا انسان بھی موت کے بعد کی زندگی کے خیال کا

اسیر تھا۔" پیٹر جون نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "آج بھی کروڑوں انسان روح اور اس کی دائمی بقا پر یقین رکھتے ہیں۔ ہم روحانیت پرست یقین رکھتے ہیں کہ روزمرہ زندگی میں پیش آنے والی ناقابل توجیہہ باتیں حیات بعد الموت کا ثبوت ہیں۔ ہمارے خیال میں موت ایک بند گلی نہیں خوشیوں کا راستہ ہے، جس پر چل کر ہم مسیح اور خدا تک پہنچتے ہیں۔"

ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ فاروق نے دیوار گیر کلاک پر نظر ڈالی۔ آٹھ بج کر بیس منٹ ہوئے تھے۔ فاروق جانتا تھا کہ دھماکا کتنا ہی ہلکا ہو، ہال میں ہونے والی بھگدڑ مہلک ثابت ہوگی۔ ایک لمحے کو اس کا جی چاہا کہ اٹھ کر چیخے۔ اٹھو۔ باہر نکل جاؤ۔ یہاں بم پھٹنے والا ہے لیکن اس نے فوراً ہی خود پر قابو پالیا۔ ٹام ہنری کی بلند آواز اور برہم لہجے نے اسے چونکا دیا۔ "سوال یہ ہے کہ انسان روح رکھتا ہے یا نہیں؟ پھر اس سوال کے عقب سے ایک اور سوال جھانکتا ہے۔ کیا خدا موجود ہے؟ میں دونوں سوالوں کا جواب نفی میں دیتا ہوں۔ تاہم میں اپنے دلائل صرف عقیدہ ابدیت کی نفی کے سلسلے میں دوں گا۔ روحانیت پسندی جب اور جس شکل میں بھی ابھری ہے، سائنس نے اسے رد کیا ہے۔ روحانیت پرستی تھکے ہوئے مایوس لوگوں کے لیے آخری علاج کی حیثیت رکھتی ہے۔ مگر درحقیقت علاج نہیں ہے۔ اس کے ماننے والے موت کو تسلیم نہیں کرتے۔ مُردے کو مُردہ نہیں مانتے۔ مسٹر پیٹر جون نے کہا کہ انسان بہت پہلے سے شاندار اور ابدی مستقبل پر یقین رکھتا آیا ہے۔ اگر یہ درست ہے تو انسان موت سے کیوں خوف زدہ رہا ہے؟ اس کے جسم کو بڑھاپے کی...... یا کسی مہلک مرض کی دیمک چاٹ جاتی ہے، تب بھی وہ زندگی سے کیوں چمٹا رہنا چاہتا ہے؟" یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں اس کیوں کا جواب دیتا ہوں۔ اس لیے کہ وہ درحقیقت ابدی زندگی پر یقین نہیں رکھتا۔ وہ صرف اس کی امید رکھتا ہے جب بھی سائنس نے حیات بعد الموت کے سلسلے میں کوئی تحقیقی قدم اٹھایا، روحانیت پسندوں نے اس کی راہ میں روڑے اٹکائے، اس لیے کہ اپنے اندر...... بہت اندر، گہرائی میں وہ جانتے ہیں کہ یہ بے بنیاد عقیدہ ہے۔"

دلیپ بھاسکر نے پاکٹ واچ دیکھتے ہوئے وقت ختم ہونے کا اشارہ کیا۔ اب پیٹر جون کی باری تھی۔ پیٹر بری طرح کھانس رہا تھا۔ اس نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔ "آپ غلطی پر ہیں مسٹر ٹام ہنری۔ ہم نے تو حیات بعد الموت کی تحقیق کے سلسلے میں ہمیشہ سائنس کی پشت پناہی کی اس کے ساتھ تعاون کیا۔ یہ سوچنا بھی ممکن نظر نہیں آتا کہ زندگی کو موت

ختم کرسکتی ہے۔ زندگی ایک مقدس شعلہ ہے، توانائی ہے، وہ یقیناً کہیں اور نمودار ہوگا۔ آپ انکار کرسکتے ہیں اس سائنسی حقیقت سے کہ توانائی کو فنا نہیں، وہ محض روپ بدلتی رہتی ہے اور اس توانائی کو، جو ذہن میں، جسم میں ہوتی ہے، ہم روح کہتے ہیں۔"

ہنری نے قہقہہ لگایا۔ "ان بیمار دلائل سے کام نہیں چلے گا۔ یہ سچ ہے کہ توانائی کبھی فنا نہیں ہوتی لیکن مسٹر پیٹر جون بھول رہے ہیں کہ توانائی اپنی شکلیں یکسر تبدیل کرلیتی ہے اور میں اسے روح نہیں سمجھ سکتا۔ اب مسٹر پیٹر سے...... اور حاضرین سے پوچھتا ہوں۔ آپ میں سے کسی نے کبھی روح کو دیکھا ہے؟"

خاموشی چھاگئی۔ پھر اس میں قہقہے اور توہین آمیز نعرے ابھرے۔ پیٹر جون کی آنکھوں سے غیر معمولی چمک ابھری۔ "مسٹر ہنری یا کوئی اور یہ بھی ثابت نہیں کرسکتا کہ روح نہیں ہوتی اور روحوں اور آسیب کے ان گنت واقعات......"

"اب یہ بھوت پریت کی باتیں کریں گے......" ٹام ہنری نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

پیٹر جون نے اپنی پیشانی اور بھوؤں سے پسینہ پونچھا۔ وہ یوں آگے کو جھکا، جیسے کوئی اہم بات کہنے والا ہو۔ اس کا چہرہ یوں چیخ رہا تھا، جیسے کسی اترے ہوئے آئینے کا عکس۔ "یہاں گرمی بہت ہے، کوئی کھڑکی نہیں کھولی جاسکتی؟"

دلیپ بھاسکر کیمرا مین کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرایا۔ پھر اسے خیال آیا کہ پروگرام آن ائیر ہے۔ وہ حاضرین کی طرف متوجہ ہوگیا۔ چند لمحے سکوت رہا۔ کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ پھر حاضرین میں سے ایک شخص...... اور اس کی پیروی کرتے ہوئے کئی افراد اٹھے۔ انھوں نے کھڑکیاں کھولنے کی کوشش کی لیکن کامیاب کوئی بھی نہیں ہوا۔ "یہ نہیں کھل سکتیں۔" ایک نے کہا۔ اس کا چہرہ زور لگانے کی وجہ سے تمتما رہا تھا۔ اتنے لوگوں کی موجودگی میں بولنے کے احساس نے اسے نروس بھی کردیا تھا۔

اس مداخلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فاروق نے کلاک کی طرف دیکھا۔ پونے نو بجے تھے۔ اس نے بم پھٹنے کا تصور کیا۔ دیواروں میں سوراخ ہوگئے تھے، جن سے سرد ہوا اندر آگئی تھی۔ ہر طرف گوشت، خون اور ہڈیوں کی بارش ہورہی تھی۔ جابجا کٹے ہوئے اعضا بکھرے ہوئے تھے۔ چیخیں اور سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ پھر خاموشی چھاگئی۔ کچھ دیر بعد اس خاموشی کو سائرن کی آوازوں نے توڑا۔

اب پہلی بار اسے خیال آیا کہ ٹھیک نو بجے کا مطلب ٹائم بم ہی ہو سکتا ہے اور کلاک کے اندر ٹائم بم نصب کرنا کتنا آسان ہے لیکن فون کر کے یہ بتانا کہ نو بجے بم پھٹے گا' اسے بے حد غیر حقیقی اور غیر منطقی لگا۔ اس طرح تو اس نے بم تلاش کر کے ناکارہ بنانے کا موقع فراہم کیا تھا لیکن غیر متوازن ذہن تو کچھ بھی کر سکتا ہے۔ اسے منطق سے کیا غرض......؟

پیٹر نے کھڑکیاں کھولنے کی کوشش کرنے والوں کا شکریہ ادا کیا اور سلسلہ کلام جوڑا۔ "آسیب ایک ایسا معما ہے' جسے انسان آج تک حل نہیں کر سکا۔ اسی لیے اس سے خوف زدہ رہتا ہے۔ جہاں کہیں کوئی متشددانہ موت واقع ہوئی' وہاں آسیب ضرور ہوتا ہے۔"

دلیپ بھاسکر نے سر کی جنبش سے ٹام ہنری کو بولنے کا اشارہ کیا۔

"اس دلیل کی رو سے تو ساٹھ لاکھ یہودیوں کی روحوں کو ابھی تک نازیوں سے نبرد آزما ہونا چاہیے۔" ٹام نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

پیٹر جون نے جگ سے گلاس میں پانی انڈیلا اور غٹاغٹ پی گیا۔ اس کی آنکھیں سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ "اس سلسلے میں روحانیت پر کام کرنے والے محققین بہت کچھ لکھ اور کہہ چکے ہیں۔ اسپتالوں اور قتل گاہوں میں آسیب کم ہی دیکھے گئے ہیں۔ اجتماعی قتل اور عام اموات میں یہ بات ہوتی۔ فرد فرد کو قتل کرتا ہے تو وہاں آسیب کا چکر چلتا ہے۔"

"یہ کہاں کی ہانک رہے ہو تم؟" ٹام ہنری جھنجلا گیا۔ "اس گفتگو کا کیا فائدہ؟ اب تم حاضرات کا حوالہ دو گے۔ یہ سب فکشن ہے۔ قائل کرنے کے لیے منطقی گفتگو کی ضرورت ہے۔"

اس بار پیٹر جون کی آواز میں اضطراب تھا۔ "ہمارے پاس شہادتیں موجود ہیں' جو بڑے سے بڑے بے یقین کو قائل کر سکتی ہیں۔" اس نے پھٹی پھٹی آواز میں کہا۔ "اس سلسلے میں سائنسی تجربات کیے جا رہے ہیں۔ ای ایس پی' ٹیلی پیتھی اور ایسے ہی دوسرے علوم سے کیا روح کا وجود ثابت نہیں ہوتا۔"

حاضرین کی تالیوں سے ٹام ہنری کے چہرے پر بدمزگی کا تاثر ابھرا۔ "میں ان نام نہاد تجربات کے بارے میں جانتا ہوں۔ ای ایس پی اور ٹیلی پیتھی کا سبب پیرا نارمل اعصابی توانائی ہے جس کے بارے میں ہم فی الوقت بہت کم جانتے ہیں لیکن اسے بھوتوں سے منسوب کرنا جہالت ہے۔ پچاس سال پہلے ہم بجلی کے بارے میں نہیں جانتے تھے لیکن بجلی

موجود تو تھی۔ یہ الگ بات کہ ہم اس سے بے خبر تھے......... اسے سمجھتے نہیں تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ........"

"آپ کا وقت ختم ہو گیا۔" دلیپ بھاسکر نے اسے ٹوکا۔

"لیکن ابھی میں اپنی بات واضح نہیں کر سکا ہوں۔" ٹام ہنری نے احتجاج کیا۔

"مجھے افسوس ہے۔ اس پروگرام میں ضابطوں کی بڑی اہمیت ہے۔" دلیپ بھاسکر نے کہا اور پیٹر جون سے بولا۔ "اب آپ کی باری ہے۔"

لیکن ٹام ہنری نے اپنی بات جاری رکھی۔ "مسٹر پیٹر نے جن سائنسی تجربات کا حوالہ دیا ہے' ان میں سے بیشتر فراڈ ثابت ہوئے۔ آج دنیا کا کوئی نامور...... معقول اور حقیقی سائنس داں......"

"آپ کا وقت ہو چکا۔" دلیپ بھاسکر نے اس کی بات کاٹ دی۔ حاضرین بھی ٹام ہنری کو ہوٹ کر رہے تھے۔ "اب حاضرین سوال کر سکتے ہیں۔"

پیٹر جون اب اکھڑی اکھڑی سانسیں لے رہا تھا۔ ایک نوجوان نے اس سے پوچھا۔ "بارہا ایسا ہو چکا ہے کہ ایک شخص کو مُردہ قرار دے دیا گیا۔ مگر کچھ ہی دیر بعد وہ پھر جی اٹھا۔ تو کیا آپ کے خیال میں روح جسم سے جدا ہونے کے بعد دوبارہ بھی جسم میں واپس آسکتی ہے؟"

فاروق نے دیکھا' پادری جوزف گل اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر تشویش کے سائے لہرا رہے تھے۔ وہ پیٹر جون کی بگڑتی ہوئی حالت کی طرف سے فکر مند تھا۔ "اس سوال کا جواب دینے کی اجازت چاہتا ہوں۔" اس نے کہا۔ "اسی وجہ سے تو ہم موت اور تدفین کے درمیان مناسب وقفہ چاہتے ہیں تاکہ یقین ہو جائے کہ روح ہمیشہ کے لیے جسم سے جدا ہو چکی ہے۔ سائنس یہی بات مختلف انداز میں کہتی ہے۔ جسم میں رُونما ہونے والی تبدیلیاں ظاہر کرتی ہیں کہ روح جسم کو چھوڑ رہی ہے۔ آپ کسی مرتے ہوئے آدمی کو...... اس کے جسم کو دیکھیں۔ اس کی شخصیت' اس کا جسم کیسے تبدیل ہوتا ہے۔ صاف نظر آتا ہے کہ جسم سے روح کا لباس دھیرے دھیرے اتر رہا ہے۔"

"اس پر کوئی تبصرہ مسٹر ہنری؟" دلیپ بھاسکر' ٹام ہنری سے مخاطب ہوا۔

"جی ہاں۔ یہ اس طرح تدفین کا کام کرنے والے اداروں کے لیے لوگوں کو انتظار کے بہانے لوٹنے کا عذر فراہم کر رہے ہیں۔" ٹام ہنری نے کہا۔

اس پر حاضرین نے احتجاجی شور مچایا۔ دوبارہ خاموشی ہوئی تو پیٹر جون گویا ہوا۔ ”مسٹر ٹام ہنری، تم لالچی اور بدمعاش ہو۔“ یہ کہہ کر وہ کھڑا ہوا اور لڑکھڑاتا ہوا اسٹیج کے درمیان تک آیا۔ وہاں پہنچ کر وہ رکا۔ اس کی ٹانگوں کی لرزش بے حد نمایاں تھی۔ اس نے دھیرے دھیرے اپنے ہاتھ یوں آگے بڑھائے، جیسے سمندر کی بپھری ہوئی موجوں کو بڑھنے سے روک رہا ہو۔ پھر اس نے سر جھکاتے ہوئے گونج دار آواز میں کہا۔ ”میں حیات بعد الموت کے سلسلے میں وہ ثبوت کررہا ہوں جسے مسٹر ٹام ہنری، تم سمیت کوئی دہریہ بھی نہیں جھٹلا سکے گا۔ سنو......... میں.......“

اس سے آگے وہ کچھ کہہ نہ سکا اور اسٹیج پر ڈھیر ہوگیا۔

بیشتر حاضرین کے حلق سے بیک وقت ہلکی سی چیخیں نکلیں۔ پھر سب گنگ ہو کر رہ گئے۔ ہال پر سناٹا طاری ہوگیا۔ پھر لوگ اٹھے۔ ہر شخص اپنے طور پر کچھ کہہ رہا تھا۔ ایک دوسرے کو ہدایات دی جارہی تھیں۔ فاروق جلدی سے اسٹیج کی طرف لپکا۔ اس نے پیٹر جون کی نبضیں ٹٹولیں۔ مگر وہاں تو موت کا سناٹا تھا۔

”ایمبولینس منگواؤ۔“ دلیپ بھاسکر نے چیخ کر کہا۔ ”حاضرین اور ناظرین! ہمیں افسوس ہے کہ مسٹر پیٹر جون کی طبیعت اچانک ناساز ہوگئی ہے۔ اب پروگرام جاری نہیں رکھا جاسکتا۔ ان کی طبیعت کے بارے میں آپ کو خبروں کے ذریعے معلوم ہوسکے گا۔ اب ہم آپ کو اسٹوڈیو واپس لے چلتے ہیں۔“

فاروق نے پیٹر کی قمیض کے بٹن کھولے اور دل کی دھڑکن محسوس کرنے کی کوشش کی لیکن وہاں بھی سکوت تھا۔ پیٹر جون مرچکا تھا۔ اس کا فربہ جسم موت کے بعد بے حد سکڑا، سمٹا ہوا لگ رہا تھا۔ تاہم زندگی جاتے جاتے آخری لمحوں میں اس کی آنکھوں سے اداسی لے گئی تھی۔ ایک لمحے کو فاروق تھرا کر رہ گیا۔ پھر وہ مجمع کی طرف متوجہ ہوا، جس کے شور سے کان پڑی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ ”خاموش۔“ پادری جوزف گل نے بہ آواز بلند پکارا۔ ”خداوند مسیح کے سپاہی پیٹر جون کی روح اپنے آخری سفر پر روانہ ہو رہی ہے۔“ اتنا کہنے کے بعد وہ ٹام ہنری کی طرف مڑا۔ ”میرے بھائی...... اب بھی وقت ہے۔ مان جاؤ۔“

فاروق نے کلاک پر نظر ڈالی۔ نو بج کر دس منٹ ہوچکے تھے۔ دھماکہ نہیں ہوا تھا۔

☆======☆======☆

فاروق اپنے ڈرائنگ روم میں کرسی پر بکھرا ہوا تھا۔ تھکن صرف جسمانی ہی نہیں، ی بھی تھی۔ وہ پچھلے چند گھنٹوں کے واقعات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ پیٹر جون کی ش ایبولنس میں بھجوانے کے بعد وہ ٹی وی اسٹیشن سے نکل کر اپنے دفتر پہنچا تھا۔ تاکہ پورٹ مکمل کر کے اخبار کی رکی ہوئی آخری کاپی بھجوا سکے۔

راستے میں وہ کسی بار میں رکنا چاہ رہا تھا۔ مگر سردی بہت بڑھ گئی تھی۔ گھر کا آرام ے پکار رہا تھا۔ پینے کا سامان تو گھر پر بھی موجود تھا۔

اب اس وقت بیٹھے بیٹھے اسے بم کی دھمکی کا خیال آیا۔ اسے خود پر حیرت ہوئی کہ ں نے پولیس کو مطلع نہ کر کے کتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ اتنے بہت سے لوگوں کی جان کا طرہ مول لینے کا اسے کوئی حق بھی نہیں تھا۔ اگر زرینہ زندہ ہوتی تو اس غیر ذمے دارانہ رکت پر اسے کچا چبا جاتی لیکن وہ تو مرچکی تھی۔ اس کے وجود میں دکھ کی لہر دوڑ گئی۔ اگر ہ زندہ ہوتی تب بھی وہ یہی کہتا کہ ایک اچھی خبر، ایک زوردار فیچر کے لیے ہر طرح کا طرہ مول لیا جاسکتا ہے۔ اس نے جام کی باقی شراب بھی حلق میں انڈیل لی۔ وہ بھی خود رض تھا۔ وہ کوئی کامل انسان نہیں تھا۔ مگر کون ہے کامل انسان؟ دلیپ بھاسکر ہی کو لے ں۔ بظاہر وہ پیٹر جون کی موت پر کس قدر دکھی ہو رہا تھا لیکن اندر ہی اندر خوش تھا کہ اس اقعے سے اسے اور اس کے پروگرام کو کتنی زیادہ پبلسٹی ملے گی۔

پھر فاروق کو ایک اور بات یاد آئی، جو عجیب سی تھی۔ پیٹر جون کے مرنے کے بعد اس نے ٹی وی مانیٹر پر ٹام ہنری کا چہرہ دیکھا۔ اس کے رخسار پر ایک مکھی منڈلا رہی تھی۔ ہ بار بار اسے اڑاتا اور مکھی دوبارہ اس کے رخسار پر آبیٹھتی۔ وہ کسی طرح اس کا پیچھا ہی نہیں چھوڑ رہی تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ مکھیوں کا موسم نہیں تھا۔ ویسے بھی ٹی ای اسٹیشن کے کسی اسٹوڈیو میں مکھی کی موجودگی معمولی بات نہیں تھی۔

دروازے پر ہونے والی دستک نے اسے چونکا دیا۔ اس نے جاکر دروازہ کھولا۔ دروازے پر پشپا کھڑی تھی۔ اس کا چہرہ سردی سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ فاروق الجھن زدہ نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ ”اندر آجاؤ۔“

”میں نے ٹی وی پر بھاسکر شو دیکھا اور خوف زدہ ہوگئی۔ مجھے عجیب سا احساس ہو رہا ہے۔ ضرور کوئی سنگین گڑبڑ ہے۔“ وہ اندر آگئی۔

فاروق نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ ”روحیں بے چین ہو رہی ہوں گی اور ان کی وجہ سے تمہیں اپنے دل و دماغ پر بوجھ محسوس ہو رہا ہو گا۔“

پشپا نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور موضوع بدل دیا۔ ”میں تمہاری بیوی کی موت کے بعد سے تم سے ملنا چاہ رہی تھی۔“

”کچھ پیو گی؟“ فاروق نے پوچھا۔

پشپا نے نفی میں سر ہلایا‘ پھر اِدھر اُدھر دیکھا اور اچانک کانپنے لگی۔ ”میں محسوس کر رہی ہو......“ وہ کہتے کہتے رکی۔ ”مجھے کسی کی موجودگی کا احساس ہو رہا ہے۔ لہریں تند ہیں۔“

”کیسی باتیں کر رہی ہو؟“

پشپا نے کوئی جواب نہیں دیا اور آنکھیں یوں بند کر لیں‘ جیسے اپنی توجہ مرتکز کرنا چاہ رہی ہو۔ اس کی بھویں تن گئی تھیں اور وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ اس نے منہ بنا کر کہا۔ ”ہاں...... کسی غیر مرئی وجود کی لہریں بہت تند اور شدید ہیں۔“

”یہ کیا بکواس ہے؟“ فاروق چڑ گیا۔

پشپا نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں‘ جیسے گہری نیند سے بیدار ہو رہی ہو۔ ”چھوڑو اس بات کو۔“ اس نے سرد آہ بھرتے ہوئے سرگوشی میں کہا۔ پھر اس نے دوبارہ گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ ”جب میں تم سے پہلی بار ملی تھی‘ میں نے تبھی جان لیا تھا کہ تمہاری بیوی اور بچی فضائی حادثے کا شکار ہوں گی۔“ خاصے توقف کے بعد اس نے کہا۔

فاروق نے زور دار قہقہہ لگایا اور بے رحمی سے بولا۔ ”تم بہت اچھی عورت ہو۔ اگر ایسا ہے تو تمہیں مجھ کو خبردار کر دینا چاہیے تھا۔ میں انہیں جہاز سے آنے ہی نہ دیتا۔ مگر تم مجھے خبردار کیسے کرتیں؟ تمہیں پہلے کچھ نظر نہیں آیا تھا اخبار میں خبر پڑھنے کے بعد تم نے سوچا کہ رعب کیوں نہ جمایا جائے......“

”بھگوان کی سوگند‘ میں سچ کہہ رہی ہوں۔“ پشپا نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”لیکن میں جانتی تھی کہ تم میری بات پر یقین نہیں کرو گے۔ تم تو نئے دور کے انسان ہو۔ صرف عقل اور منطق کی سنتے ہو۔“

فاروق نے دونوں آنکھیں بند کر لیں اور انھیں انگلی سے سہلانے لگا۔ پھر اس نے آنکھیں کھولیں اور سر جھٹکتے ہوئے بولا۔ ”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس بات پر یقین

کروں۔ میں نے بھی کچھ دیکھا تھا اور جو کچھ دیکھا تھا‘ وہ حادثے کے وقت دیکھا تھا۔ پتا نہیں‘ دیکھا بھی تھا یا وہ میرا وہم تھا۔“ اس نے پھر قہقہہ لگایا۔ ”لیکن میں فریب نظر کو فریب نظر ہی سمجھنے کا قائل ہوں۔“

”بحران میں شکتی والی آتماؤں کے ساتھ ایسے واقعات پیش آتے ہیں۔“ پشپا نے سر ہلا کر کہا۔ ”جب کوئی بہت پیارا شخص کسی جان لیوا صورتِ حال سے دوچار ہو تو ایسا ہوتا ہے۔“ پھر اس نے فاروق سے تفصیل پوچھی۔ فاروق نے سب کچھ بتا دیا۔ مگر اسی دوران وہ خود اپنے تجربے کا مذاق اڑاتا رہا۔ اس نے پشپا کو ہاتھی اور گھڑیوں والے واقعات کے متعلق بھی بتایا۔ وہ بڑی توجہ سے سنتی رہی۔ مگر اس کی نظریں کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ فاروق کے خاموش ہونے کے بعد وہ دھیمی آواز میں بولی۔ ”دیکھو فاروق...... زرینہ تم سے رابطے کی کوشش کر رہی ہے لیکن تم اپنے طور پر اس چکر میں نہ پڑنا۔ یہ بے حد خطرناک کام ہے۔ تمہیں ایک میڈیم کی ضرورت ہے۔“

”خطرناک؟“ فاروق نے قہقہہ لگاتے ہوئے پوچھا۔ مگر اس بار اس کا قہقہہ اعتماد کی کمی کی چغلی کھا رہا تھا۔

”تم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ کس قسم کے خطرات پیش آ سکتے ہیں۔ تمہارا واسطہ کسی بدروح سے بھی پڑ سکتا ہے۔ درست رابطہ اسی شخص کے ذریعے ممکن ہے‘ جو سائیکک ہو۔“

”یہ کام تو تم بھی کر سکتی ہو۔“

پشپا نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ”نہیں...... اب یہ میرے لیے ممکن نہیں۔“

”تو کسی اور سے بات کرو۔“ فاروق نے مزاحیہ لہجے میں کہا۔ وہ اپنی گھبراہٹ مذاق کے پردے چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ”اس طرح معاوضے میں کچھ رعایت بھی ہو سکے گی اور اب تو میں بھی روح دیکھ چکا ہوں۔ کیوں نہ یہ دھندا ہی شروع کر دوں۔ خیر چھوڑو۔“ یہ کہہ کر اس نے پشپا کو اپنی طرف کھینچا۔

پشپا نے جھٹکے سے خود کو چھڑا لیا۔ ”میں نے کہا نا...... مجھے کسی کی موجودگی کا احساس ہو رہا ہے۔“

اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فاروق بڑبڑاتا ہوا اٹھا اور انسٹرومنٹ کی طرف

بڑھا۔ "ہیلو۔" اس نے ریسیور اٹھا کر کہا۔

دوسری طرف سے پادری جوزف گل کی ہیجان زدہ آواز آبھری۔ "مسٹر فاروق' میں تم سے فوری طور پر ملنا چاہتا ہوں۔"

"اس وقت تو میں مصروف ہوں۔ یہ ملاقات کل پر نہیں ٹل سکتی؟"

"ٹھیک ہے۔ کل دس بجے چرچ پہنچ جاؤ؟"

"بات کیا ہے؟"

"پیٹر جون نے روح کا وجود ثابت کرنے کے لیے راہ ہموار کردی ہے۔ فی الوقت میں تمہیں اس سے زیادہ نہیں بتا سکتا۔"

فاروق فون ریسیو کر کے واپس آیا تو پشپا جا چکی تھی۔ فاروق کو غصہ آنے لگا۔ کیا پشپا سے ملنا میری مقدر میں ہی نہیں ہے؟ اس نے جھنجلا کر شراب کی بوتل اٹھاتے ہوئے سوچا۔

☆======☆======☆

صبح بارش شدید ہو رہی تھی۔ سردی اور بڑھ گئی تھی۔ موسم باہر جانے کے لیے سازگار نہیں تھا۔ فاروق نے جلدی جلدی چائے پی اور رین کوٹ اٹھایا۔ جوزف گل سے ملنا ضروری تھا۔ زوردار فیچر کے لیے مسالہ مل سکتا تھا۔

وہ کار نکالنے کی غرض سے گیراج میں داخل ہوا۔ اُسے احساس بھی نہیں ہوا کہ اس کے اندر آنے کے بعد گیراج کا دروازہ خودبخود مقفل ہوگیا۔ کار بغیر کسی دشواری کے اسٹارٹ ہوگئی۔ دروازہ مقفل پاکر کار سے نکلا اور دروازہ کھولنے کی کوشش کی جو ناکام رہی۔ اس طرف سے مایوس ہوکر وہ کار کی طرف پلٹا کیونکہ اسے خیال آگیا تھا کہ اس نے کار اسٹارٹ کرلی تھی۔ کار میں سے بلبلے اٹھ رہے تھے۔ اس نے کار کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔ مگر وہ بھی لاک ہوچکا تھا۔ اس نے سوچا کہیں اس نے بے خیالی میں دروازہ لاک تو نہیں کردیا تھا۔ چابیاں اگنیشن میں لگی ہوئی تھیں۔ انجن بدستور مرتعش تھا۔

"لعنت ہو۔" وہ غرایا۔ اب کیا کیا جائے۔ ڈپلی کیٹ چابیاں گھر میں موجود تھیں۔ مگر گیراج سے نکلنا ممکن نہیں تھا۔ بلبلے نکلنے کی رفتار بڑھتی جارہی تھی۔ وہ بُری طرح گھبرانے لگا۔ خطرے کا احساس پوری شدت سے ابھر آیا۔ اس نے کار کا شیشہ توڑنے کے لیے کسی چیز کی تلاش میں ادھر اُدھر نظر دوڑائی۔ دروازے کے قریب ہی ایک سلاخ اور کچھ

دوسرے اوزار پڑے تھے۔ پھر اسے خیال آیا کہ شیشہ توڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ بونٹ اٹھا کر اگنیشن وائر کھینچنے سے بھی کام چل سکتا ہے۔

یہ سوچ کر وہ کار کے اگلے حصے کی طرف گیا لیکن کار اچانک ہی خودبخود گیئر میں پڑ گئی اور آگے بڑھ گئی۔ وہ اُچھل کر پیچھے ہٹا۔ کار بڑھتی رہی۔ وہ گیراج کے دروازے کے ساتھ دبنے پر مجبور ہوگیا۔ اس نے جسم کو ڈھیلا چھوڑ کر بونٹ پر چڑھنے کی کوشش کی۔ مگر اتنی جگہ ہی نہیں تھی۔ وہ بُری طرح پھنس چکا تھا۔

کاربن مونو آکسائیڈ پورے گیراج میں بھرتی جارہی تھی۔ اس کے پاس بہ مشکل ایک دو منٹ کی مہلت تھی۔ اس کی پریشانی انتہا کو پہنچ گئی۔ فضا اتنی زہریلی ہوگئی تھی کہ سانس لینا بھی دوبھر ہوگیا تھا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے پھوٹ پڑے تھے۔ بچت کی کوئی صورت ہی نظر نہیں آرہی تھی۔ اس نے جھک کر لوہے کی سلاخ اٹھائی اور اسے جتنا بلند کر سکتا تھا' کیا........ اور بونٹ پر کئی بار مارا لیکن جگہ کی تنگی کی وجہ سے سلاخ پوری قوت سے نہیں ماری جاسکی۔ اس نے سلاخ چھوڑی اور دروازے کے پاس پڑا ہوا بھاری ہتھوڑا اٹھا لیا۔ ہتھوڑا اٹھا کر اس نے بونٹ پر برسا ڈالا۔ جلد ہی بونٹ میں سوراخ نظر آنے لگے۔ ہتھوڑے کے ہر وار پر کار چنگھاڑتی محسوس ہوتی تھی۔

فاروق کی سانسیں اُکھڑنے لگیں۔ وہ بُری طرح تھک چکا تھا۔ سر چکرا رہا تھا۔ اس نے کچھ دیر آرام کرنے کا فیصلہ کیا۔ حالانکہ اس صورتِ حال میں آرام بھی ایک بھیانک مذاق معلوم ہوتا تھا۔ دوسری طرف وہ بے ضرر کار' جو آٹھ سال سے اس کے پاس تھی' اسے جانی دشمن معلوم ہورہی تھی۔ اس کی جان لینے پر تُلی ہوئی تھی۔ اس بار اس نے ہتھوڑا اٹھا کر دروازہ پیٹ ڈالا اور ساتھ ہی ساتھ مدد کے لیے چیخنے لگا۔ اب اسے افسوس ہو رہا تھا کہ گیراج کی کھڑکی کی طرف توجہ کیوں نہیں دی۔ شیشہ تو اس کا بھی توڑا جاسکتا تھا۔ مگر اب تو وہ کھڑکی تک پہنچ بھی نہیں سکتا تھا۔

بونٹ بے کار ہوچکا تھا۔ اس نے بونٹ اٹھایا۔ کار کے اہم ترین حصے اب تک کام کر رہے تھے۔ وہ زہر اگلنے والے جانور کی طرح زہریلے بلبلے خارج کر رہے تھے۔ اس نے کاربوریٹر پر ہتھوڑا کھینچ کر مارا لیکن ہتھوڑا کاربوریٹر سے اچٹنے کے بعد کار کے پہلو میں جاگرا۔ اب وہ خود بے ہوشی کے بہت قریب پہنچ چکا تھا۔ اس نے ہمت کر کے نیچے سے سلاخ اٹھائی اور فیول پمپ پر دے ماری۔ کار کا انجن غرایا اور چند جھٹکے لینے کے بعد

خاموش ہوگیا۔ پھر فاروق نے سلاخ کو گیراج کی کھڑکی کی طرف اچھالا۔ بے ہوش ہونے سے پہلے اسے صرف اتنا یاد تھا کہ اس نے شیشہ ٹوٹنے کی آواز سنی ہے حالانکہ سلاخ کھڑکی تک نہیں پہنچی تھی۔

☆=====☆=====☆

دو آدمی اسے سہارا دے کر اٹھا رہے تھے۔ ان میں ایک اس کا پڑوسی سنجے تھا۔ "وہ تو شکر ہے، میں نے تمہاری چیخ سن لی۔ میں اپنے لان میں کام کر رہا تھا۔" سنجے نے کہا۔

"اسپتال لے چلو" دوسرے شخص نے کہا۔ فاروق اسے پہچانتا نہیں تھا۔

"میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔ وہ دونوں ہچکچاتے ہوئے رخصت ہوئے۔ فاروق گھر میں آیا۔ اب وہ پادری گل کے پاس جانے سے پہلے کچھ سوچنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے لیے چائے بنائی اور اپنی اسٹڈی میں آیا تاکہ پادری کو فون کر کے بتا سکے کہ اُسے آنے میں دیر ہوجائے گی۔ اچانک اس کی نظر ٹائپ رائٹر پر پڑی، جس پر کاغذ چڑھا ہوا تھا، جبکہ فاروق کو یاد تھا کہ اس نے آخری بار ٹائپ کرنے کے بعد کاغذ چڑھا ہوا نہیں چھوڑا تھا۔

اس نے کاغذ کھینچ کر نکالا۔ کاغذ پر مختصر سا نوٹ ٹائپ ہوا تھا۔ پوری ایک لائن بھی نہیں تھی۔ ایک نظر دیکھ کر ہی اندازہ ہوجاتا تھا کہ جس نے بھی وہ نوٹ ٹائپ کیا ہے، وہ ٹائپ کرنا نہیں جانتا۔ لفظ ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔ درمیانی جگہ کا خیال نہیں رکھا گیا تھا۔ تمام حروف چھوٹے ٹائپ کیے گئے تھے لیکن ان تمام باتوں سے قطع نظر نوٹ جو کچھ کہہ رہا تھا، وہ پڑھنے کے بعد فاروق دہل کر رہ گیا تھا......... میں خودکشی کر رہا ہوں۔ کیونکہ بیوی اور بچی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

فاروق نے فوراً ہی فیصلہ کرلیا کہ وہ یہ نوٹ لے کر پولیس کے پاس نہیں جاسکتا۔ اسے خوف تھا کہ پولیس والے اسے پاگل قرار دیں گے۔ وہ تفتیش کریں گے اور اس کی ڈاکٹر سے ملاقات کا پتا چلالیں گے۔ ڈاکٹر انھیں اپنی تھیوری بتائے گا۔ وہ فرض کرلیں گے کہ اس نے خودکشی کی کوشش کی۔ ثبوت یہ نوٹ قرار پائے گا۔ کیونکہ ایسی کوئی شہادت موجود نہیں، جس سے یہ ثابت ہوسکے کہ کسی نے اسے قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے اصرار پر وہ یہی نتیجہ نکالیں گے کہ وہ صدمے سے پاگل ہوگیا ہے۔

اس نے سوچا، کہیں وہ واقعی آہستہ آہستہ پاگل پن کی طرف تو نہیں بڑھ رہا ہے۔

یا ممکن ہے، نسیان کا عارضہ لاحق ہوگیا ہو اسے۔ اگر وہ نوٹ اس نے ٹائپ نہیں کیا تو اور کس نے کیا ہے اور کیوں کیا ہے؟ گھر میں تو کوئی آیا بھی نہیں۔ رات پشپا کے جانے کے بعد اس نے ٹائپ رائٹر استعمال کیا تھا لہٰذا پشپا پر بھی شک نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ممکن ہے اس نے خود غیر شعوری طور پر وہ نوٹ ٹائپ کیا ہو اور اسے احساس بھی نہ ہو۔ پھر گیراج میں جو کچھ ہوا، اس میں کون سے عوامل کار فرما تھے؟ اس نے گیراج کے دروازے کی چابی دروازہ کھولنے کے بعد دروازے ہی میں باہر کی سمت لگی رہنے دی تھی۔ دروازہ جھٹکے سے بند ہوا تو جھٹکے کی وجہ سے ڈبل لاک ہوگیا ہوگا۔ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ کار اس نے خود اسٹارٹ کی تھی۔ بے دھیانی میں وہ دروازہ لاک کر کے چلا آیا ہوگا۔ انجن کے ارتعاش کی وجہ سے گیئر لگ گیا ہوگا لیکن وہ جانتا تھا کہ یہ مفروضے بے حد بعید از قیاس ہیں۔

وہ تجزیہ کرنے بیٹھ گیا۔ اگر اس کا دماغی توازن بگڑ رہا ہوتا تو اس صورت میں وہ ان تمام واقعات کو دوسری دنیا سے روحوں کا پیغام سمجھتا لیکن اس نے تو اب تک اس انداز میں نہیں سوچا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اسے خیال آیا کہ کہیں زرینہ کی روح پشپا پر اس کے التفات کی وجہ سے برہم تو نہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ برہمی کے عالم میں اس نے گیراج میں اسے قتل کرنے کی کوشش کی ہو۔ کیا یہ ممکن ہے؟ پھر اُسے خیال آیا کہ وہ تو اسی انداز میں سوچنے لگا ہے۔ مرنے کے بعد بھلا کوئی کسی کو مار سکتا ہے۔

☆======☆======☆

پادری جوزف گل کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ فاروق کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک ابھری۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی طرح فاروق بھی پیٹر جون کا احترام کرتا تھا۔

"اب بتایئے، آپ کیا کہہ رہے تھے؟" فاروق نے کہا۔

"پیٹر جون روح کے سلسلے میں کوئی ناقابلِ تردید ثبوت پیش کرنے والا تھا کہ موت نے اس کی زبان بند کردی۔" پادری بولا۔ "بہرحال، وہ جاتے جاتے سائنس دانوں کو اس سلسلے میں کام کرنے اور ثبوت فراہم کرنے کا بھرپور موقع دے گیا ہے۔ تم جانتے ہی ہو کہ وہ بے حد دولت مند آدمی تھا۔"

"ہاں۔ ہر بڑے شہر میں اور کئی چھوٹے شہروں میں اس کا تدفینی ادارہ کام کر رہا ہے۔"

"اس کے علاوہ بھی اس کی کئی کمپنیاں ہیں۔ مجموعی طور پر کم از کم آٹھ کروڑ کی جائداد ہے اس کی' اور اس نے اپنی وصیت میں ہر چیز پی آر آئی کے نام چھوڑی ہے۔ سائیکک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے نام۔ اس انسٹی ٹیوٹ کے سربراہ ڈاکٹر پال ہیں۔ انسٹی ٹیوٹ کا بنیادی مقصد روح کی موجودگی کا ثبوت تلاش کرنا ہے۔ انسٹی ٹیوٹ کی اپنی جدید ترین لیبارٹری ہے اور وہاں روح پر سائنٹیفک انداز میں کام ہو رہا ہے۔"

"میرا خیال ہے' اب تک انھیں کامیابی نہیں ہو سکی ہے۔" فاروق نے کہا۔ "آپ کے خیال میں پیٹرجون کی جائداد ملنے کے بعد کچھ پیش رفت ہو سکے گی؟"

"ہاں۔ اب لیبارٹری کو جدید ترین اور مہنگے آلات سے مزین کیا جاسکے گا۔ ڈاکٹر پال ایک ایسا چیمبر بنانا چاہتے ہیں جہاں وہ مرنے والے مریضوں کو رکھیں گے۔ انھیں یقین ہے کہ اس چیمبر میں وہ روح کا سراغ لگاسکیں گے۔"

فاروق کی آنکھوں میں دلچسپی کی چمک اُبھری۔ "اس وصیت کے بارے میں کس کس کو معلوم ہے؟" اس نے پوچھا۔

"فی الوقت صرف پیٹرجون کے وکلاء' ڈاکٹر پال' میں اور تم یہ بات جانتے ہیں۔ میں نے تمھیں اس لیے بتایا کہ میرے خیال میں پیٹرجون کی یہی خواہش رہی ہوگی۔"

فاروق چند لمحے خاموش رہا' پھر بولا۔ "یہ زوردار خبر ملی ہے مجھے۔ میں پہلے انسٹی ٹیوٹ والوں سے بات کروں گا۔ پھر اس پر کچھ لکھوں گا۔"

جوزف گلی نے نفی میں سر ہلایا۔ "انسٹی ٹیوٹ والے بے حد رازداری سے کام لیتے ہیں۔ وہ تم سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کریں گے۔ ویسے بھی میں تم سے التجا کروں گا کہ اس سلسلے میں کچھ نہ لکھو۔" وہ اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔

"ہاں......... مناسب وقت پر تم لوگوں کو بتاسکتے ہو کہ ہم روحانیت پرست' جدید سائنس اور ٹیکنالوجی سے استفادہ کر رہے ہیں۔ ہم قدامت پسند ہرگز نہیں ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ مذہبی رہنما اس پر ہمیں بُرا بھلا کہیں گے۔ ان کا کہنا ہے کہ روح کے اور حیات بعدالموت کے بارے میں تجسس نہیں کرنا چاہیے۔ پھر ایک اختلاف یہ بھی ہے کہ مسلمان اور کرسچن علما کا عقیدہ ہے کہ انسان موت کے بعد ایک مخصوص عرصے تک محوِ خواب رہتا ہے۔ پھر اسے ابدی زندگی اور آخری حساب کے لیے اٹھایا جاتا ہے جبکہ ہمارا کہنا یہ ہے کہ موت محض ایک اسٹیشن سے دوسرے اسٹیشن منتقلی کا نام ہے۔"

"میرے خیال میں اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ ارواح برزخ میں ہوتی ہیں اور حشر کے دن انھیں ان کے جسموں کے ساتھ اٹھایا جاتا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"مذہبی رہنماؤں کے درمیان اتنے اختلافات نہیں۔ البتہ روحانیت پرستوں کے درمیان ہیں۔ مثلاً کچھ روحانیت پسند بائبل کی نفی کرتے ہیں۔ کچھ خدا پر یقین نہیں رکھتے کچھ جنت دوزخ کے قائل نہیں لیکن ایک امر پر سب متفق ہیں۔ سب روح کا وجود ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس دنیا میں' لوگ اُس دنیا کی فلاح کی خاطر اپنی روحوں کو پاکیزہ رکھیں۔ ہم اپنا نظریہ ثابت کر کے لوگ کو اس امر کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں۔ اسی لیے ہم مالعبد النفسیاتی تحقیق کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ہم روح کا وجود ثابت کردیں گے تمام شکوک مٹادیں گے اور جانتے ہو' اس کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ سنگین جرائم اور قتل کم ہوجائیں گے........."

"اور اگر روح کا وجود ثابت نہ کیا جاسکا تو.........؟"

پادری کے ہونٹ بھینچ گئے۔ "جب ایک چیز ہے تو اس کی موجودگی ثابت بھی ہوگی۔"

☆======☆======☆

فاروق چرچ سے نکلا تو الجھن میں تھا۔ وصیت نامے کی کہانی پُرکشش تھی لیکن پادری اس کی اشاعت کے خلاف تھا۔ پادری کی بات ماننے کی صورت میں فاروق کو یہ خطرہ مول لینا تھا کہ کوئی حریف اخبار بھی اس خبر کو لے کر اُڑ سکتا ہے اور اگر وہ پادری کی بات نہیں مانتا تو اس کے اعتماد سے محروم ہوجائے گا۔ ویسے فیچر بہت زوردار لکھا جاسکتا تھا۔ سرخی ہوتی......... انسانی روح کا سراغ لگانے کی کوششوں کا آغاز۔ جدید سائنس اور ٹیکنالوجی سے مدد لی جارہی ہے۔ اس کے بعد وہ ان اثرات کا جائزہ لیتا جو روح کی موجودگی ثابت ہونے کی صورت میں افراد اور معاشرے پر مرتب ہوتے۔ اس نے سوچا' پادری کو نظرانداز ہی کیوں نہ کردیا جائے مگر پھر اسے احساس ہوا کہ وہ ایسا نہیں کرسکتا۔ کم از کم ابھی نہیں کرسکتا۔ فی الوقت تو اسے پادری کے توسط سے پی آئی آر میں داخل ہونا تھا۔ ان کے تجربات کی نوعیت اور نتائج کے بارے میں جاننا تھا۔

☆======☆======☆

پی آر آئی کا تعلق یونیورسٹی سے تھا۔ ادارے کی بلڈنگ یونیورسٹی کی حدود میں تھی

اور بنیادی مالی امداد بھی یونیورسٹی ہی فراہم کرتی تھی۔ تاہم ادارے کے حفاظتی انتظامات بے حد سخت تھے۔ یونیورسٹی میں تو کوئی بھی جاسکتا تھا لیکن ادارے کے مین گیٹ پر سختی سے چیکنگ ہوتی تھی۔

فاروق نے گارڈ کو اپنا پریس کارڈ دکھایا اور لہجے میں تحکم پیدا کرتے ہوئے کہا۔ ”ڈاکٹرپال میرے منتظر ہیں۔“

گارڈ نے انٹرکام پر کسی سے بات کی اور اسے اندر جانے کی اجازت دے دی۔ اگر پادری جوزف گل نے کوشش نہ کی ہوتی تو وہ ادارے میں داخل نہیں ہوسکتا تھا۔

اندر میزبان خاتون نے اس سے پوچھا۔ ”آپ انڈین ٹائمز سے آئے ہیں نا؟“ فاروق نے اثبات میں جواب دیا۔

چند لمحے بعد فاروق‘ ڈاکٹرپال کے کمرے میں تھا۔ ڈاکٹر اپنی میز پر ایک ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ وہ دراز قامت آدمی تھا۔ موٹے عدسوں والے چشمے نے اس کی شخصیت کو اور اجاگر کردیا تھا۔ میز کے سامنے ایک عورت بیٹھی تھی۔ وہ بے حد حسین تھی اور سفید لیب کوٹ پہنے تھی‘ جس پر کیمیکلز کے دھبے تھے۔ اس کے پاس ایک شخص کھڑا تھا جس کا آدھا سر بالوں سے محروم ہوچکا تھا۔ ڈاکٹرپال نے ان دونوں سے فاروق کا تعارف کرایا۔ ”یہ ڈاکٹر سادھنا ہیں اور یہ ڈاکٹر ماتھر.......... میرے ساتھی۔ مسٹرفاروق‘ میں یہ واضح کردوں کہ پادری جوزف کے بے حد اصرار پر میں تم سے ملنے کے لیے رضامند ہوا ہوں۔ ورنہ مجھے پریس والوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اب یہ بتاؤ تم ہم سے چاہتے کیا ہو؟“

فاروق پریس کے لیے ڈاکٹر کی ناپسندیدگی کے اس صاف اعلان پر حیران رہ گیا۔ عورت کے چہرے پر بھی بیزاری.......... کا تاثر تھا۔ مگرفاروق کا خیال تھا کہ وہی زیادہ کام آسکتی ہے۔ ایک مسکراہٹ اور چند مہربان جملے اس کی بیزاری کو باآسانی دور کرسکتے ہیں۔ اس نے ڈاکٹرپال کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ بتائیں ڈاکٹر کہ آپ کیا کررہے ہیں؟“

”میں نے اس ریسرچ میں اپنی زندگی کے کئی برس کھپائے ہیں۔“ ڈاکٹر کے لہجے میں غراہٹ تھی۔ ”میں اپنے خیالات اور ان برسوں کا حاصل کسی مناسب وقت پر چھپواؤں گا۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ میں تمہیں بتاکر ساری دنیا میں ڈھنڈورا پیٹنے کا موقع دوں گا۔ تو تم غلطی پر ہو۔“

سادھنا ہنس دی۔ ”مسٹرفاروق‘ ان کا مطلب یہ ہے کہ اسی موضوع پر اور کئی

سائنس داں بھی کام کررہے ہیں۔ مقابلہ سخت ہے اور رازداری بے حد ضروری..........“

فاروق جانتا تھا کہ سائنس داں اپنے تجربات کے معاملے میں کتنے حساس ہوتے ہیں۔ اس نے بڑی معصومیت سے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اگر انسانیت کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ ایک کام کا کریڈٹ کسی اور کو مل جائے۔“

تینوں سائنس دانوں نے استعجاب سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اس بار جواب ڈاکٹر ماتھر نے دیا۔ ”کریڈٹ ہی کی خاطر تو آدمی بہت کچھ تج کر کام کرتا ہے۔ تم بھی تو سب سے پہلے خبر حاصل کرکے اپنے حریفوں کو پیچھے چھوڑنے کی کوشش کرتے ہو۔“

”میں تمہیں بتاتا ہوں۔“ ڈاکٹرپال نے کہا۔ ”پہلی بات.......... ہم اس چیز کو برسوں سے ڈھونڈ رہے ہیں‘ جسے تم روح اور ہندو آتما کہتے ہیں۔ دوسری بات.......... ابھی تک پیٹرجون کی وصیت کی رُو سے جائداد ہمیں نہیں ملی۔ تیسری بات.......... میں جو کچھ کررہا ہوں‘ تمہیں کیوں بتاؤں اور رپورٹر بھی تو ہیں۔ تم میں کیا خاص بات ہے؟“

”مجھ میں خاص بات ہے۔“ فاروق نے زور دے کر کہا۔ ”میں اس پروجیکٹ سے ذاتی وابستگی محسوس کرتا ہوں۔ پیٹرجون کا بیان میں نے ہی شائع کرایا۔ پھر میں اور وہ گہرے دوست بن گئے۔“ آخری جملہ کہتے ہوئے فاروق نے سوچا کہ اتنا جھوٹ بولنے میں کوئی حرج نہیں۔

”میرے نزدیک دوستی ایک بے معنی لفظ ہے۔ خاص طور پر ایکسپلائٹیشن والی دوستی‘ جس میں پبلک کو کالے علم کے ذریعے بے وقوف بنایا جائے۔“

”آپ اپنی سائنس کو کالا علم سمجھتے ہیں ڈاکٹر؟“ فاروق نے بے حد معصومیت سے پوچھا۔

سادھنا کو پھر ہنسی آگئی۔ ”آپ صحافیوں سے نہیں جیت سکتے ڈاکٹر ویسے مجھے مردوں میں جارحیت اچھی لگتی ہے۔“

ڈاکٹرپال نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ ”تمھاری یہی مرضی ہے سادھنا‘ تو میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ اس رپورٹر کو ہمارے کام کی نوعیت اور درپیش مسائل کے بارے میں بتاسکتی ہو لیکن نئے تجربات کے بارے میں ایک لفظ بھی نہ کہنا۔ جب تک تجربہ مکمل نہیں ہوتا‘ اس وقت تک ہم اشاعت کے متحمل نہیں ہوسکتے۔“

ڈاکٹر ماتھر نے نفی میں سرہلایا۔ ”میں آپ سے اتفاق نہیں کرتا پروفیسر۔ پریس کی کوریج ہمارے لیے سودمند ثابت ہوگی اور لوگوں کو ذہنی طور پر تیار بھی کرسکے گی۔“

”لیکن قبل ازوقت..........“

”نہیں پروفیسر‘ اس طرح لوگ سائیکک ریسرچ میں دلچسپی لینے لگیں گے۔ اس طرح ہمیں مالی امداد بھی مل سکتی ہے۔“

ڈاکٹرپال نے تہدیدی انداز میں انگلی اٹھائی۔ ”پبلسٹی ہمارے لیے ضرر رساں ہوسکتی ہے۔ یہ ہے مالی امداد کی قیمت..........“

سادھنا نے نفی میں سرہلایا۔ ”میں اس معاملے میں ماتھر کے ساتھ ہوں۔ چند ماہ پہلے تک ہمارا کام آگے بھی نہیں بڑھا تھا لیکن اب وقت آگیا ہے کہ لوگوں کو ہمارے کام کے متعلق علم ہوجانا چاہیے۔ یہ تو ممکن نہیں کہ ہم رازداری بھی برتیں اور پبلک کی سپورٹ بھی ہمیں مل جائے..........“

ڈاکٹرپال اٹھ کھڑا ہوا۔ ”میں ایک اجنبی کی موجودگی میں تم دونوں سے بحث نہیں کروں گا۔“ اس نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

چند لمحے ناگوار خاموشی رہی۔ پھر ڈاکٹر ماتھر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”ڈاکٹرپال کو اپنی شہرت اور ملک کے سب سے بڑے اعزاز کی فکر ہے جو ہر سائنس داں کو ہوتی ہے۔“

فاروق کو اس کے لہجے میں حسد محسوس ہوا۔ یوں اس کا کام آسان ہوسکتا تھا۔ وہ سادھنا کو دیکھ کر مسکرایا‘ جو ماتھر کے پیچھے چل دی تھی۔ ”آپ بھی جارہی ہیں؟“

”ہاں۔ تاکہ تم ہمارے اس اہم کمرے میں خفیہ راز سمیٹنے کے لیے اکیلے رہ جاؤ۔“

اس پر تینوں ہنس دیئے۔ فاروق نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ ”لنچ میرے ساتھ کیجیے۔“

سادھنا نے آمادگی ظاہر کی اور اپنا لیب کوٹ اتار کر اس کے ساتھ ادارے سے نکل آئی۔ فاروق نے حسن اور ذہانت کا اتنا اچھا امتزاج پہلے نہیں دیکھا تھا۔ اب اسے احساس ہوا کہ لیب کوٹ سادھنا کے حسن کو بہت کم کردیتا تھا۔ ”آپ اتنی حسین اور کم عمر ہیں۔ اتنے بڑے مرتبے تک کیسے پہنچ گئیں؟“ فاروق نے ستائشی لہجے میں پوچھا۔

سادھنا جواب دینے والی تھی۔ مگر پھر منہ بناکر رہ گئی۔ فاروق نے سوچا۔ کام اتنا

آسان بھی نہیں‘ جتنا میں نے سمجھا تھا۔ سادھنا ایسی عورت معلوم ہوتی تھی جسے مردوں کی برتری اور مربیانہ انداز ناپسند تھا۔

”ڈاکٹرپال کی بات کا برا نہ مانئے گا۔“ سادھنا نے کہا۔ ”ان دنوں ان پر بہت بوجھ ہے۔ ہم سب کا یہی حال ہے۔ پیٹرجون نے ہمیں کئی ماہ پہلے بتادیا تھا کہ وہ ہمیں اسپانسر کریں گے۔ ہم اپنے تجربے کی ابتدائی تیاریوں کے سلسلے میں بے حد مصروف رہے ہیں۔ جو جستجو ہمیں ہے‘ وہ نئی نہیں انسان کی ازلی خواہش ہے۔ روح کی تلاش.......... اس کے بارے میں جاننا۔ حاضرات بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے..........“

”مگر اس میں فراڈ بہت ہوئے ہیں۔ معمول..........“

”دیکھو فاروق۔ معمول دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جنھیں فراڈ ہونے کی وجہ سے مسترد کردیا گیا ہے۔ وہ بانسری بجاتے ہوئے‘ ڈھول پیٹتے‘ ڈھونگ رچاتے ہیں۔ دوسری قسم ذہنی معمولوں کی ہے۔ وہ ٹرانس میں آجاتے ہیں اور ان کے جسم اور ان کی آواز پر کوئی روح قابض ہوجاتی ہے۔ اس روح کے ذریعے دوسری روحوں سے رابطہ قائم ہوتا ہے۔“

فاروق مسکرایا۔ ”مجھے تو یہ اور بڑا فراڈ معلوم ہوتا ہے۔“

”اس میں بیشتر میڈیم جعلی ہوتے ہیں۔“ سادھنا نے اعتراف کیا۔ ”لیکن ہم انہی میڈیمز کے ذریعے اپنا کام آگے بڑھا سکتے ہیں‘ بس اصل میڈیم کو پہچاننے کی بات ہے۔ سائنس سپرنارمل اور سائیکک ریسرچ کے خلاف نہیں۔ بس وہ ثبوت مانگتی ہے لیکن ثبوت حاصل کرنا اتنا آسان نہیں۔ بہرحال سائنس دانوں کو کوئی الزام نہیں دیا جاسکتا۔ وہ بغیر ثبوت کے کسی حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے۔ ویسے ابھی تک اس معاملے میں بیشتر سائنس داں غیر جانب دار اور اوپن مائنڈڈ ہیں۔ سائنس میں کامیاب تجربے کی تعریف یہ ہے کہ اسے دہرایا جاسکے اور نتائج کی تصدیق و ترتیب ممکن ہو لیکن پیرا سائیکلوجی اور ای ایس پی میں ایسا نہیں ہوتا۔“

فاروق خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

”ہمارے تجربات میں یہ دشواری ہے کہ ہم تجربے کو کامیابی سے دہرا نہیں پاتے۔ اگر ارواح موجود ہیں تو وہ ہمیں تنگ کررہی ہیں۔ ہر تجربے کا نتیجہ مختلف ہوتا ہے۔ یوں جیسے وہ اپنے وجود کا احساس تو دلانا چاہتی ہیں لیکن شک میں بھی مبتلا رکھنا چاہتی ہیں۔“

"اور تمہارے خیال میں ارواح کی وہ دنیا کہاں ہے؟"

سادھنا ہچکچائی۔ "میرے لیے یہ کہنا آسان ہے کہ ان کی فریکوئنسی اور ہے لیکن ابھی تک اس کا پتا نہیں چلایا جاسکا ہے۔ ویسے تم اس پر یقین نہیں کروگے۔"

"یہ تو ہے۔"

"یوں سمجھو کہ تم ایک مخصوص ٹی وی چینل پر ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم سمجھو' دوسرے چینل ہیں ہی نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ تمہیں ان کی فریکوئنسی کا علم نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ انھیں نظرانداز کر دیا جائے۔ ہم اس فریکوئنسی کو جاننے کے سلسلے میں کام کر رہے ہیں۔"

"ایک بات بتاؤ۔" فاروق نے ریسٹورینٹ میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔ "تم اکثر لیبارٹری میں دیر تک کام کرتی ہوگی۔ تمہارے شوہر کو اس پر اعتراض نہیں ہوتا؟"

سادھنا رکی۔ اس نے فاروق کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "عام طور پر اجنبی کسی عورت سے اس کی دستیابی کے بارے میں اسی طرح دریافت کرتے ہیں۔ ہے نا؟"

"میں نفسیاتی تجزیے کی توقع نہیں کر رہا تھا۔"

"اب جو کچھ پوچھنا ہے' ڈائریکٹ پوچھ لو۔"

"تو سمجھ لو کہ میں پوچھ رہا ہوں۔"

"میں شادی شدہ نہیں ہوں۔ نہ ہی میری کسی سے دوستی ہے۔"

فاروق کو اندازہ ہوگیا کہ اس کی توقعات آسانی سے پوری نہیں ہوں گی۔ سادھنا کوئی ترانوالہ نہیں تھی۔

کھانے کے دوران فاروق نے پوچھا۔ "سادھنا......... تم روح پر یقین رکھتی ہو؟"

"میں نہیں چاہتی ہوں کہ تم میرے ذاتی نظریات چھاپو۔" سادھنا بولی۔ "یہ بات نہیں کہ میں شہرت سے بچتی ہوں اور نہ ہی مجھے اپنے بارے میں دوسروں کی رائے کی کوئی پرواہ ہے' بات بس اتنی سی ہے کہ........." یہ کہتے کہتے وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔ "فاروق......... تم روح پر یقین رکھتے ہو؟"

"میں اس سلسلے میں کھلا ذہن لیے پھرتا ہوں۔ تم ثابت کردو' میں یقین کرلوں گا۔"

"میں تمہیں ثبوت دکھا سکتی ہوں۔"

فاروق کی آنکھیں پھیل گئیں۔ کام اس کی توقع سے کہیں آسان ثابت ہو رہا تھا۔

"واقعی؟"

"نہیں۔ میں غلط کہہ گئی۔ شہادت اور ثبوت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ میں تمہیں شہادت دکھا سکتی ہوں۔ سائیکو کینیسس کی موجودگی کا۔"

"یہ کیا بلا ہے؟"

"خیال کی قوتِ محرکہ......... تبدیل ہونے کی قوت' لیکن یہ حرکت یا تبدیلی کیوں اور کیسے رونما ہوتی ہے' یہ ہم نہیں جانتے۔ ویسے یوں تو آواگون کے حق میں بھی شہادتیں موجود ہیں۔ میں تمہیں شہادت دکھانے کے سلسلے میں ڈاکٹر پال سے اجازت لوں گی۔"

"بہت خوب! میں اس رہنمائی پر تمہارا شکرگزار ہوں گا۔"

☆=====☆======☆

اگلے چند ہفتوں کے دوران فاروق نے اپنا مکان بیچ کر دفتر کے قریب ایک چھوٹا فلیٹ لے لیا۔ کار کی مرمت کرالی۔ اس نے فرنیچر بھی نیا خریدا۔ اب نہ اسے' کوئی خواب پریشان کرتا تھا' نہ کوئی یاد۔ وہ اب خود کو آزاد محسوس کر رہا تھا۔

اس نے کئی بار سادھنا سے نجی طور پر ملاقات کی خواہش ظاہر کی تھی۔ مگر سادھنا نے ٹال دیا تھا۔ آخری کوشش کے نتیجے میں سادھنا نے اسے آنسو پونچھنے کی غرض سے انسٹی ٹیوٹ بلالیا تھا۔ وہ سادھنا کے گریز کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ جبکہ وہ اس میں دلچسپی بھی لے رہی تھی۔ اس عرصے میں پیٹرجون کی وصیت کے مطابق اس کی جائداد اور اثاثے انسٹی ٹیوٹ کو منتقل ہوگئے تھے۔ انڈین ٹائمز میں یہ خبر دوسرے اخبارات سے ایک دن پہلے چھپی تھی۔ اس کے بعد اخبار کی اشاعت میں اضافہ بھی ہوا تھا۔ لوگوں نے بہت زیادہ دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس کے بعد اسے ڈاکٹر ہریش چند کا خط بھی ملا تھا' جس میں اس نے اس سے فوری طور پر ملنے کی درخواست کی تھی۔

وہ ڈاکٹر ہریش سے ملنے گیا۔ "آؤ فاروق' تم کتنے مصروف ہوگئے ہو۔ میں تو سمجھا تھا کہ اب کبھی تمہاری صورت نہیں دیکھ سکوں گا۔" ڈاکٹر نے بڑے تپاک سے کہا تھا۔ "تم ڈاکٹر پال کے لیے اتنے مصروف رہے ہو۔" اس کے لہجے میں شکایت تھی۔ "مجھے لگتا تھا اب کبھی تم سائنس رپورٹنگ نہیں کروگے۔ میں تمہیں اس لڑکے کے والدین سے ملوانا چاہتا ہوں' جو مر رہا ہے۔"

فاروق کو سائنس رپورٹنگ والا طنز برا لگا۔ بہرحال وہ بغیر کچھ کہے ڈاکٹر کے ساتھ چل دیا۔ آپریشن تھیٹر کے باہر ایک مرد اور عورت بینچ پر بیٹھے تھے۔ مرد کا سر جھکا ہوا تھا۔ عورت کی آنکھیں متورم تھیں۔ وہ بری طرح سسک رہی تھی۔

ڈاکٹر ہریش نے فاروق کو ان دونوں سے اپنے دوست کی حیثیت سے متعارف کرایا۔ پھر وہ بولا۔ ”مسٹر اور مسز ایڈورڈ! آپ کے بیٹے کے سلسلے میں مجھے ابھی تازہ رپورٹ ملی ہے۔ مجھے افسوس ہے لیکن اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں۔“

عورت یہ سنتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ نے اس کا دل ایک اور لڑکے کو لگانے کی اجازت دینے سے انکار کردیا ہے۔ اس صورت میں وہ لڑکا مرجائے گا۔“

عورت کے حلق سے بھنچی بھنچی آواز نکلی۔ ”جی ہاں‘ میں اجازت نہیں دے سکتی۔“

”آپ سمجھ نہیں رہی ہیں۔ اس طرح آپ کا بیٹا دوسروں کو جینے میں مدد دے سکتا ہے۔“

مرد نے اپنے گریس میں لتھڑے کپڑوں سے اپنے ہاتھوں کا پسینہ پونچھا۔ وہ یقینی طور پر کوئی موٹر مکینک تھا۔ وہ بولا تو اس کے لہجے میں چیلنج تھا۔ ”میں تمہیں اپنے بیٹے کو چیرنے پھاڑنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔“

”دیکھو.......... اب وہ اذیت کے ہر مرحلے سے گزر چکا ہے۔ ہر تکلیف سے بے نیاز ہوچکا ہے مرنے کے بعد آدمی کو کچھ پتا نہیں چلتا۔ میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ..........“

”کہونا.......... صاف صاف کہو۔“ عورت نے پاؤں پٹخ کر کہا۔

”دیکھیں مسٹر اینڈ مسز ایڈورڈ‘ ایک اور لڑکا میرے زیرِ علاج ہے۔ اس کا دل خراب ہے۔ دل نہ بدلا گیا تو وہ جلد ہی مرجائے گا۔ اگر آپ اپنے ڈینی کا دل اسے دے دیں تو آپ کا ڈینی اس لڑکے کے روپ میں دوبارہ جی اٹھے گا۔ آپ جو کچھ چاہتی ہیں‘ اس میں تو دونوں لڑکے مرجائیں گے۔“ سرجن نے انھیں سوچنے کا موقع دینے کے لیے کچھ توقف کیا‘ پھر بولا۔ ”مجھے احساس ہے کہ یہ بات آپ کے لیے تکلیف دہ ہوگی۔ یہ نہ معاوضہ ہوگا نہ صلہ لیکن میں آپ کو اجازت دینے پر شکریے کے طور پر دس ہزار روپے دوں گا۔“

مرد اور عورت دونوں نے حیرت سے ڈاکٹر کو دیکھا.......... اور پھر ایک دوسرے کو۔ بالآخر مرد نے ڈرتے ڈرتے سر کو اثباتی جنبش دی۔ وہ اپنی بیوی کو بغور دیکھ رہا تھا۔ انداز ایسا تھا جیسے بیوی کے تیور بگڑتے دیکھ کر سر کی جنبش کا رخ تبدیل کردے گا۔

عوت نے اپنی تھکی ہوئی آنکھیں پھیلا کر شوہر کو دیکھا اور بولی۔ ”کیا تم ڈینی کی روح بیچ دوگے؟“

ڈاکٹر ہریش نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”آپ بالکل فکر نہ کریں۔ ڈینی کی لاش دیکھ کر کوئی اندازہ بھی نہیں لگا سکے گا۔“

”نہیں۔“ مرد مٹھیاں بھینچتے ہوئے غرایا۔ ”اپنی رقم اپنے پاس رکھو۔“

فاروق حیران رہ گیا۔ وہ اتنے غریب لوگ تھے.......... لیکن دس ہزار کی رقم کو کوئی اہمیت نہیں دے رہے تھے۔ جب کہ ان کا بیٹا یقینی طور پر مرنے والا تھا۔

ڈاکٹر ہریش نے فاروق کو اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں ڈاکٹر کے کمرے کی طرف چل دیئے۔ ”میں چاہتا تھا کہ انکار اور عدم تعاون کا یہ مظاہرہ تمہیں بھی دکھادوں۔ میری فیلڈ کے لوگوں کا خیال ہے کہ یہ سب تمہارے آرٹیکلز کی وجہ سے ہے۔ مذہب زدہ لوگ اعضا دینے سے گریز کرنے لگے ہیں۔“

”ایسا لگتا ہے کہ ہر شخص روح پر یقین رکھتا ہے۔“

”کچھ بھی ہو‘ اس سے زندوں کو نقصان پہنچ رہا ہے اعضاء دینے والوں کی ہمیشہ کمی رہی ہے۔ اب یہ کمی خوف ناک حد تک بڑھ گئی ہے۔ جبکہ ابھی ریجیکشن کے مسئلے کی وجہ سے زیادہ تجربات کی ضرورت ہے۔ اب کوئی شخص اپنا جسم ریسرچ کے لیے دینے پر آمادہ نہیں۔ اب تو میڈیکل اسٹوڈنٹ کو اناٹومی پڑھانا بھی دشوار ہوگیا ہے۔ یہ سب اسی خرافات کی وجہ سے ہے۔“

”ڈاکٹر پال اسے خرافات نہیں‘ سائنس قرار دیتا ہے۔“

ڈاکٹر ہریش نے اثبات میں سرہلایا۔ ”کیسی ستم ظریفی ہے کہ سائنٹیفک ریسرچ کا ایک شعبہ دوسرے شعبے کی راہ میں رکاوٹ بن رہا ہے۔ جبکہ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔“ اس نے سرد آہ بھر کے کہا۔ ”ڈاکٹر پال بہت ذہین بے وقوف ہے۔ میں اور وہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ وہ میرے کام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔“ وہ کچھ دیر سوچتا رہا‘ پھر بولا۔ ”یہ جو رجحان اب چلا ہے‘ چھوت کے مرض کی طرح پھیلتا جائے

گا۔ ایک وقت آئے گا' تبدیلی اعضا کے آپریشن کے لیے اعضا ہی نہیں ملیں گے۔" وہ اپنی کرسی سے اٹھا اور کھڑکی کی طرف بڑھ گیا۔ "حقیقت یہ ہے کہ تم نے میرے بارے میں اتنے فیچر لکھے لیکن میں نے تمھارا شکریہ بھی ادا نہیں کیا۔ تمھارے فیچرز کے نتیجے میں اعضاء کا عطیہ دینے والوں کی تعداد بڑھ گئی تھی۔"

"مجھے خوشی ہے کہ میں میڈیکل سائنس کے کچھ کام آیا۔" فاروق نے انکسار سے کہا۔

"لیکن فاروق' صرف اتنی مدد کافی نہیں۔" ڈاکٹر ہریش اپنی میز کی طرف پلٹ آیا۔ "تبدیلی اعضا پر ایک سمپوزیم ہو رہا ہے۔ مجھے اس میں لیکچر دینے کی دعوت دی گئی ہے لیکن ابھی میرے کیسز کی تعداد کم ہے۔ پھر مجھے اینٹی ریجکشن دواؤں پر بھی کام کرنا ہے۔"

"آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

"تمھارے پاس ابلاغ کی طاقت ہے۔ میں چاہتا ہوں' تم اسے ہمارے کام کے فروغ کے لیے استعمال کرو تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اعضا دینے پر رضامند ہوں۔"

فاروق نے نفی میں سرہلاتے ہوئے کہا۔ "تو اسے آپ سائنس رپورٹنگ کہتے ہیں۔ ڈاکٹر...... میں صحافی ہوں' تمھارا پبلک ریلیشن آفیسر نہیں۔"

"میں نے تمھیں کبھی انٹرویو دینے سے منع نہیں کیا تم میری خاطر اتنا بھی نہیں کرسکتے؟"

"نہیں کرسکتا۔ کیونکہ یہ بددیانتی ہوگی۔"

ڈاکٹر اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا......

☆======☆======☆

لیبارٹری بہت بڑی تھی۔ اس میں ایک طرف کمپیوٹر اور ان سے متعلق آلات تھے تو دوسری طرف کیمیکلز۔ سادھنا نے بڑے تپاک سے اسے خوش آمدید کہا۔ پھر اس نے لیبارٹری ٹیکنیشن بلبیر سے اس کا تعارف کرایا۔ دونوں کے درمیان رسمی جملوں کا تبادلہ ہوا۔ سادھنا' بلبیر کو پہلے ہی فاروق سے متعارف کراچکی تھی۔

بلبیر نے فاروق کو چند مائیکرو اسکوپ دکھائے۔ "یہ جدید ترین مائیکرو اسکوپ ہیں...... اور ان سے کھوجنے والے آلات بھی منسلک ہیں۔ ان سے ہم وہ خلیے بھی دیکھ سکتے ہیں جنھیں عام مائیکرو اسکوپ سے نہیں دیکھا جاسکتا۔"

"لیکن اتنے مائیکرو اسکوپس کی کیا ضرورت ہے؟"

بلبیر نے سوالیہ نگاہوں سے سادھنا کو دیکھا۔ سادھنا نے اثبات میں سرہلایا تو وہ بولا۔ "ہم زندہ اور مُردہ خلیوں میں فرق تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک ہی شخص کے زندہ اور مُردہ خلیوں کا موازنہ کیا جاتا ہے۔"

"تلاش کیا کر رہے ہو تم؟"

بلبیر نے پھر سادھنا کو دیکھا اور سادھنا نے پھر سرہلا دیا۔ "ہم موت کے وقت خلیوں سے رخصت ہونے والی چیز کی تلاش میں ہیں۔" بلبیر نے جواب دیا۔

"یعنی روح؟"

بلبیر مسکرا دیا۔ "کچھ لوگ اسے یہی نام دیتے ہیں۔ یہ محض آغاز ہے' چند ہفتوں کے بعد ہم......"

"بس کرو۔" سادھنا نے مخالفت کی۔ "چلو فاروق' اب ای ایس پی وارڈ میں چلیں۔"

فاروق اپنی جگہ ڈٹا رہا۔ "بلبیر......! چند ہفتوں بعد کیا ہونے والا ہے؟" اس نے پوچھا۔ بلبیر خاموش رہا۔ "بتاؤ نا...... سادھنا نے تمھاری زبان بند کر دی ہے کیا؟"

"چلو فاروق۔" سادھنا پھر بولی۔

"جب تک میرے سوال کا جواب نہیں ملتا' میں یہاں سے ہلوں گا بھی نہیں۔"

اسی وقت بلبیر نے گھبرا کر ایک ڈائل کی طرف انگلی اٹھی۔ سوئی بُری طرح لرز رہی تھی۔ بلبیر نے پہلے ایک اور پھر دوسرا لیور گھمایا مگر کوئی فرق نہیں پڑا۔ پھر اس نے ایک پینل کھول کر تار باہر نکالے اور بڑبڑاتے ہوئے الجھی تاروں کو الگ کرنے لگا۔ "اب تو ٹھیک ہوجانا چاہیے۔" اس نے کہا۔ مگر سوئی بدستور اِدھر سے اُدھر دوڑ لگاتی رہی۔ وہ ہر دباؤ سے آزاد معلوم ہورہی تھی۔ بلبیر نے بے تابی سے گلاس کا کور کھولا اور سوئی کو ہاتھوں سے روکنے کی کوشش کی۔ مگر وہ چکنی مچھلی کی طرح اس کے ہاتھوں سے پھسلتی رہی۔

"پروفیسر کو بلاؤ۔ ایسے کام نہیں چلے گا۔" سادھنا نے کہا۔ پھر فاروق سے مخاطب ہوئی۔ "آؤ چلیں۔"

"ہوا کیا ہے؟"

"ٹیکنیکل پرابلم ہے۔ تم نہیں سمجھ سکو گے۔"

باہر نکلتے ہی فاروق نے سادھنا کا ہاتھ تھام لیا۔ "تم نے بلبیر کو یہ بتانے سے روک دیا کہ آئندہ چھ ہفتوں میں کیا ہونے والا ہے۔ مگر یہ بتاؤ کہ ڈائل اور سوئی والا کیا چکر ہے۔ تم اور بلبیر اتنے پریشان کیوں ہو رہے تھے؟"

"یہ روحوں کا چکر ہے۔ انھوں نے بلبیر کو مشین کھولنے پر مجبور کر دیا۔" پھر فاروق کے چہرے کا تاثر دیکھ کر بولی۔ "برا منہ مت بناؤ۔ یہ مشین بھوت پریت کا نہیں، توانائی کی لہروں کا سراغ لگاتی ہے لیکن اب انھوں نے اس مشین کو ناکارہ بنا دیا ہے۔"

"روحوں کو تمھاری مشینوں میں گڑبڑ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"اس کیوں کا جواب تو ہم بھی تلاش کر رہے ہیں۔"

"تم مجھے بتانا نہیں چاہتیں۔ وہ بھوت نہیں، توانائی کی کوئی بدلی ہوئی نامعلوم شکل ہوئی، جسے تم لوگ سمجھ نہیں پا رہے ہو۔"

"یہ روحیں ہیں اور ان میں سے بعض روحیں تو بڑی تخریب کار ہیں۔"

اب وہ لیبارٹری کے دوسرے حصے میں پہنچ چکے تھے۔ راہداری میں کمرے ہی کمرے تھے۔ سادھنا نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا۔ وہاں ایک پلنگ پر ایک شخص لیٹا تھا۔ بظاہر وہ سو رہا تھا لیکن اس کی پلکیں پھڑپھڑا رہی تھیں۔

"یہ ہمارا اہم ترین معمول ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ نیند کے دوران اس کی روح جسم سے نکل جاتی ہے۔ ایسے میں یہ جہاں چاہے جا سکتا ہے...... خلاؤں میں بھی۔" سادھنا نے بتایا۔

"یہ محض اس کا دعویٰ ہے نا؟" فاروق نے پوچھا۔

"یہ ہم پر ثابت بھی کر چکا ہے۔ سونے سے پہلے ہم اسے بتاتے ہیں کہ عمارت کے باہر سفیدے کے درخت پر ایک کاغذ چپکا دیا گیا ہے۔ جس پر کچھ لکھا ہے۔ اکثر اس نے وہ تحریر لفظ بہ لفظ سنا دی ہے۔"

"یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ذہن پڑھ رہا ہو۔" فاروق نے اعتراض کیا۔

"یہ ڈبل بلائنڈ اسٹڈی ہے۔ فاروق! تحریر کا علم صرف ایک ایسے شخص کو ہوتا ہے، جس کا اس تجربے سے کوئی تعلق نہیں۔ جسے یہ معمول جانتا ہی نہیں۔"

"تب تو انٹیلی جنس والوں کے کام کا آدمی ہے یہ!"

"نہیں، یہ ہمیشہ ہدایت کے مطابق کام نہیں کر سکتا۔ البتہ کبھی کبھی یہ کسی دوسرے ملک بھی ہو آتا ہے۔"

"ناقابلِ یقین، کاش میں اس پر یقین کر سکتا۔"

سادھنا نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا اور دوسرے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"یہ ایک ایسا سائیکک ہے، جو غیر مادی قوتوں کے معاملے میں بے حد حساس ہے۔ یہ ایک معمول ہے جس کا دوسری دنیا سے رابطہ ہے۔" اس نے دروازہ کھولنے سے پہلے پہلے کہا۔

فاروق کو پشپا کا خیال آگیا۔ "میں تو سمجھتا تھا کہ یہ بیماری صرف عورتوں کو لاحق ہوتی ہے۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"پلیز...... ہیری کے سامنے کوئی ناخوشگوار بات نہ کرنا میں اسے اپ سیٹ نہیں کرنا چاہتی۔ یہ ہمارا اہم ترین معمول ہے۔"

یہ کہہ کر سادھنا نے دروازہ کھولا۔ کمرے میں ایک میز اور چند کرسیاں تھیں۔ ایک کرسی پر خوش لباس شخص بیٹھا کسی میگزین کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ انھیں دیکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہیری...... یہ میرے صحافی دوست ہیں...... فاروق۔" سادھنا نے کہا۔ "میں انھیں قائل کرنا چاہتی ہوں۔ میری خاطر تم ایک سٹنگ دے سکو گے؟"

"ایک منٹ۔" فاروق نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ "اس کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"آپ کس سے خوف زدہ ہیں مسٹر فاروق؟" ہیری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں کیوں خوفزدہ ہونے لگا۔ بس میں ان شعبدے بازیوں پر یقین نہیں رکھتا۔"

ہیری پھر مسکرایا۔ "نہیں...... آپ واقعی خوفزدہ ہیں۔"

فاروق کی آواز بلند ہوگئی۔ "کیا تم بھی اپنے عمل کے دوران اندھیرا کرتے...... گھنٹیاں بجاتے ہو؟"

"آپ مجھ سے بچنے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں؟ آپ کچھ چھپانا چاہتے ہیں۔ نہیں تو مجھے رابطہ قائم کرنے دیں۔ اچھا...... یہ بتائیں، آپ کی والدہ زندہ ہیں؟"

فاروق نے خالی خالی نظروں سے سادھنا کو دیکھا۔ اس وقت وہ زرینہ اور تمکین کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ "مجھے معلوم نہیں۔ ان سے میرا رابطہ برسوں پہلے ٹوٹ گیا تھا۔"

ہیری نے سر کو تفہیمی جنبش دی اور آنکھیں موندلیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے چہرے کے نقوش بدلے، جھریاں نمودار ہوئیں اور وہ بوڑھا لگنے لگا۔ جسم بھی سکڑا ہوا سا لگنے لگا۔ پھر وہ بولا تو اس کی آواز بھی بدلی ہوئی تھی۔ "میں یہاں ہوں، میں تمھارے پاس آگیا ہوں۔ مجھے تمھارے پاس آکر خوشی ہوئی۔"

فاروق ٹھرا کر رہ گیا۔ اس نے سرگوشی میں سادھنا سے پوچھا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"یہ پرتاپ ہے.......... ہیری کا لڑکپن کا استاد۔ دوسری دنیا سے ہیری کا رابطہ یہی ہے۔ یہ وہاں مطلوبہ روحوں کو تلاش کرتا اور ان کے لیے ان سے پیغامات لے جاتا اور لاتا ہے۔" سادھنا نے کہا اور پھر بدلے ہوئے ہیری کی طرف مڑی۔ "پرتاپ.......... یہاں فاروق صاحب موجود ہیں۔ تم ان کی والدہ سے رابطہ قائم کرسکتے ہو؟"

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر ہیری کے لبوں سے پرتاپ کی آواز اُبھری۔ "میرے ساتھ ایک خاتون ہیں۔ وہ پوچھ رہی ہیں.......... ننھے کیسے ہو؟"

فاروق کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ سادھنا نے اس کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی میں اس سے پوچھا۔ "یہ بات سمجھ میں آئی ہے.......... یا مہمل معلوم ہو رہی ہے۔"

"خاتون کہہ رہی ہیں.......... ننھے، میں نے تمھارے ساتھ جو کچھ کیا، اس پر شرمندہ ہوں۔ مگر میں مجبور تھی۔"

"خدا کی پناہ!" فاروق کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ صرف اس کی ماں اسے ننھے کہہ کر پکارتی تھی۔ وہ تیزی سے کمرے سے نکلا۔ سادھنا اس کے پیچھے تھی۔ وہ سیڑھیوں تک پہنچا تھا کہ سادھنا اس تک پہنچ گئی۔ "میں تمھاری والدہ سے پوچھنا چاہتی تھی کہ انھوں نے تمھیں آداب کیوں نہیں سکھائے۔"

"یہ گھٹیا شعبدہ ہے سادھنا۔ میرا جی چاہتا ہے، اس جھوٹے ہیری کا منہ توڑ دوں۔" فاروق غرایا۔

"جو کچھ اس نے کہا، وہ درست نہیں تھا؟" سادھنا نے پوچھا۔

"درست تھا، مگر یہ گھٹیا شعبدہ ہے۔ میں نے اس سلسلے میں پڑھا ہے کہ جعلی معمول اپنے ہدف کے بیک گراؤنڈ کے متعلق پہلے ہی معلوم کرلیتے ہیں۔ کچھ لوگ ذہن پڑھ لیتے ہیں۔ ہیری نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے میرے متعلق مجھ سے معلوم کرلیا ہوگا۔"

سادھنا نے سر کو اثباتی جنبش دی۔ "کچھ کیسز میں یقیناً ایسا ہی ہوتا ہے لیکن میں نے

تو وہ معلومات بھی حاصل ہوتے دیکھی ہیں، جن کا ہدف مرچکا تھا۔ مثلاً ایک بار ہیری نے ایک شخص کے بارے میں بتایا کہ وہ فرانس میں مرچکا ہے۔ بعد میں اس کی تصدیق ہوگئی۔ یقین کرو، ہیری اصلی معمول ہے۔"

فاروق نے نفی میں سرہلایا۔ "وہ چالاکی سے کام لیتا ہے، وہ آدمی کا صرف ذہن پڑھ سکتا ہے۔"

"ایک تجربہ اور کرلو۔ ممکن ہے، ہیری کوئی ایسی بات بھی بتاسکے، جس سے تم بھی لاعلم ہو۔ ممکن ہے، وہ تمھارے والد تک پہنچ جائے۔"

"وہ میرے ذہن کو پڑھ کر میرے باپ تک نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ اپنے باپ کے بارے میں تو میں خود بھی کچھ نہیں جانتا۔ کیا پتا، میری ماں بھی نہ جانتی ہو۔ میں پانچ چھ سال کا رہا ہوں گا۔ میری ماں مجھے ایک اسٹور کے سامنے چھوڑ کر.......... یہ کہہ کر گئی کہ ننھے، تم یہیں رکو میں ابھی آئی۔ آدھے گھنٹے کے انتظار کے بعد میں اسٹور میں گیا۔ پتا چلا، اسٹور کا ایک دروازہ پیچھے کی طرف بھی کھلتا ہے۔ اس کے بعد میں نے اپنی ماں کی شکل آج تک نہیں دیکھی۔ میں یتیم خانے میں رہا۔ پھر وہاں سے بھاگ نکلا۔ مزدوری کر کے پڑھتا رہا.........."

سادھنا نے اسے ہمدردی سے دیکھا۔ "مجھے افسوس ہوا یہ سن کر۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔ وہ تکلیف دہ ماضی تو میں بہت پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔ بس مجھے یہ سوچنا عجیب لگتا ہے کہ میری ماں مرگئی ہے۔ میں تو ہمیشہ یہ سوچتا تھا کہ کبھی وہ ملے گی.......... اور مجھے بتائے گی کہ مجھے کیوں اکیلا چھوڑ گئی تھی اور مجھے ہیری کی بات پر یقین نہیں.........." فاروق نے سر جھٹکا۔ "میں ہیری سے پھر ملنا چاہتا ہوں۔"

ہیری دوبارہ سٹنگ کرتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ سٹنگ میں اس کی بڑی توانائی ضائع ہوتی ہے۔ تاہم سادھنا کے بے حد اصرار پر اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس نے پھر آنکھیں موندلیں۔ ایک بار پھر اس کے چہرے کے خدوخال بگڑے۔ پھر پرتاپ کی آواز سنائی دی۔ "میں آگیا ہوں.........."

فاروق نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "یہ بتاؤ، میرے ماموں نے اپنی دولت کہاں دفن کی تھی؟"

سادھنا نے کڑی نظروں سے فاروق کو دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہ بولی۔ ہیری کے

ہونٹ کچھ دیر ساکت رہے۔ پھر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ "پرتاپ بابو چلے گئے۔" اس نے کہا۔ "میرا خیال ہے' فضا رابطے کے لیے سازگار نہیں۔"

فاروق کا غصہ انتہا کو پہنچ گیا۔ "تم فراڈ ہو۔" اس نے چیخ کر کہا۔ "جھوٹے' دھوکے باز ہو تم۔"

"میں اس الزام کے جواب میں کچھ نہیں کہوں گا۔"

سادھنا نے فاروق کا کندھا تھپک کر اس کا غصہ سرد کرنے کی کوشش کی۔ "خوفزدہ یہ ہے سادھنا۔ یہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ میں خوف زدہ ہوں لیکن یہ ڈر رہا ہے کہ اس کی پول کھل جائے گی۔"

"یہ بات نہیں۔" ہیری نے کہا۔ پھر ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انھیں چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر اس نے دوبارہ آنکھیں موندیں اور ٹرانس میں چلا گیا۔ "اس وقت میرے ساتھ جو خاتون ہیں ان کا نام زرینہ ہے۔" پرتاپ کی آواز ابھری۔ "وہ تمھیں بتانا چاہتی ہیں کہ وہ اور تم.......... تمکی.......... ہاں تمکین.......... وہ اور تمکین بغیر کوئی تکلیف اٹھائے اس دنیا سے رخصت ہوئی تھیں۔ اب وہ جس جگہ ہیں وہ بے حد خوبصورت ہے۔ وہ کہہ رہی ہیں کہ انھوں نے اب آپ کو اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش ترک کردی ہے۔ کیونکہ آپ یہاں رہنا چاہتے ہیں۔ وہ آپ کو مس کرتی ہیں لیکن یہ بھی جانتی ہیں کہ آپ کبھی نہ کبھی انھیں ملیں گے.......... اور پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

فاروق نے بے دھیانی میں سر کو اثباتی جنبش دی۔ وہ اس شعبدے بازی پر حیران بھی تھا اور الجھ بھی رہا تھا۔ الجھن یہ بھی تھی کہ وہ اس خرافات پر یقین کرنا چاہتا تھا کئی ہفتے سے اسے کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہیں آیا تھا' کوئی غیر معمولی مشاہدہ نہیں ہوا تھا۔ اب ہیری یا پرتاپ کی زبانی اسے وجہ معلوم ہو رہی تھی۔ زرینہ نے اپنی کوشش ترک کردی تھی۔ یہ بات ہیری کو کیسے معلوم ہوئی؟ خیر.......... یہ اتنی بڑی بات بھی نہیں۔

وہ چند لمحے سوچتا رہا پھر بولا۔ "زرینہ سے پوچھو' میرے خریدے ہوئے پرائز بانڈ اس نے کہاں رکھے ہیں؟" یہ بہترین آزمائش تھی۔ کیونکہ بانڈز کے بارے میں اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ صرف اور صرف زرینہ ہی جانتی تھی۔

ہیری یا پرتاپ کی خاموشی سے اس نے اندازہ لگایا کہ وہ اس کا ذہن پڑھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ دل ہی دل میں ہنسا۔

"وہ کہہ رہی ہے کہ انگلینڈ سے متعلق کوئی کتاب بک شیلف کے اوپری خانے میں رکھی ہے۔ کتاب کا نام انھیں یاد نہیں۔ مگر اتنا ہے کہ وہ سرخ مجلد کتاب ہے۔ بانڈز اسی کتاب میں رکھے ہیں وہ کہہ رہی ہیں کہ.........."

اچانک ایک خوف ناک چیخ فضا میں گونجی۔ ہیری یا پرتاپ کی آواز اس میں دب گئی۔ آواز راہداری کی سمت سے آئی تھی۔

ہیری نے آنکھیں کھول دیں۔ اس نے یوں سر جھٹکا' جیسے کسی دوا کے زیر اثر سونے کے بعد جاگا ہو۔ فاروق اور سادھنا اٹھ کر باہر لپکے۔ راہداری میں انھیں ڈاکٹر پال' ڈاکٹر ماتھر اور دو ٹیکنیشن لیبارٹری کی طرف بھاگتے دکھائی دیئے۔ چیخ اب آہستہ آہستہ دم توڑ رہی تھی۔

"بی لیب۔" ڈاکٹر ماتھر نے چیخ کر کہا۔ پھر اس نے بی لیب کے دروازے کی ناب پر ہاتھ رکھا مگر تیزی سے کھینچ لیا۔ "ارے.......... یہ تو گرم ہو رہا ہے۔"

ڈاکٹر پال نے جیب سے رومال نکال کر اس کی مدد سے ناب گھمائی لیکن دروازہ کھولنے کے لیے اسے خاصا زور لگانا پڑا۔ دروازہ کھلتے ہی اندر سے دھوئیں کا سیاہ بادل نمودار ہوا۔ ساتھ ہی جلنے کی ناگوار بو۔ دروازے والی دیوار کے ساتھ ایک انسانی وجود لٹکا ہوا تھا اس کے جسم کے تمام کھلے حصے سیاہ پڑ چکے تھے۔ ہاتھ یوں اٹھا ہوا تھا جیسے وہ آخری لمحوں میں دروازہ کھولنے کی غرض سے ناب کی طرف ہاتھ بڑھا رہا ہو۔

"یہ.......... تو بلبیر ہے۔" ڈاکٹر پال نے سرگوشی میں کہا۔ پھر اس نے نبض محسوس کرنے کے لیے جھلسی ہوئی کلائی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ جس سے اب بھی دھواں اٹھ رہا تھا۔ "جلدی سے کیمرا لاؤ۔" اس نے ایک ٹیکنیشن سے کہا اور دوسرے کو پولیس کو مطلع کرنے کی ہدایت کی۔

پھر لاش کا ہاتھ نیچے کی طرف جھول گیا۔ کالک سی نیچے گری' جو جلے ہوئے ٹوسٹ پر بھی ہوتی ہے۔ بو اتنی شدید تھی کہ دم گھٹا جا رہا تھا۔ فاروق کھڑکی کھولنے کے لیے بڑھا۔

"کسی چیز کو مت چھونا۔" ڈاکٹر پال نے لاش پر جھکتے ہوئے کہا۔

لاش کا چہرہ بال سمیت اور جسم کے تمام کھلے ہوئے حصے جل کر کوئلہ ہو چکے تھے۔ لیکن اس کے کپڑے سلامت تھے اس وقت یہ فاروق کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کپڑوں کے نیچے بدن بھی جل چکا ہوگا۔

پہلا ٹیکنیشن کیمرا لے کر آیا اور اس نے مختلف زاویوں سے جلدی جلدی تصویریں لیں۔ پھر دوسرا ٹیکنیشن پولیس اسٹیشن فون کرکے واپس آیا اور نیچے گری ہوئی کالک سمیٹنے لگا۔ اس کا کیمیاوی تجزیہ کیا جانا تھا۔ فاروق یہ سب کچھ حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ جو کچھ پولیس کو کرنا تھا' وہ لوگ خود کر رہے تھے۔

"یہ ہوا کیسے؟ کیا ہوا؟" اس نے پوچھا۔

سادھنا نے' جو لیبارٹری کا جائزہ لے رہی تھی' جواب دیا۔ "پہلی بات تو یہ کہ آسانی سے آگ پکڑنے والے کیمیکل کا کام نہیں۔ کیونکہ یہاں ایسے کیمیکلز موجود ہی نہیں۔ دوسری بات یہ کہ بلبیر سگریٹ نہیں پیتا تھا۔ لہٰذا ایک اور امکان ختم ہوا۔"

فاروق اس کے پُرسکون انداز پر حیران تھا۔ صرف وہی نہیں' پی آر آئی کے تمام لوگوں کا یہی حال تھا۔

"مجھے لگتا ہے کہ اس آگ کی غذا بلبیر کے جسم کی چربی تھی۔" سادھنا نے مزید کہا۔

ایک ٹیکنیشن نے پنسل بلبیر کی لاش میں گڑوئی۔ پھر اسے نکال کر بہ غور دیکھا۔

"تمہیں پولیس کو کچھ نہ کچھ تو بتانا ہوگا۔" ڈاکٹر ماتھر نے کہا۔

"کیا مطلب' کیا آپ لوگوں کو یہ اعتراف کرتے ہوئے شرم آئے گی کہ آپ کو آگ کا سبب معلوم نہیں؟" فاروق نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

ماتھر نے ڈاکٹر پال کو دیکھا۔ پال نے سر کو اثباتی جنبش دی۔ وہ گویا اشارہ تھا۔ ماتھر پھر فاروق کی طرف متوجہ ہوا۔ "آگ کا کوئی سبب ضرور ہوتا ہے۔ اب گردوپیش کا جائزہ لو۔ یہاں کسی اور چیز پر آتش زنی کا کوئی نشان نہیں۔ دیوار پر بھی نہیں' جس سے بلبیر ٹکا تھا۔ اس کرسی پر بھی نہیں' جس پر وہ بیٹھا تھا۔ لگتا ہے' بلبیر کے جسم کے سوا آگ نے کسی چیز کو چھوا ہی نہیں۔"

"اس لیے کہ اس نے ان میں سے کسی چیز کو چھوا ہی نہیں ہوگا۔ ناب کو چھوا تھا تو وہ آپ کو بھی گرم محسوس ہوئی تھی۔" فاروق نے جواب دیا۔

"تمہیں اندازہ نہیں ہے۔ اس کے کپڑے صحیح سلامت ہیں۔ مگر کپڑوں کے نیچے پورا جسم جل کر کوئلہ بن چکا ہے۔" ڈاکٹر ماتھر نے انکشاف کیا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ!" فاروق بری طرح گڑبڑا گیا۔ "ممکن ہے' جسم پر

کوئی کیمیکل لگا ہو۔ سرکس میں آگ کے کھیل میں ایسا کیمیکل استعمال کرتے ہیں۔"

"ایسی کوئی چیز اس لیبارٹری میں موجود نہیں۔" سادھنا بولی۔

"کیا پتا کیمیکل وہ ساتھ لایا ہو۔" فاروق کا منطقی ذہن اس غیر منطقی صورتِ حال سے نبرد آزما تھا۔ مگر اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

سادھنا نے نفی میں سر ہلایا۔ "کچھ بھی ہو' اتنی شدید آگ میں کپڑے بالکل محفوظ رہنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔"

فاروق نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ "بجلی کا کوئی چکر بھی ہوسکتا ہے ممکن ہے' ہائی وولٹیج کا شاک لگا ہو۔"

"الیکٹرک شاک کا نشان جسم کے ایک حصے پر ہوتا ہے' پورے جسم پر نہیں اور اس صورت میں اسے چیخنے کا موقع بھی نہیں مل سکتا تھا۔"

ڈاکٹر پال کے انداز سے لگ رہا تھا کہ اسے ان کی بحث سے کوئی غرض نہیں۔ اس نے کہا۔ "عجیب بات یہ ہے کہ آگ ہمارے اندر آنے سے پہلے بجھ گئی۔"

"موضوع بدلنے پر معافی چاہتا ہوں۔ مگر بلبیر کی بیوی کو مطلع کردینا چاہیے۔" فاروق نے کہا۔

"یہ کام پولیس کرے گی۔" ڈاکٹر پال نے کہا۔ اسی وقت دور سے پولیس کار کے سائرن کی آواز سنائی دی۔

فاروق نے ڈاکٹر پال سے پوچھا۔ "آپ بھی نہیں بتاسکتے کہ آگ کیسے لگی؟"

"مجھے تو یہ خودسوزی کا کیس معلوم ہوتا ہے لیکن یہ معما حل نہیں کیا جاسکا کہ کپڑے جلنے سے کیسے محفوظ رہے۔ ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ روحوں کی حرکت ہے۔"

فاروق نے قہقہہ لگایا۔ "روحوں کو بلبیر سے کیا دشمنی ہوسکتی ہے؟"

"جب سے یہ تجربہ شروع ہوا ہے' متعدد عجیب واقعات پیش آچکے ہیں۔ مشینیں خواہ مخواہ ٹوٹتی رہی ہیں۔ مشاہدات کے مسودے غائب ہوتے رہے ہیں۔ ایک ٹیکنیشن نے قسم کھاکر بتایا کہ اس نے ایک بھوت دیکھا تھا۔ وہ اسی دن سے نوکری بھی چھوڑ گیا تھا۔ یہ اور عجیب بات ہے کہ جیسے جیسے تجربات آگے بڑھتے ہیں' واقعات پیش آنے کی رفتار بھی بڑھ گئی ہے۔"

"اب آج ہی کی بات لے لو۔ ایک ڈائل بے قابو ہوگیا تھا۔" سادھنا نے مداخلت

کی۔

"یہ بھی بھوتوں ہی کی حرکت ہوگی۔" ڈاکٹر پال نے کہا۔ "میں متعدد کیسز میں دیکھ چکا ہوں کہ بھوت انسانوں کو ہر طرح کا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔"

"مجھے یہاں سے ڈرا کر بھگانے کے لیے آپ کو کوئی سائنٹیفک بھوت دکھانا ہوگا۔ میں بھوت پریت پر یقین نہیں رکھتا۔"

"مسٹر فاروق، ہمیں تم کو یہاں سے دور رکھنے کے لیے کسی بہانے کی ضرورت نہیں۔ ہم تمہارے پابند نہیں ہیں۔" ڈاکٹر پال نے سرد لہجے میں کہا۔

"اور آپ کہتے ہیں کہ آپ پبلسٹی سے ڈرتے ہیں۔ تو پھر مجھے یہ سب کیوں بتارہے ہیں آپ؟"

"تم یہ سب لکھ کر دیکھ لو۔ یقین کوئی نہیں کرے گا۔"

"سوال یہ ہے کہ بھوت یہ حرکتیں کیوں کر رہے ہیں؟ اور آپ اور آپ کا اسٹاف موت کے خطرے کے باوجود اپنا کام کیوں جاری رکھے ہوئے ہے؟"

ڈاکٹر پال مسکرایا۔ "سپاہی جنگ لڑنے جاتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ موت کا قوی امکان موجود ہے۔ اس کے باوجود وہ جنگ میں حصہ لیتا ہے اور اگر ہمیں یقینی طور پر یہ علم ہو کہ ہم میں سے ہر ایک کو بھوت، بلبیر کی طرح ختم کردیں گے تو ممکن ہے، ہم اپنا کام روک دیں۔ لیکن ہم سائنٹیفک ذہن کے لوگوں کو ثبوت کے بغیر کسی بات پر یقین نہیں آتا۔ بلبیر کی موت اور دیگر واقعات کا کوئی اور سبب بھی تو ہوسکتا ہے۔" اس نے بلبیر کی لاش کو گھورا اور کچھ توقف کے بعد دوبارہ بولا۔

"ہمیں پولیس کو کچھ نہ کچھ بتانا ہی ہوگا۔ ورنہ وہ ہمارے کام میں رخنہ اندازی کریں گے۔ ہم انہیں بتائیں گے کہ بلبیر آگ پکڑنے والے کیمیکلز ملانے کے دوران بے پروائی کا مرتکب ہوا تھا، اس لیے جل مرا۔" یہ کہہ کر ڈاکٹر پال نے کیمیکلز کی الماری کھولی اور ایک کیمیکل منتخب کیا۔ اس نے وہ کیمیکل بلبیر کی لاش پر چھڑک دیا اور دیا سلائی دکھادی۔ دیکھتے ہی دیکھتے لاش کے کپڑے بھی جل کر راکھ ہوگئے۔

"یہ کس لیے؟" فاروق نے پوچھا۔

"کپڑوں کا نہ جلنا پولیس کو کنفیوز کردیتا۔ جبکہ اس کا کوئی منطقی جواز نہیں ہے۔ میں نے پولیس کا کام آسان کردیا ہے۔" ڈاکٹر پال نے جواب دیا۔

"اس طرح آپ نے پولیس کی تفتیش میں خلل اندازی کی ہے۔"

ڈاکٹر پال نے منہ بناکر کہا۔ "تو تم پولیس کو سب کچھ بتادو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

فاروق نے فیصلہ کیا کہ پولیس کو بتانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ کوئی اس کی بات پر یقین نہیں کرے گا اور وہ اس قسم کا کوئی مظاہرہ کرکے دکھا نہیں سکتا۔

☆======☆======☆

سادھنا فاروق کو اپنے گھر لے آئی تھی۔ وہ بہت تھکا ہوا تھا۔ پولیس کی کارروائی بے حد مختصر تھی اور تفتیشی افسران بے حد مطمئن واپس ہوئے تھے۔ کیونکہ بظاہر کیس میں کوئی بھی پیچیدگی نہیں تھی۔ کسی حادثاتی موت میں بھی نہیں ہوتی۔

فاروق کے ذہن میں رہ رہ کر یہ خیال چبھ رہا تھا کہ جو کچھ اس نے دیکھا اور سنا ہے، قابلِ اشاعت ہے کہ نہیں.......... لکھا جائے کہ نہ لکھا جائے؟ ممکنہ طور پر حقیقت یہ تھی کہ بھوتوں نے ایک شخص کو جلا کر مار ڈالا تھا۔ سائنس دانوں نے یہ بات پولیس سے چھپالی تھی لیکن وہ بتاتے بھی تو اس پر کوئی یقین نہ کرتا اور اگر سلیل گپتا اس کی رپورٹ شائع کرنے پر رضامند ہو بھی جاتا تو رپورٹ سادھنا، ڈاکٹر پال.......... بلکہ انسٹی ٹیوٹ کے لیے بھی نقصان دہ ہوتی۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ سادھنا اس سلوک کی ہرگز مستحق نہیں تھی۔

سادھنا اس کے لیے چائے لے کر آئی تو اس کے ذہن میں ہلچل مچ گئی۔ اس کا جی چاہا کہ اسے بانہوں بھر لے۔ اس میں کوئی حرج نہیں تھا کیونکہ سادھنا کی نگاہوں میں بلاوے تھے مگر اس کی نگاہوں میں بلبیر کی سوختہ لاش پھر گئی۔ اسے ایسا لگا جیسے کسی نے اس کے کھولتے جسم پر یخ بستہ پانی ڈل دیا ہو۔

پھر اچانک اسے احساس ہوا کہ اس کے جذبات سرد پڑنے سے بلبیر کی موت کا کوئی تعلق نہیں۔ بلبیر کی موت کو تو وہ شخص عذر کے طور پر استعمال کر رہا ہے۔ درحقیقت زرینہ سے بے وفائی کا خیال اسے پیش قدمی سے روک رہا ہے۔ اس نے زور سے سر جھٹکا۔ زرینہ اب اس دنیا میں نہیں تھی اور کسی کی موت کی وجہ سے انسان فطری تقاضوں سے محروم نہیں ہوتا۔ جو گزر گیا، اسے بھلا دینا ہی عین زندگی ہے.......... اور زندگی خود کبھی فطرت سے متصادم بھی نہیں ہوتی۔

"تم بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو؟" سادھنا نے اس کے برابر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میں روحوں.......... بلکہ بھوتوں کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ تمہیں اتنا یقین

کیوں ہے کہ ڈائل والی گڑبڑ روحوں کی مداخلت کی وجہ سے تھی۔"

"چھٹی حس کہہ لو۔"

"اور تم یہ کیوں سمجھتی ہو کہ اب تک لیبارٹری میں جو بھی گڑبڑ ہوئی ہے، اس میں کوئی انسانی ہاتھ ملوث نہیں تھا۔ ممکن ہے، یہ ڈاکٹر پال کے کسی حریف کی حرکتیں ہوں۔ کوئی بھی ایسا شخص یہ سب کچھ کرسکتا ہے، جو تم لوگوں کو کامیاب ہوتے نہیں دیکھنا چاہتا۔"

وہ چند لمحے سوچتی اور چائے کے گھونٹ لیتی رہی۔ "تم سمجھتے ہو، یہ اندر کے کسی آدمی کی حرکت ہے۔" اس نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ "دیکھو.......... ہم سب ایک ٹیم کی طرح ہیں۔ ڈاکٹر پال محض اس ٹیم کا ایک رکن ہے۔ اس کی ناکامی ہم سب کی ناکامی ہے۔ باہر سے کوئی گڑبڑ ممکن نہیں۔ ہمارا سیکیورٹی نظام ناقابلِ شکست ہے۔" وہ کچھ دیر خاموش رہی، پھر بولی۔ "ایک بات اور۔ سائنس داں ہمارے کام سے چڑتے ہیں لیکن وہ ہمیں نظر انداز کرتے ہیں۔ ہمیں روکنے کی کوشش نہیں کرتے کیونکہ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ کوئی اور وہیں سے کام آگے بڑھائے گا، جہاں ہم نے چھوڑا ہو گا۔"

"سنو.......... تم لوگ اس امر میں دلچسپی لے رہے ہو کہ روح جسم سے کیسے نکلتی ہے۔ تمہارے خیال میں جسم میں داخل کیسے ہوتی ہو گی؟" فاروق نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"وضع حمل اور پیدائش کے درمیان کسی مرحلے میں ایسا ہوتا ہے۔ زندگی کے لیے بیج بہت ضروری ہے۔"

"اور جو بیج اِدھر اُدھر ضائع ہوتے ہیں، کیا ان میں بھی روح ہوتی ہے؟"

"چھوڑو ان باتوں کو کتنے ہی سوال ایسے ہیں، جن کے جواب مجھے بھی درکار ہیں۔" سادھنا نے کہا۔ "مجھے اپنی بیوی اور بچی کے بارے میں بتاؤ۔"

"کیا کہوں۔ وہ دونوں بہت اچھی تھیں۔" فاروق نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "ہم بہت خوش تھے۔ ہم نے مل کر بہت کچھ کیا۔ اب مجھے سب سے زیادہ تکلیف ان راہوں سے گزرتے ہوئے ہوتی ہے جن پر ہم ساتھ چلے تھے۔ چھوٹی چھوٹی باتیں یاد آتی ہیں اور بہت ستاتی ہیں۔ یہ کہنا بہت عجیب لگتا ہے کہ وہ چلی گئیں۔ ابھی چند روز پہلے میرا یہ جواب سن کر ایک شناسا نے افسردگی سے سر ہلاتے ہوئے کہا.......... ہاں، آج کل

طلاقیں بہت ہو رہی ہیں' میں اسے بتانا نہیں چاہتا تھا لیکن میں نے بتایا کہ وہ کبھی نہ آنے کے لیے گئی ہیں.......... اور یہ کہتے ہوئے بڑی اذیت محسوس ہوئی مجھے۔ اب تم بتاؤ اپنے بارے میں۔"

"میری کہانی بہت مختصر ہے۔ شادی کرنے کی فرصت کبھی نہیں ملی۔ محبت بھی کسی سے نہیں ہوئی تھی۔ اب ہوئی ہے۔" سادھنا نے بڑی سادگی سے کہا۔

فاروق اس بلاواسطہ اظہار پر حیران رہ گیا۔ اس نے سادھنا کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ سادھنا نے ریسیور اٹھایا۔ کچھ دیر وہ سنتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے تھے۔ "نہیں.......... بھگوان نہیں۔ میں ابھی آرہی ہوں۔" اس نے چیخ کر کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ پھر وہ فاروق سے مخاطب ہوئی۔ "لیب میں ایک اور خوف ناک حادثہ ہوگیا ہے۔" اس کے لہجے میں خوف تھا۔

وہ لیبارٹری میں داخل ہوئے تو اٹینڈنٹ' ڈاکٹر پال کی لاش پر چادر ڈال رہے تھے۔ ڈاکٹر پال کی پھٹی پھٹی آنکھیں اب بھی کھلی ہوئی تھیں۔ اس کی لاش دفتر کے ایک کمرے میں پڑی ملی تھی۔ اس کی کرسی اُلٹی ہوئی تھی۔ میز پر کاغذات بکھرے ہوئے تھے۔ کچھ کاغذات فرش پر بھی بکھرے ہوئے تھے۔

ڈاکٹر ماتھر ایک طرف کھڑا لاش کو لے جائے جاتے دیکھ رہا تھا۔ پھر وہاں صرف وہ تینوں رہ گئے.......... فاروق' سادھنا اور ماتھر۔ فاروق اداس ہوگیا تھا۔ ڈاکٹر پال کے سرد رویے اور بے مہری کے باوجود وہ ڈاکٹر کو پسند کرنے لگا تھا۔ "لاش کس نے دریافت کی؟" اس نے پوچھا۔

"میں نے۔" ماتھر نے ٹھوڑی کھجاتے ہوئے کہا۔ "انہوں نے آج مجھے کسی ضروری کام کی وجہ سے بلایا تھا۔ کام کی نوعیت مجھے معلوم نہیں ہوسکی۔"

"پولیس کو فون کیا آپ نے؟"

ماتھر کے چہرے پر تناؤ نظر آیا۔ "قدرتی موت تھی تو پولیس کو مطلع کرنے کی کیا ضرورت ہوسکتی تھی؟"

فاروق نے کمرے کی بے ترتیبی کا جائزہ لیا' جو دھینگا مشتی کی کہانی سنا رہی تھی۔

"آپ اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں؟" اس نے ماتھر سے پوچھا۔

"میں سند یافتہ فزیشن ہوں۔"

"لیکن آپ کے اندازے کی تصدیق پوسٹ مارٹم رپورٹ ہی کرسکے گی۔"

"میرے خیال میں اس کی ضرورت نہیں۔"

"میں سمجھتا ہوں کہ پولیس کو مطلع کرنا ضروری ہے۔"

ماتھر نے نفی میں سرہلاتے ہوئے کہا۔ "تم بہت شکی آدمی ہو۔"

"ذرا ایک نظر کمرے کا حشر دیکھئے۔ صاف پتا چل رہا ہے کہ یہاں زبردست جدوجہد ہوئی ہے۔"

"دل کے دورے میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ مرنے والا بُری طرح ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں۔" ماتھر نے کہا۔ پھر کچھ سوچنے کے بعد بولا۔ "دیکھو.......... ہمارا تجربہ پہلے ہی دشواریوں سے دوچار ہے۔ منفی پبلسٹی بالکل ہی بیڑا غرق کردے گی۔"

"اگر آپ نے پولیس کو مطلع نہیں کیا تو انڈین ٹائمز سے آپ کو جو پبلسٹی ملے گی' وہ بدترین ہوگی۔"

"تم یہاں صرف چٹ پٹی خبر کے چکر میں آتے ہو۔" ماتھر نے غصے سے کہا۔ "خیر.......... اب اس پروجیکٹ کا انچارج میں ہوں۔ میں صاف گوئی سے بتادوں کہ مجھے اس تھیوری سے اتفاق نہیں کہ بلبیر کو بھوتوں نے جلا کر مارا تھا۔" اتنا کہتے ہی اسے شرمندگی کا احساس ہوا۔ وہ مدافعانہ انداز میں سادھنا سے بولا۔ "ہم جانتے ہیں کہ روحانی تحقیق کی طویل ہسٹری میں ایسی کوئی نظیر موجود نہیں کہ روحوں نے کسی انسان کو ہلاک کیا ہو۔ وہ تو کسی کو جسمانی طور پر ذرا سی تکلیف بھی نہیں پہنچا سکتیں۔"

سادھنا نے نفی میں سرہلایا۔ "خوف مہلک ثابت ہوسکتا ہے۔ پتھر کے زمانے میں لوگ سورج گرہن دیکھ کر بھی دہشت سے مرجاتے تھے۔"

"لیکن خوف آگ تو نہیں ہوتا۔" ماتھر نے اعتراض کیا۔

"ڈاکٹر' میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ مجھے ڈاکٹر پال کی موت غیر فطری معلوم ہوتی ہے۔ ان کے چہرے کا تاثر.......... ان کی آنکھیں دیکھیں آپ نے؟ ان میں مرنے کے بعد بھی بلا کی دہشت تھی۔"

اس بار فاروق نے سادھنا سے اختلاف کیا۔ "کیسی باتیں کر رہی ہو! تمہارا مطلب ہے کہ عالم ارواح سے ڈاکٹر پال کو کوئی ڈرانے آیا تھا کہ وہ تجربات سے باز رہیں۔"

"میں کچھ نہیں کہہ سکتی فاروق۔ پیٹر جون کی موت سے عجیب و غریب اتفاقات کا

ایک سلسلہ شروع ہوا ہے۔"

"پیٹر جون کی موت سے تو تمہارے پروجیکٹ کو فائدہ ہی ہوا۔ زبردست مالی امداد مل گئی بیٹھے بٹھائے۔"

"ٹھیک ہے فاروق۔" ڈاکٹر ماتھر نے کہا۔ "ڈاکٹر پال کا پوسٹ مارٹم ضرور ہوگا۔"

☆======☆======☆

فاروق سوچ رہا تھا کہ پیٹر جون' بلبیر اور ڈاکٹر پال کی اموات اتفاقیہ تھیں یا منصوبے کے تحت کیے جانے والے قتل۔ بلبیر اور ڈاکٹر پال کے سلسلے میں تو منطقی طور پر قوی امکان موجود تھا کہ کوئی پی آر آئی میں ہونے والے تجربات موقوف کرانا چاہتا ہے لیکن پیٹر جون کا معاملہ بالکل مختلف تھا۔ اس کی موت نے تو ادارے میں جان ڈال دی تھی اور پھر وہ تو سیکڑوں افراد کے سامنے مرا تھا لیکن یہ حیرت انگیز بات تھی کہ تین افراد مر گئے تھے اور پولیس انکوائری ایک کی بھی نہیں ہوئی تھی۔ وہ خود بھی اس سلسلے میں کچھ نہیں کرسکتا تھا۔

پی آر آئی میں حفاظتی انتظامات بہت سخت تھے۔ بغیر شناخت کرائے کوئی اندر داخل نہیں ہوسکتا تھا۔ ٹام ہنری نے کہا تھا' روحانیت پرست کبھی سائنسی تحقیق کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک یہ عقیدے کا معاملہ ہے اور وہ یہ خطرہ مول نہیں لے سکتے کہ ان کے عقیدے کے خلاف کچھ ثابت ہوجائے۔ ایسے لوگ ان تجربات کو روکنے کے لیے کچھ بھی کرسکتے ہیں۔ اس نے سوچا' اسے کم از کم ایک بار ٹام ہنری سے ملنا ہوگا۔

وہ بہت گہری سوچ میں تھا۔ اس نے چونک کر گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ ڈرائنگ روم میں اسے بک شیلف نظر آیا .... اور اس کے ساتھ ہی اچانک اسے وہ بات یاد آئی' جسے بلبیر اور ڈاکٹر پال کی موت نے دبا لیا تھا وہ اٹھا اور بک شیلف کی طرف لپکا۔ اوپری شیلف پر سُرخ جلد والی ایک ہی کتاب تھی۔ اس نے وہ کتاب نکالی۔ کتاب کا ٹائٹل تھا......... ہسٹری آف انگلینڈ......... اس کی سانسیں رُکنے لگیں۔ کانپتے ہاتھوں سے اس نے کتاب کھولی۔ صفحات کے درمیان بظاہر کوئی چیز نہیں تھی۔ اس نے سکون کا سانس لیا۔ ہیری فراڈ ثابت ہوگیا تھا۔ اس نے صفحات کو اچھی طرح ٹٹولنے کے خیال سے کور ہٹایا تو بانڈ نکل آئے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیر تک کبھی بانڈز کو' کبھی کتاب کو تکتا رہا۔

بانڈ والے واقعے نے فاروق کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ بانڈز کے متعلق زرینہ نے بتایا تھا یا

یہ معلومات خود اس کے ذہن کے کسی گوشے میں موجود تھیں جو ہیری نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے جان لی تھیں۔ کیا پتا' زرینہ نے کبھی اسے بتایا ہو کہ بانڈز کہاں رکھے ہیں......... اور شعوری طور پر اسے یاد نہ ہو۔

وہ آفس پہنچا تو پتا چلا کہ سادھنا اس کے لیے ایک لفافہ چھوڑ گئی ہے۔ اس نے لفافہ کھول کر دیکھا۔ اس میں ڈاکٹر پال کی پوسٹ مارٹم رپورٹ تھی۔ رپورٹ میں' موت کا سبب' کے آگے......... نامعلوم تحریر تھا۔

وہ دفتر سے اٹھا اور ٹام ہنری کے گھر گیا۔ اس نے ٹام کو تمام واقعات تفصیل سے بتائے۔ ٹام نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "سب بکواس ہے' میں تو بھوت پریت کی کہانیوں پر بھی کوئی تبصرہ نہیں کرتا۔ جہاں تک پی آر آئی کے تجربات کا تعلق ہے' میں ان سے بے حد ناخوش ہوں۔ کم از کم ان کے نتائج میں کوئی بھوت تو شامل نہیں ہونا چاہیے۔ میں تو یہی کہوں گا کہ یہ سب پیٹر جون کا کیا دھرا ہے۔"

"لیکن پیٹر تو مرچکا ہے۔"

"مسیح بھی مرچکے ہیں لیکن ان کے بے پناہ اثرات تو اب تک موجود ہیں۔" دہریے نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "ویسے پی آر آئی والے اگر یہ دعویٰ کریں کہ انہوں نے روح کا سراغ لگالیا ہے تو میں اسے فراڈ قرار دوں گا۔"

"آپ کے خیال میں وہ لوگ بددیانت ہیں؟"

"شہرت اور دولت سامنے ہو تو بڑے بڑے ڈگمگا جاتے ہیں۔"

فاروق سوچ میں گم تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ٹام ہنری بھی مذہب اور عقائد کے خلاف دیوانگی کی حد تک ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ تجربات کو رُکوانے کے لیے یہ سب کچھ کر رہا ہو۔ اگر روح کا وجود ثابت ہوگیا تو بے دین لوگوں کے سر جھک جائیں گے۔ ان کی شرمندگی بے حساب ہوگی۔

"میرے خیال میں پیٹر جون کے وصیت نامے میں کوئی خفیہ شق ضرور ہوگی' جس کی رُو سے جائداد پی آر آئی کو صرف اس صورت میں ملے گی' جب وہ روح کا وجود ثابت کردیں۔ اسی لیے وہ لوگ روح کا ڈھنڈورا پیٹنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" ٹام ہنری نے خیال آرائی کی۔

"میں نہیں سمجھتا کہ قانون میں........."

"لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ جو چیز موجود نہیں' اس کا وجود ثابت ہی نہیں کیا جاسکتا۔" ٹام ہنری نے اس کی بات کاٹ دی۔ "یہ کوششیں تو صدیوں سے کی جارہی ہیں لیکن کامیابی نہیں ہوئی' آج تک۔ جو مرگیا' سو مرگیا......... کہانی ختم۔"

☆======☆======☆

ڈاکٹر پال کے تابوت کو قبر میں اتارا جانے والا تھا۔ فاروق اور سادھنا پہلو بہ پہلو کھڑے تھے۔ فاروق یہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ڈاکٹر پال کو کس نے مارا ہوگا۔ وہاں پی آر آئی کے ٹیکنیشن اور دیگر اسٹاف بھی موجود تھا لیکن ان میں سے کسی کو ڈاکٹر پال کی موت سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ البتہ ڈاکٹر ماتھر پر شک کیا جاسکتا تھا۔ ڈاکٹر پال کو جس نے بھی قتل کیا تھا' وہ دواؤں کے بارے میں معلومات رکھتا تھا اور پھر اب وہ پروجیکٹ کا سربراہ تھا۔ یہ ڈاکٹر پال کی زندگی میں ناممکن تھا۔ کام اس انداز میں کیا گیا تھا کہ یا تو موت قدرتی قرار پائے یا بھوتوں کا کارنامہ قرار پائے۔

بھوتوں کا خیال آتے ہی وہ مسکرا دیا۔ تدفین کے بعد وہ سادھنا کے گھر کی طرف چل دیئے۔ "میں تمہیں ایک بات بتاؤں سادھنا سبب کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا۔" فاروق نے کہا۔ "میرے خیال میں ڈاکٹر پال کی موت میں کسی انسان کا ہاتھ ہے۔"

"یعنی قتل؟"

"ہاں بالکل' ارواح پر الزام لگانے کے مقابلے میں تو یہی بہتر ہے۔ تم نے ہی بتایا تھا کہ اس پروجیکٹ کو سبوتاژ کرنے کی خواہش رکھنے والوں کی کمی نہیں۔"

"لیکن قتل کی قیمت پر کوئی اس امر کا خواہاں نہیں اور پھر پوسٹ مارٹم رپورٹ میں کلین پتھالوجی ظاہر ہوتی ہے۔"

"تو پھر موت کا سبب؟ ممکن ہے کسی روح سے ڈر کی وجہ سے ان کا دل بند نہ ہوا ہو۔" فاروق نے کہا۔ "کوئی اور سبب بھی تو ہوسکتا ہے۔"

"تم پھر قتل کی بات کر رہے ہو۔"

اس نے اثبات میں سرہلایا۔ "ہاں......... کوئی ایسا سبب' جو پوسٹ مارٹم رپورٹ میں آ ہی نہ سکتا ہو۔ کوئی ایسا زہر' جو اپنی علامت نہ چھوڑتا ہو۔"

"لیکن قاتل کوئی ہتھوڑا یا چاقو بھی استعمال کرسکتا تھا۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ ڈاکٹر پال کی موت کس طرح واقع ہوئی۔"

"میرے خیال میں قاتل کے نزدیک یہ ضروری تھا کہ قدرتی موت ظاہر ہو۔"

"تم تو صرف ایک سنسنی خیز خبر چھاپنا چاہتے ہو۔"

"دیکھو سادھنا........."

سادھنا نے شدت سے سرہلایا اور آنکھیں بند کرلیں۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو بے حد ناخوش دکھائی دے رہی تھی۔ "دیکھو سادھنا' ہمیں پہلے سامنے کے امکانات کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ پھر بے شک سارا بوجھ روحوں پر ڈال دینا۔"

"تم خواہ مخواہ سراغ رساں بن رہے ہو۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ ڈاکٹر پال کی موت کا ذمے دار کون ہے؟" سادھنا نے چڑ کر کہا۔

"میرا خیال ہے' میں قاتل کو جانتا ہوں۔"

☆======☆======☆

باہر لنگڑاتے قدموں کی چاپ ابھری اور پھر ڈاکٹر ہریش کمرے میں داخل ہوا۔ فاروق کو بیٹھا دیکھ کر وہ مسکرایا۔ "ہیلو فاروق' مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں اتنا انتظار کرایا۔ دراصل ایک آپریشن میں کچھ غیر متوقع دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ گیا تھا۔"

فاروق کا جسم تن گیا۔ وہ ایک ایسے شخص سے دوستانہ انداز میں کیسے مل سکتا تھا' جس پر اسے قتل کا شبہ تھا۔ اس نے کہا۔ "ڈاکٹر......... میں آپ سے چند سوال کرنا چاہتا ہوں۔"

ڈاکٹر ہریش اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ "تمہارا انداز پولیس والوں جیسا ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بہرحال تمہارے آنے کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ تم نے پبلسٹی کے سلسلے میں میرا ساتھ دینے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ یہاں تو صورتِ حال اور خراب ہوگئی ہے۔ جب تک کہ یہ روحوں کا معاملہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچتا' لوگ اعضاء کا عطیہ دیتے ہوئے ہچکچاتے رہیں گے۔ ویسے یہ اعتراف کوئی نہیں کرتا کہ ہچکچاہٹ کی وجہ یہ ہے۔"

"اب ڈاکٹر پال کی موت کے بعد ممکن ہے' تجربات کا سلسلہ موقوف ہوجائے۔" فاروق نے کہا۔ کم از کم اسے تو ایسا ہی لگا کہ اس کے الفاظ سن کر ڈاکٹر ہریش کی آنکھوں میں چمک ابھری ہے۔

"جہنم میں جھونکو ان تجربات کو۔ فضول باتیں ہیں۔" ڈاکٹر ہریش نے بے پروائی

سے کہا۔ "کام کی بات کرو۔ اعضا کی پیوند کاری کے متعلق ایک اور فیچر......."

فاروق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "آپ کی پلبٹی کے معاملے میں میرا موقف اب بھی وہی ہے۔ میں یہاں ڈاکٹر پال کی موت کی وجہ سے آیا ہوں۔ ان کی موت کا سبب معلوم نہیں کیا جاسکا۔ ایسی علامات ملی ہیں' جو بتاتی ہیں کہ ممکن ہے انھیں کسی غیر مروجہ طریقے سے قتل کیا گیا ہے اور قاتل کوئی ایسا شخص ہو سکتا ہے' جو دل کی سرجری سے تعلق رکھتا ہو۔"

ڈاکٹر ہریش نے گہری سانس لی لیکن اس کے انداز میں حیرت کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ اس نے سرد لہجے میں کہا۔ "تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"آپ اتنے حساس کیوں ہو رہے ہیں؟"

"تم نے مجھ پر قتل کا الزام لگایا ہے۔"

"میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ کیا آپ کے سوا اس شہر میں دل کا کوئی اسپیشلسٹ نہیں؟"

"میرا مشورہ ہے کہ کسی اچھے وکیل سے بات کرو۔" اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ ڈاکٹر نے ریسیور اٹھایا۔ چند لمحے وہ خاموشی سے سنتا رہا۔ پھر اچانک اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ "مجھے افسوس ہے فاروق لیکن میں مجبور ہوں۔ میں یہ بوجھ اٹھا نہیں پا رہا ہوں۔"

"میں آپ کو اپ سیٹ نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

"تمھاری بات کون کر رہا ہے۔" ڈاکٹر پھٹ پڑا۔ "تمھاری خرافات کو میں کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ ابھی مجھے فون پر بتایا گیا ہے کہ نو سالہ جگدیش چل بسا۔ بتاؤ...... یہ کوئی عمر ہے مرنے کی؟ میرے نزدیک تم اور تمھارا اخبار اتنا اہم نہیں۔ مجھے اس لڑکے کی موت کا دکھ ہے۔ اس کو ایک اچھے دل کی ضرورت تھی جو اسے نہیں مل سکا' صرف اس لیے کہ تم نے روحانیت پرستوں کو پلبٹی دے کر ہماری راہ کھوٹی کی۔ تم اس کی موت کے ذمے دار ہو۔ اب یہاں سے دفع ہو جاؤ...... اور آئندہ یہاں نظر آئے تو تم اور تمھارا پبلشر دونوں عدالتوں کے چکر کاٹیں گے......"

☆======☆======☆

پادری جوزف گل سے اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر پادری نے پوچھا۔

"کہو...... بات کچھ آگے بڑھی؟"

"فی الوقت تو میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر پال کے ساتھ کیا ہوا؟" فاروق نے کہا۔ ایک لمحے کو اسے محسوس ہوا کہ پادری آنکھیں چرا رہا ہے۔

"پچھلی بار تم ملے تھے تو تمھیں زندگی کے بارے میں جاننے کی خواہش تھی۔ تم بری طرح الجھے ہوئے تھے۔"

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے' میں نے کہا تھا' مجھے کسی چیز کی پروا نہیں۔ مجھے تو اب یہ تجسس ہے کہ سائیکک ریسرچ انسٹیٹیوٹ میں کیا چکر چل رہا ہے۔"

"تم مجھ سے کیا کہلوانا چاہتے ہو؟" پادری چھت اور دیوار کے نقطۂ اتصال پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "یہی کہ وہاں جو کچھ ہو رہا ہے' اس میں روحوں کا ہاتھ ہے؟ لیکن میں کچھ بھی نہیں کہوں گا۔ کیونکہ مجھے کچھ معلوم ہی نہیں ہے۔"

"میرے خیال میں یہ روحوں کی نہیں' شیطان صفت جیتے جاگتے انسانوں کی کارستانی ہے۔"

پادری' فاروق کو بغور دیکھتا رہا پھر بولا۔ "تم یہ جاننے آئے ہو کہ اس میں' میں کیا کردار ادا کر رہا ہوں۔"

فاروق کو ایسا لگا کہ پادری کو احساسِ جرم بری طرح ستا رہا ہے۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"اگر میں نے ایسی کوئی بات کی ہے تو میں شرمندہ........."

پادری نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ "میں تمھیں ایک بات بتاؤں روح کے بارے میں میرا تجسس ختم ہو گیا ہے۔ اب میں پی آر آئی کے تجربات کے حق میں نہیں ہوں۔"

"لیکن کیوں؟" فاروق سے اپنی حیرت چھپائی نہ گئی۔ "پچھلی بار تم نے ہی مجھے احساس دلایا تھا کہ ممکن ہے یہاں تجربات سے کچھ بھی ثابت نہ ہو۔ پھر میں نے ہر امکان کا تجزیہ کیا۔ فرض کرو' روح کی موجودگی ثابت ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں کچھ عجیب نتائج نکلیں گے۔ ایک تو یہ کہ ہم دوسری دنیا کے ماتحت ہیں۔ ان کی منظوری کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں لیکن اس سے بدتر نتائج بھی نکلیں گے۔ ذرا تصور کرو' یہ بھی تو ممکن کہ ہمارے بڑے بڑے لیڈر روحوں کے زیر اثر ہوں......... معمول ہوں ان کے۔ کیا تم یہ چاہو گے کہ........"

"پشپا جیسے لوگ ہم پر حکمراں ہوں۔" فاروق نے اس کی بات پوری کر دی۔

”پھر یہ سوچو کہ یہ ثابت ہونے کے بعد کس طرح کی دیوانگی ہمیں گھیرے گی۔ قاتل رحم کی اپیل کریں گے......... یہ کہہ کر کہ انھوں نے تو اپنے شکار کو بہتر دنیا کی طرف روانہ کیا ہے۔ کوئی کہے گا......... یہ جرم میں نے نہیں کیا۔ میں تو ایک روح کا آلہ کار تھا۔ انسانوں میں خودکشی کا رجحان بڑھے گا۔ ہر شخص دوسری دنیا میں اپنے پیاروں تک پہنچنے کی کوشش کرے گا۔ غریب لوگ یہاں کی دشوار زندگی سے بچنے کے لیے وہاں کی دنیا میں پناہ ڈھونڈیں گے.........“

”اسلام میں یہ کوئی پرابلم نہیں۔ خودکشی کو حرام موت قرار دیا گیا ہے۔ ایسے لوگوں کو وہاں پناہ نہیں سخت عذاب ملے گا۔“

پادری نے اس کی بات جیسے سنی ہی نہیں۔ ”میں اب ان تجربات کے خلاف ہوں۔ خدا کے راز خدا ہی کے پاس رہنے دیئے جائیں تو بہتر ہوگا۔“

”تو آپ یہ امید کررہے ہیں کہ پی آر آئی کو اپنے تجربات میں ناکامی ہوگی۔“

”ظاہر ہے۔ خدا کے راز خدا کی مرضی کے بغیر کسی پر ہویدا نہیں ہوسکتے۔“

فاروق نے بات بدل کی کام کی بات پوچھی۔ ”فادر! آپ کسی طور یونیورسٹی سے منسلک ہیں؟“

”ہاں، میں وہاں اعزازی لیکچرار ہوں لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟“

”یونہی......... کوئی خاص بات نہیں۔“ فاروق نے کہا۔

☆======☆======☆

فاروق دفتر میں بیٹھا ٹائپ رائٹر کو گھورے جا رہا تھا۔ ڈاکٹر ہریش اور پادری گل سے ملاقات بے سود رہی تھی۔ الجھنیں بڑھ گئی تھیں اور نتیجہ کوئی نہیں نکلا تھا۔ لڑکے کی موت پر ڈاکٹر کا ردِعمل اس شک کی نفی کر رہا تھا، جو فاروق کو اس پر تھا۔ سفاک قاتل کسی کی موت پر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر نہیں روتے۔

فاروق نے پادری جوزف گل کے قاتل ہونے کے امکان کا جائزہ لیا۔ جوزف گل یونیورسٹی سے متعلق تھا اور پی آر آئی بلڈنگ میں کسی بھی وقت جاسکتا تھا۔ وہ اب تجربات کے خلاف تھا۔ اس کے خیال میں روح کا وجود ثابت ہونا انسانیت کے حق میں سم قاتل تھا۔ وہ خوف زدہ تھا کہ نتائج روح کی نفی بھی کرسکتے ہیں۔ وہ ان تجربات کو روکنے کے لیے کچھ بھی کرسکتا تھا۔ لوگ خدا کی خاطر......... خدا کے نام پر قتل کرتے رہے ہیں۔ سوال یہ

تھا کہ اگر پادری قاتل ہے تو اس نے قتل کیسے کیا ہوگا؟ زہر، جس کا پوسٹ مارٹم کے وقت بھی سراغ نہ مل سکے۔ اس نے بروقت خود کو روک لیا۔ اس انداز میں سوچتے تو یہ یقینی تھا کہ وہ سادھنا کے قاتل ہونے کے امکان کا بھی جائزہ لینے لگے۔

پھر اس کی جان چھوٹ گئی۔ سلیل گپتا کا بلاوا آگیا۔ ”فاروق......... ابھی ڈاکٹر ہریش چند کا فون آیا تھا۔“ سلیل نے فاروق کو دیکھتے ہی کہا۔ ”اس کا کہنا ہے کہ تم نے اس پر ڈاکٹر پال کے قتل کا الزام لگایا ہے۔ یہ کیا کرتے پھر رہے ہو تم؟“

”پاگل ہوگیا ہے وہ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ میں نے تو اس سے کچھ سوال کیے تھے۔ اس نے خود ہی یہ نتیجہ نکال لیا۔“

”دیکھو فاروق، تم پولیس میں نہیں ہو۔ اگر تمھارے پاس اس کے خلاف کچھ ہے تو پولیس کو بتادو لیکن بھگوان کے لیے.........“

”تم نے میری بات توجہ سے نہیں سنی میں قسم کھاسکتا ہوں کہ میں نے ڈاکٹر ہریش پر کوئی الزام نہیں لگایا۔“ فاروق نے کہا اور پھر سلیل کو تفصیل سے بتایا کہ اس نے ڈاکٹر کی پبلسٹی کرنے سے انکار کردیا تھا۔ اس کی وجہ سے ڈاکٹر چڑا ہوا ہے۔

”ٹھیک ہے لیکن اب تم اس سے دور ہی رہو اور یہ روح والا فیچر بھی چھوڑ دو میں یہ کام کسی اور کو سونپ دوں گا۔“

”لیکن گپتا جی......... یہ کام تو میں نجی طور پر کررہا ہوں......... آفس ٹائم میں نہیں۔“

سلیل گپتا نے انکار میں سر ہلایا۔ فاروق نے بھی اصرار مناسب نہیں سمجھا۔ سلیل بے حد ضدی تھا مگر وہ بھی اپنے طور پر ارادہ کرچکا تھا کہ یہ موضوع صرف اور صرف اس کا ہے، الجھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

☆======☆======☆

اس روز فاروق دفتر سے جلدی اٹھ گیا۔ اسائن منٹ چھن جانے سے پہلے وہ روح سے متعلق اموات کا معما حل کرلینا چاہتا تھا۔ اسے نہ جانے کیوں یقین تھا کہ قاتل پھر وار کرے گا۔ اسے یہ فکر تھی کہ اس بار قتل کا ممکنہ ہدف کون ہوگا۔

راستے میں ایک اسٹور سے اس نے چاقو خریدا۔ ریوالور بغیر لائسنس کے چور بازار سے لیا جاسکتا تھا لیکن یہ مناسب نہیں تھا۔ فی الوقت چاقو سے ہی کام چلانا تھا۔ مگر اس نے

تہیہ کر لیا تھا کہ ریوالور کے لائسنس کے لیے فوری طور پر درخواست دے گا۔ راستے میں وہ سادھنا کے لیے فکر مند رہا۔ سادھنا ان معاملات میں پولیس کو ڈالنا نہیں چاہتی تھی۔ گھر کی طرف جاتے جاتے اس نے گاڑی کا رخ سادھنا کے گھر کی طرف کر دیا۔ روحوں پر سادھنا کے یقین کو سوچ کر اسے حیرت ہونے لگی۔ کاش........ وہ کسی طرح سادھنا اور ڈاکٹر ماتھر کو قائل کر سکے۔ روح کے چکر میں تو وہ اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتے تھے۔ انھیں احساس ہی نہیں تھا کہ کوئی سفاک قاتل بھی ان اموات کا ذمے دار ہو سکتا ہے۔

سادھنا اسے دیکھ کر کھل اٹھی۔ وہ فوراً ہی اس کے لیے چائے بنا کر لائی اور اس کے برابر بیٹھ گئی۔ اس کے وجود سے اٹھنے والی مہک نے چند لمحوں کے لیے فاروق کو ہر احساس سے ماورا کر دیا۔ اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ یہاں 'اچانک' کیوں آیا ہے۔

"اب بتاؤ اچانک کیوں آئے ہو؟ یہ ایکسائیٹ منٹ کیسا ہے؟" سادھنا نے پوچھا۔

"دیکھو سادھنا تم روحوں پر یقین رکھتی ہو' میں نہیں رکھتا اگر تم جاننا چاہتی ہو کہ بلبیر اور ڈاکٹر پال کو کس نے قتل کیا تو ہیری اور پرتاپ سے مدد کیوں نہیں لیتیں۔ وہ تو ان دونوں سے براہِ راست رابطہ بھی کر سکتا ہے۔"

سادھنا نے اسے بغور دیکھا کہ کہیں وہ مذاق تو نہیں اُڑا رہا ہے۔ اس طرف سے مطمئن ہونے کے بعد وہ بولی۔ "پتا نہیں........ عجیب بات ہے۔ پچھلے کئی دنوں سے دوسری دنیا سے ہمارا رابطہ قائم ہی نہیں ہو رہا ہے۔ ہمارے معمول کوشش کر کے تھک گئے ہیں۔ نہ جانے کیا گڑبڑ ہے۔"

"تم نے کیا مطلب نکالا اس سے؟" فاروق نے پوچھا۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ کیا روحیں بھی ہڑتال کرتی ہیں۔ مگر اس نے عین وقت پر خود کو روک لیا۔

"میرا خیال ہے کہ روحیں ہمیں اپنے بارے میں تفتیش نہیں کرنے دینا چاہتیں۔ وہ ہم سے خفا ہیں اور فاروق مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

ڈر رہی ہو تو تجربات سے دستبردار کیوں نہیں ہو جاتیں۔ کیا یہ تجربے تمہارے لیے بے حد اہم ہیں؟"

"کامیابی کے قریب پہنچ کر پیچھے نہیں ہٹا جاتا۔"

"چھوڑو فضول باتوں کو۔"

"اب ہمیں کوئی نہیں روک سکتا فاروق!" سادھنا نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں

ڈال کر کہا۔

"بڑا صادق جذبہ ہے تمہارا۔"

سادھنا نے گہری سانس لے کر کہا۔ "تمہارا آئیڈیا ایک اور وجہ سے بھی بے سود ہے۔ ڈاکٹر پال کی روح سے رابطہ ہو بھی گیا تو میرے خیال میں وہ عقدہ کشائی نہیں کرے گا۔ کیونکہ اب وہ بھی اسی دنیا کا باسی ہے۔ اسے ان کے درمیان رہنا ہے۔ وہ ان کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکے گا۔"

"یہ سب بکواس ہے۔ دیکھو سادھنا تم خطرے میں ہو۔ روحوں سے نہیں' تمہیں کسی سفاک قاتل سے خطرہ ہے۔"

سادھنا نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ روحوں کا چکر ہے اور وہ ہمیں پھر ڈرانے کی کوشش کریں گی۔ خاص طور پر آئندہ جمعے سے پہلے۔"

"کیوں........ جمعے کو کیا ہونے والا ہے؟"

"پتا نہیں' مجھے تمہیں بتانا چاہیے یا نہیں۔"

"میں پہلے بھی کم نہیں جانتا۔ اب اس مرحلے پر کیوں اتنی محتاط ہو رہی ہو؟"

"ہم نے ڈیتھ چیمبر بنایا ہے........ بالکل بند........ روحوں نے اب تک جان لیا ہو گا کہ ہم کسی مرنے والے کی روح کو قید کرنے کی کوشش کریں گے۔ میرا خیال ہے' ہم کامیاب ہو جائیں گے۔ اس طرح ہمیں دوسری دنیا کی فریکوئنسی کا علم ہو سکے گا۔ ہم روح کا تجزیہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس میں سے کرنٹ گزاریں گے اور........"

"ایک منٹ۔" فاروق نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "اس روح کے حصول کے لیے کیا تم لوگ کسی کو قتل کرو گے؟"

"ہاں' یہی سمجھ لو۔" سادھنا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "بھینٹ کا مطلب سمجھتے ہو؟"

"لیکن یہ خلافِ قانون ہے۔" فاروق اس کی سنجیدگی دیکھ کر دہل گیا۔

اس فکر نہ کرو۔ ہم کوئی نہ کوئی صورت نکال لیں گے۔"

☆======☆======☆

فاروق اپنے گھر پہنچا تو بے حد غصے میں تھا۔ غصہ اسے سادھنا پر آ رہا تھا۔ پہلے تو وہ اس پر رضامند نہیں تھی کہ اسے ڈیتھ چیمبر کا تجربہ دیکھنے کی اجازت دے لیکن اس کے

اصرار پر وہ جھک گئی۔ اس نے کہا کہ وہ ماتھر سے پوچھ کر بتائے گی۔ پھر اس نے بڑی سرد مہری سے اسے رخصت کیا۔

فرسٹریشن اتنا زیادہ تھا اور نسوانی قربت کی خواہش اتنی شدید کہ نیند آ ہی نہیں سکتی تھی۔ وہ پشپا کے گھر چلا گیا۔ پشپا اس سے بڑی گرم جوشی سے ملی لیکن وہاں پہنچ کر فاروق کا جوش سرد پڑ گیا۔ اس کے دماغ پر پھر روح سوار ہو گئی۔ اس نے سائیکک ریسرچ انسٹیٹیوٹ میں ہونے والے واقعات کے بارے میں پشپا کو بتایا۔ پھر یہ بھی بتایا کہ وہاں کے معمول گزشتہ کئی دنوں سے دوسری دنیا سے رابطہ نہیں کر پا رہے ہیں۔ "میں اسی لیے تمھارے پاس آیا ہوں پشپا۔" اس نے کہا۔ "مجھے تمھاری مدد کی ضرورت ہے۔ میں چاہتا ہوں' تم اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر پتا لگاؤ کہ یہ کیا چکر ہے؟"

پشپا کے چہرے پر تناؤ نظر آیا۔ "میں تمہیں بتا رہی ہوں۔ اپنے سائنس داں دوستوں سے کہو کہ روحوں پر تجربات موقوف کر دیں۔ ورنہ وہ بدروحوں کی زد میں آجائیں گے۔"

☆======☆======☆

ڈاکٹر ماتھر نے فاروق کی بات پوری توجہ سے سنی۔ پھر گہری سانس لے کر بولا۔ "فاروق' ڈاکٹر پال اس تجربے میں تمھاری شمولیت کے خلاف تھے۔"

سادھنا نے کہا۔ "یہ درست ہے لیکن اب وہ ہم میں موجود نہیں۔"

"لیکن اس اعتبار سے تم مشکوک قرار پاتے ہو۔" ماتھر نے کہا۔ پھر سادھنا کا منہ دیکھ کر جلدی سے معذرت کر لی۔

"میں آپ کی معذرت قبول کر سکتا ہوں بشرطیکہ آپ مجھے اس تجربے کا مشاہدہ کرنے کی اجازت دے دیں۔"

"اس سے فائدہ ہی ہو گا ڈاکٹر! ایک صحافی ہمارے تجربے کا چشم دید گواہ ہو گا۔" سادھنا نے کہا۔

ماتھر نے گہری سانس لے کر کہا۔ "مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن پہلے بورڈ سے اجازت لینا ہو گی۔"

"اتنی سی بات کے لیے اجازت؟" سادھنا نے بے نیازی سے کہا۔ "کیسی باتیں کر رہے ہو ڈاکٹر؟"

"یہ کس بورڈ کا تذکرہ ہے؟" فاروق نے پوچھا۔

"مشاورتی بورڈ ہے۔ اس کے کچھ اراکین کا تعلق یونیورسٹی سے ہے۔ ان کی اجازت کے بغیر ہم کسی پر کوئی تجربہ نہیں کر سکتے۔" ماتھر نے وضاحت کی۔ "خیر......... میرا خیال ہے' اس سلسلے میں بورڈ کی اجازت لینا ضروری نہیں۔ ہم تم پر تو کوئی تجربہ نہیں کر رہے ہیں لیکن ہماری اجازت کے بغیر تم چھاپو گے کچھ نہیں۔"

"یہ میرا وعدہ ہے۔"

"اور اگر روحوں نے تمہیں کوئی نقصان پہنچایا تو تم خود ذمے دار ہو گے۔"

"میرا خیال ہے' ایسا ہوا تو مجھے آپ سے شکایت کا موقع ہی نہیں ملے گا۔"

☆======☆======☆

ڈیتھ چیمبر پی آر آئی بلڈنگ کے ٹاپ فلور پر بنایا گیا تھا۔ وہ پندرہ فٹ چوڑا اور بیس فٹ لمبا بالکل بند کمرا تھا۔ چھت پر طرح طرح کے آلات نصب تھے۔ چیمبر میں ایک طرف ایک پلنگ تھا' جس کے عین اوپر چھت سے ایک جار لٹک رہا تھا۔ جار سے کچھ ٹیوبس اور کچھ تار منسلک تھے' جو ایک پیچیدہ انسٹرومنٹ سے منسلک تھے۔

ماتھر نے فاروق کو جار کو گھورتے دیکھا تو بولا۔ "اس جار میں ایک تھرماس ہے۔ اس میں ہوا کی طرح کا کوئی بھی غیر مرئی مادہ جمع کر کے اس کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔"

"تو پھر یہ چیمبر بند کیوں ہے؟"

"ہمیں موت کے وقت ہونے والی تمام ظاہری تبدیلیاں ریکارڈ کرنا ہیں۔" ڈاکٹر ماتھر نے کیمروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "انفرارێڈ فوٹو گرافی......... مگر ہمیں اس سے بھی بہتر چیز میسر ہے۔ تم نے کبھی کیریلین فوٹو گرافی کا نام سنا ہے؟" پھر جواب کا انتظار کیے بغیر اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ "ہم مریض کو ایک ہائی وولٹیج فیلڈ پر لٹائیں گے۔ پھر ہم حرارت اور روشنی تک کو ریکارڈ کر سکیں گے۔ اگر جسم میں لافانی روح ہوتی ہے تو ہمارا یہ آلہ اسے بھی ریکارڈ کر لے گا۔"

فاروق چھت سے لٹکے ہوئے کیمروں کو دیکھتا رہا۔ ماتھر فخریہ انداز میں مسکرایا۔ "ہمارے پاس بیک اپ سسٹم بھی ہے......... شلیرن فوٹو گرافی۔ اس کی مدد سے ہوا کے بہاؤ میں ہونے والی مداخلت کو دیکھا جا سکتا ہے۔ یعنی فوٹو الیکٹرک شعاعوں کی مدد سے ہم وہ چیزیں بھی دیکھ سکتے ہیں۔ جنھیں انسانی اور کیمرے کی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ مثلاً جسم سے

جدا ہونے والی کوئی بھی غیر مرئی چیز...... چاہو تو اسے روح کہہ لو۔"

فاروق نے ستائشی انداز میں سر ہلایا۔ "واقعی......... سائنس نے بہت ترقی کی ہے۔"

"اور اب اس سلسلے میں کسی فراڈ کی گنجائش نہیں۔" ڈاکٹر ماتھر نے کہا۔

فاروق نے سر کو تفہیمی جنبش دی اور ان سائنس دانوں کو اور ٹیکنیک کاروں کو دیکھتا رہا' جو اس تجربے میں شامل تھے۔ چیمبر میں روشنی کردی گئی تھی۔

پھر مریض کو اسٹریچر پر ڈال کر چیمبر میں لایا گیا۔ وہ ایک بوڑھی عورت تھی' جس کے کمزور چہرے پر جھریاں ہی جھریاں تھیں۔ وہ اتنی کمزور تھی کہ ایک نرس نے اسے بہ آسانی اٹھالیا...... اور بیڈ پر لٹا دیا۔ ڈاکٹر ماتھر نے فاروق سے کہا۔ "اس عورت کی عمر اکیاسی سال ہے۔ اس نے بھرپور زندگی گزاری ہے۔ اس کے لیے دکھی ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"لیکن اسے دیکھ کر لگتا ہے کہ یہ اذیت میں ہے۔"

"تم مر رہے ہوتے تو تمہیں بھی اذیت ہوتی۔" ماتھر نے کہا۔ "ویسے اس وقت یہ مسکن دواؤں کے زیر اثر ہے۔ اسے ذرا بھی تکلیف نہیں ہو رہی ہوگی۔ یہ اینٹی بائیوٹکس سے تنگ آگئی تھی۔ اس نے خود اسپتال والوں سے درخواست کی کہ اسے ہمارے سپرد کردیا جائے۔"

فاروق نے دیکھا' عورت کے پتلے پتلے ہاتھ بیڈ سے نیچے لٹکے ہوئے تھے۔ وہ چھت کو گھور رہی تھی۔

"ہم نے اسپتالوں سے رابطہ قائم کیا تھا کہ کوئی نزع کے عالم میں مریض ہمیں دے دیا جائے۔ اس خاتون نے ہامی بھرلی۔ اگرچہ اس کے گھر والے اس کے خلاف تھے لیکن یہ شاید اپنے متعلقین سے نفرت کرتی ہے۔" ڈاکٹر ماتھر نے کہا۔ پھر اس نے موضوع بدلا۔ "ابھی چند منٹ میں ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ کب مرے گی۔"

"یہ کیسے معلوم ہوسکتا ہے؟" فاروق نے پوچھا۔

"ڈیتھ چیمبر کبھی ڈیتھ مانیٹر کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر نے پلنگ کے قریب جیوک باکس ٹائپ مشین کی طرف اشارہ کیا۔ "اس میں دھڑکنوں کی رفتار' بلڈ پریشر' تنفس' درجہ حرارت...... غرض ہر چیز کا حساب کتاب ریکارڈ ہوتا رہتا ہے۔ سب سے اہم بات یہ کہ یہ

متوقع موت کا درست وقت بتاتی ہے۔ چھیانوے فیصد موقعوں پر یہ درست ثابت ہوا ہے۔"

"کاش کوئی ایسی مشین بھی ہوتی' جو روحوں کی مداخلت کے بارے میں وارننگ دے سکتی۔" سادھنا بولی۔

ڈاکٹر ماتھر نے منہ بنا کر کہا۔ "ان کی مجھے پروا نہیں میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ ایک روح قید کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔"

"تو آپ کو اپنے اس ڈیتھ چیمبر پر پورا اعتماد نہیں؟" فاروق نے کہا۔

"اگر میں کامیاب ہوگیا تو پھر اسے قابلِ اعتبار سمجھوں گا۔ ورنہ نہیں۔" ماتھر نے کہا۔ پھر بولا۔ "مانیٹر کے مطابق ابھی بڑی بی کی زندگی کے اٹھارہ منٹ باقی ہیں۔"

"اب ہم ۱۹۰۷ء کے مقابلے میں کافی آگے آگئے ہیں۔" سادھنا بولی۔

"۱۹۰۷ء میں کیا ہوا تھا؟" فاروق نے پوچھا۔

"امریکہ کے ایک سائنس داں ڈنکن میکڈوگل نے ایک قریب المرگ مریض کو بے حد حساس ترازو پر لٹایا تھا۔ اس نے ایسے کئی تجربے کیے۔ بعد میں اس نے بتایا کہ موت کے بعد آدمی کا وزن ۲۱ گرام گھٹ جاتا ہے۔ یہ روح کا وزن قرار پایا...... ۲۱ گرام۔" ڈاکٹر ماتھر نے کہا۔ "اب شاید ہم اس تجربے کو آگے بڑھانے والے ہیں۔"

"لیکن روحیں آپ کے آلات میں گڑبڑ بھی تو کرسکتی ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"ایسا ہوا تو کم از کم ہمیں اس خرابی کا علم ضرور ہو جائے گا۔ ہم نے آلات کے ساتھ ڈیٹیکٹرز نصب کیے ہیں۔"

"لیکن ہم نے اپنے لیے حفاظتی انتظامات نہیں کیے۔" سادھنا نے کہا۔ ڈاکٹر ماتھر دور کسی آلے کو چیک کر رہا تھا۔ سادھنا نے فاروق سے کہا۔ "تم اب بھی واپس چلے جاؤ۔" اس نے فاروق کا بازو سختی سے تھام لیا۔ "ابھی کچھ نہیں بگڑا ہے' یہاں کچھ بھی ہوسکتا ہے۔"

فاروق کو اس کی بات پر نہیں' اس کے خوف پر غصہ آگیا۔ اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔ "بچوں کی سی باتیں مت کرو۔"

ٹھیک سترہ منٹ بعد بیمار ضعیفہ پر نزع کا عالم طاری ہوگیا۔ کمرے کی فضا آلات کی گھوں گھوں سے گونجنے لگی اور کیمرے حرکت میں آگئے...... پھر ماتھر نے کہا۔ "یہ مرچکی

ہیں۔"

"اگر کچھ ہوا ہے تو اب ہو گا۔" سادھنا نے ہیجانی لہجے میں کہا۔

کنٹرول روم کے اسکرین پر کوئی غیر معمولی چیز دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ ڈاکٹر ماتھر کے چہرے پر مایوسی نظر آنے لگی۔ ٹیکنیشینز ڈائلوں پر نظریں جمائے کھڑے تھے۔

"ہم بات تو کر سکتے ہیں نا؟" فاروق نے پوچھا۔ سادھنا اپنی کرسی پر بار بار پہلو بدل رہی تھی۔ اضطراب نے اس کی سانسوں کی لے تیز کر دی تھی۔

"کیوں نہیں' بات نہیں کریں گے تو وقت کیسے کٹے گا۔ ہمارا انتظار طویل ثابت ہو سکتا ہے۔" ڈاکٹر ماتھر نے جواب دیا۔

"کتنا طویل؟"

تمھیں یاد نہیں' پیٹر جون نے کہا تھا...... چوبیس گھنٹے۔" ڈاکٹر ماتھر کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔

☆======☆======☆

ڈیتھ چیمبر میں بارہ گھنٹے گزارنے کے بعد فاروق باہر نکلا اور کچن کی طرف چل دیا۔ اس نے دفتر فون کر کے معلوم کیا کہ اس کے لیے کوئی پیغام تو نہیں ہے۔ وہ واپس آیا تو ماتھر کو مایوس پایا۔ "کھیل ختم پیسہ ہضم۔ اب مجھے سادھنا سے نتائج ملانے کا موقع......"

"دیکھیں ڈاکٹر' اب مجھ سے یہ راز داری والا کھیل نہ کھیلیں مجھے بتائیں' آپ کے آلات کیا کہتے ہیں؟" فاروق نے جھنجلا کر کہا۔

"مختصراً یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں جسم سے کسی ایسی چیز کے اخراج کی شہادت نہیں ملی' جسے روح کہا جا سکے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ روح محض افسانہ ہے؟"

"میں نے یہ نہیں کہا۔" ڈاکٹر ماتھر نے سخت لہجے میں کہا۔ "میں نے کہا ہے کہ ہمیں ایسی کوئی شہادت نہیں ملی' جس سے جسم سے روح کے نکلنے کا پتا چلتا۔ ویسے تم سائنس کے آدمی ہو۔ جانتے ہو کہ بہت سی چیزیں جو ابتدا میں مسترد کر دی گئیں' بعد میں حقیقت ثابت ہوئیں۔"

"اب ہم کیا کریں گے؟" سادھنا نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے' اب ہمیں ڈاکٹر پال کے ہنگامی منصوبے پر عمل درآمد کرنا

چاہیے۔" ڈاکٹر ماتھر نے جواب دیا۔ "اب ہمارا ایک ایجنٹ دوسری دنیا میں جاسوسی کے لیے جائے گا۔ میں اسے جاسوس نہیں' سفارت کار کہوں گا۔ وہ ہماری نیک تمنائیں عالمِ ارواح کے باسیوں کو پہنچا کر واپس آئے گا۔"

"واپس آئے گا؟" فاروق کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں' ہم جاننا چاہتے ہیں کہ روحوں کا ردِ عمل اتنا معاندانہ کیوں ہے۔ انھیں ہماری طرف سے کیا پریشانی ہے۔ اب تک وہ دو آدمیوں کو ختم کر چکی ہیں۔"

"اور وہاں کون جائے گا تمھاری طرف سے؟ ون وے ٹکٹ والی کوئی بوڑھی خاتون تو تمھاری نمائندگی نہیں کر سکتی۔ واپسی کا ٹکٹ بھی ضروری ہے۔"

"سب بندوبست ہو جائے گا۔ اب تو ہمارے پاس مالی وسائل بھی ہیں۔" ڈاکٹر ماتھر نے کہا۔

فاروق کا انداز ایسا تھا' جیسے وہ کہانی مکمل ہونے سے پہلے ٹلے گا ہی نہیں۔ ماتھر نے اس سے کہا۔ "تم تجربہ مکمل ہونے تک ایک لفظ بھی نہیں چھاپو گے۔"

"میں وعدہ کر کے توڑتا نہیں۔"

"تو سنو' ہم اپنے سفیر کو الیکٹرک شاک کے ذریعے عارضی موت سے ہمکنار کریں گے۔ اس کا دل روک دیا جائے گا۔ سرجیکل رومز کے لیے یہ جانا پہچانا طریقہ ہے۔ ہمیں چند ہی منٹ بعد دل کو دوبارہ متحرک کرنا ہو گا۔ زیادہ دیر ہونے کی صورت میں دماغ کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ ہمارے لیے وہ چند منٹ بہت کافی ہوں گے۔"

"کس اعتبار سے؟"

"دوسری دنیا سے رابطے کے لیے۔" ڈاکٹر ماتھر نے جواب دیا۔

"روحیں تمھارے سفیر کو اپنی دنیا میں داخل ہونے کی اجازت دے دیں گی؟"

"کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ ہمیں پرتاپ اور ہیری سے بہت مدد ملے گی۔ ہیری تجربے کے وقت موجود رہے گا۔ پرتاپ ہمارے سفیر کی رہنمائی کرے گا۔"

"اس میں اگر کسی کے لیے خطرہ ہے تو صرف ہمارے سفیر کے لیے ہے۔" سادھنا بولی۔ "دماغ آکسیجن کی کمی صرف تین منٹ تک برداشت کر سکتا ہے۔ تین منٹ کے بعد اس کے خلیے مرنے لگتے ہیں اور کوئی خلیہ ایک بار مر جائے تو کبھی زندہ نہیں ہو سکتا۔"

"ڈی فلبریٹنگ مشن کا استعمال عام ہے۔ اس پر انحصار کیا جا سکتا ہے اور کیا جاتا

ہے۔ میرے خیال میں ہمارے سفیر کے لیے کوئی خطرہ نہیں۔" ڈاکٹر ماتھر نے سادھنا سے اختلاف کیا۔

"اگر یہ مشین استعمال کی جاتی ہے تو لوگ دوسری دنیا میں جاکر واپس آتے رہے ہیں۔ آپ نے ان سے معلومات کیوں نہیں کیں؟" فاروق نے اعتراض کیا۔

"مریض کو کچھ یاد نہیں ہوتا۔ اس کا معاملہ بیماری کا ہوتا ہے۔" ڈاکٹر ماتھر نے وضاحت کی۔ "یہ ایسا ہی ہے جیسے عام طور پر لوگوں کو سوکر اٹھنے کے بعد خواب یاد نہیں ہوتے اور اگر کوئی جسم سے روح جدا ہونے کے بعد کا حال بیان کرتا ہے تو ڈاکٹر اسے خواب سمجھ کر کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ کچھ لوگوں کا بیان ریکارڈ پر موجود ہے۔" ڈاکٹر نے ایک کتاب اٹھا کر اس میں سے کچھ تلاش کیا۔ "یہ ایک ایسے ہی مریض کا بیان ہے۔" اس نے کہا اور کتاب میں سے پڑھ کر سنانے لگا۔ "مجھے ایسے لگا جیسے میں آئینے کے روبرو ہوں۔ پھر میں نے خود کو اپنے جسم سے نکلتے دیکھا۔ میں اپنے سر اور کندھوں سے نکل رہا تھا۔ پھر مجھے ناقابلِ بیان خوشی کا احساس ہوا اور میں نے خود کو ہوا میں تیرتا محسوس کیا۔ اچانک مجھے اپنے بائیں پہلو میں تکلیف کا احساس ہوا۔" ڈاکٹر ماتھر رکا اور پھر بولا۔ "اب آگے کی بات اس کے معالج نے بیان کی ہے۔ وہ کہتا ہے........ مردہ شخص کو الیکٹرک شاک دیئے گئے کئی شاک لگنے کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں' اس کا دل دوبارہ دھڑکنے لگا تھا۔" ڈاکٹر نے کچھ توقف کیا' پھر بولا۔ "ایسے کئی کیس ریکارڈ پر موجود ہیں........"

ڈاکٹر بولتا رہا۔ فاروق یوں سر ہلا رہا تھا جیسے بڑی توجہ سے اس کی بات سن رہا ہو لیکن در حقیقت وہ کچھ نہیں سن رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا' یہ سفارت اچھا آئیڈیا ہے۔ میں اگر اس مشن کے لیے خود کو پیش کردوں تو کیسا رہے؟ اسے اب تک عالمِ ارواح پر یقین نہیں تھا لیکن ایسا ہونے کی صورت میں وہ زرینہ اور تمکین سے مل سکتا تھا...... انھیں بتا سکتا تھا کہ وہ اب بھی ان سے محبت کرتا ہے۔ دوسری طرف اسے دنیا کے عظیم ترین فیچر کا مواد ملتا۔ وہ دنیا کا پہلا رپورٹر ہوتا' جو عالمِ ارواح میں کچھ دیر رہ کر آیا ہوتا۔ دنیا کا عظیم ترین ایڈونچر! اور تجربہ ناکام ہوا تو تب بھی وہ رپورٹ ایسی ہوگی کہ اسے اور انڈین ٹائمز کو کہیں کا کہیں پہنچادے گی۔

اس تجربے میں خطرہ بھی تھا۔ مگر لوگ اس سے پہلے بھی شہرت کی خاطر بڑے بڑے خطرات مول لیتے رہے تھے۔ لوگ تو چاند تک ہو آئے تھے۔ اسے تو صرف تین منٹ

تک اپنے بستر پر مُردہ پڑا رہنا تھا........ خود ایک ایڈونچر میں حصہ لینا تھا۔ سلیل گپتا کو پہلے سے کچھ بتانے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ "میں آپ کے سفیر کی حیثیت سے جاؤں گا۔" اس نے ڈاکٹر ماتھر کی بات کاٹ دی۔

ماتھر بری طرح چونکا۔ "کیسی بات کر رہے ہو؟"

"دیکھو........ میں ایک ذہین رپورٹر ہوں۔ جو کچھ دیکھوں اور سنوں گا' اسے پوری طرح کاغذ پر منتقل کرنے کی اہلیت مجھ میں عام لوگوں سے زیادہ ہے۔ میں تمہارے اغراض و مقاصد سے بھی آگاہ ہوں۔ جسمانی اور ذہنی اعتبار سے بھی میں فٹ ہوں۔ میرا دنیا میں کوئی رونے والا........ پوچھنے والا نہیں۔ سب سے بڑی بات یہ کہ میں اس تجربے سے خائف بھی نہیں ہوں۔"

"خائف نہ سہی' میرے خیال میں تم پاگل ضرور ہو۔" ڈاکٹر ماتھر نے کہا۔

سادھنا نے ڈاکٹر کی تائید میں سر ہلایا۔ "ہمیں ایک سائیکک محقق کی ضرورت ہے' جسے ہمارے مسائل کا شعور ہو۔"

"اس کام میں تو ایسی کوئی بات نہیں۔"

سادھنا نے نفی میں سر ہلایا۔ "جب امریکا میں خلائی پروگرام کا آغاز ہوا تو ہزاروں افراد نے خود کو رضاکارانہ طور پر پیش کیا لیکن چند تجربے کار ہوا بازوں کو منتخب کیا گیا۔"

"یہ مختلف ہے۔ مجھے جہاز تو نہیں اڑانا ہوگا۔ مجھے تو صرف سلا دیا جائے گا اور میں جاگنے کے بعد بتاؤں گا کہ میں نے نیند میں کیا دیکھا کیا سنا۔"

"ہمیں بھی تجربے کار........"

ڈاکٹر ماتھر نے ہاتھ اٹھا کر سادھنا کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بولا۔ "فاروق کہہ رہا ہے سادھنا۔ اس صورت میں ہم رضاکار کی تلاش میں خوار ہونے سے بھی بچ جائیں گے اور باہر کے کسی آدمی کو کچھ پتا بھی نہیں چلے گا ورنہ سوچو' تجربے سے پہلے یہ خبر اُڑ گئی تو لوگ اخلاق کے ڈنڈے ہاتھوں میں لے کر ہم پر پل پڑیں گے لیکن فاروق کو استعمال کرنے کی صورت میں راز داری بھی رہے گی۔"

سادھنا نے فاروق سے پوچھا۔ "تم یہ کام کرنے پر مصر کیوں ہو؟"

"میرے اپنے فائدے بھی ہیں۔ میں صحافی ہوں اور یہ ایک ایسی بڑی خبر ہے' جس کا مرکزی کردار بھی میں ہی ہوں۔ اس خبر کی اشاعت کے تمام حقوق صرف اور صرف

میرے ہوں گے۔ میں اسے صرف انڈین ٹائمز کو نہیں دوں گا' کسی بڑے انٹرنیشنل میگزین میں بھی شائع کراؤں گا اور اگر موقع ملا تو اسے کتابی صورت میں شائع کراؤں گا۔ کیا پتا ٹی وی والے بھی اس میں دلچسپی لیں۔ ممکن ہے' کوئی فلم بن جائے اس کہانی پر۔"

"ہمارے ادارے میں نہ جانے کتنے لوگ اس تجربے کے لیے تیار ہوں گے۔" سادھنا نے معترضانہ لہجے میں کہا۔ "ہمیں فاروق کو خطرے میں ڈالنے کی کیا ضرورت........" وہ کہتے کہتے رک گئی۔ ماتھر کے چہرے کے تاثر سے اسے اندازہ ہوگیا کہ اس نے غلط بات کہہ دی ہے۔

تاہم ماتھر نے اعتراض کیا تو اس کے لہجے میں دوستانہ دلچسپی تھی۔ "تمھارا مطلب ہے سادھنا کہ ہم ایک اجنبی کے بجائے اپنے سٹاف کو خطرے میں ڈالیں تو کوئی حرج نہیں؟"

"فاروق اب ہمارے لیے اجنبی تو نہیں۔" سادھنا نے جواب دیا۔ اس کے رخسار تمتما اٹھے۔

"تمھارے لیے نہیں ہوگا۔" ماتھر نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "میں تجربے کے پروٹوکول کا تعین کرکے اسے بورڈ سے منظور کرانے جارہا ہوں۔ باقی باتیں تم دونوں آپس میں طے کرلو۔"

اس کے جانے کے بعد فاروق نے سادھنا سے کہا۔ "اس معاملے میں کوئی گڑبڑ مت کرنا۔"

"میں جانتی ہوں' تم یہ خواہش کیوں کررہے ہو۔ جب سے تمھاری بیوی اور بچی گئی ہیں' تم میں خودکشی کا رجحان پیدا ہوگیا ہے لیکن تم میں خودکشی کا حوصلہ بھی نہیں........ اور تم دوبارہ اپنی بیوی تک پہنچنا بھی چاہتے ہو۔"

فاروق کا وجود جھنجھنا کر رہ گیا۔ اسے اچانک ہی احساس ہوا کہ وہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ تاہم اس نے زبان سے تردید کی۔ "میں تو یہ مانتا ہی نہیں کہ کہیں کوئی دوسری دنیا بھی ہے۔ میں تو تم لوگوں کی تھیوری آزما رہا ہوں۔ ایک چٹ پٹی کہانی بونس میں ملے گی۔" پھر وہ اٹھا اور ٹہلنے لگا۔ "خودکشی کا رجحان........ مگر........ سادھنا' میں ابھی جینا چاہتا ہوں مجھے یقین ہے' زرینہ کی بھی یہی خواہش ہوگی۔ وہ کبھی نہیں چاہے گی کہ مجھے کچھ ہوجائے۔"

"میں بھی نہیں چاہتی کہ تمھیں کچھ ہوجائے۔"

"بس........ تم میری واپسی یقینی بنادینا۔" فاروق نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

☆======☆======☆

فاروق کا جسم تھکن سے چُور تھا لیکن نیند بھی نہیں آرہی تھی۔ اس نے کروٹ بدلی اور تکیے کو یوں سینے سے بھینچ لیا جیسی وہ اس کی تمکین ہو۔ اس لمحے اس کا ہاتھ سرہانے رکھے چاقو سے ٹکرایا۔ اس نے چاقو ہاتھ میں تھام کر اسے کھولا اور اس کی دھار پر انگلی پھیری پھر اس نے چاقو کھلا ہوا ہی تکیے کے نیچے رکھ دیا۔

دوسری دنیا کے سفیر کی حیثیت کا ہیجان اسے سونے نہیں دے رہا تھا۔ دوسری طرف یہ بھی خیال تھا کہ روح کا وجود ہے بھی یا نہیں۔ ڈاکٹر پال اور بلبیر کی موت کے سلسلے میں وہ اب بھی ماننے کو تیار نہیں تھا کہ اس میں انسانی ہاتھ نہیں ہے۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر چاقو اٹھایا اور اسے بند کردیا۔ پھر اس نے سوچا کہ اسے نیند کی گولی لینا ہی پڑے گی۔ نیند کی گولی لے کر وہ پھر بستر میں آلیٹا۔ اب اسے دوا کا اثر شروع ہونے کا انتظار کرنا تھا۔ اتنی دیر سوچا جاسکتا تھا۔ اس اپنی عارضی موت کا خیال خوفزدہ نہیں کررہا تھا۔ البتہ اسے یہ فکر ضرور تھی کہ دوسری دنیا میں اس کا استقبال کس انداز میں ہوگا۔ کیا انھیں پہلے ہی سے اس کی آمد کا علم ہوگا؟

اس خیال کا جواب ذہن میں آتے ہی اس نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔ انھیں یقیناً معلوم ہوگا انھیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ اس وقت وہ کیا سوچ رہا ہے۔ اس نے سوچا' ممکن ہے وہ انھیں سمجھا سکے کہ وہ انھیں نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔ وہ تو خیرسگالی کے دورے پر آیا ہے۔ وہ سوچتا رہا........ روحیں اچھی ہوں گی اور بری بھی........ بری وہ جنھیں بدروحیں کہا جاتا ہے۔

اس نے تاریک کمرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اِدھر اُدھر دیکھا مگر اسے کچھ نظر نہ آیا۔ اس نے سوچا' دوسری دنیا میں روحیں اس کا کیا حشر کریں گی؟ اور زیادہ مار ڈالیں گی کیا؟ کیونکہ مرا ہوا تو وہ پہلے ہی سے ہوگا۔ وہ اس خیال سے آپ ہی آپ مسکرا دیا۔ پھر اسے خیال آیا کہ وہاں زرینہ تو ہوگی۔ وہ کسی کو اسے تکلیف نہیں پہنچانے دے گی۔

اس کا وجود سکون سے بھر گیا۔ آنکھوں میں نیند اتر آئی چند لمحے بعد اسے اپنی آنکھوں کے قریب روشنی کے گزرنے کا احساس ہوا۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول

دیں۔ روشنی کا ایک پُراسرار نقطہ بیڈ روم کے ایک کونے میں متحرک تھا اس کا ذہن نیند کی دوا کے زیرِ اثر خوف سے کچھ زیادہ متاثر ہو رہا تھا۔ اس نے سختی سے آنکھیں بھینچ لیں۔ کوئی حس اسے تنبیہہ کر رہی تھی کہ جو کچھ ہو رہا ہے' وہ اس میں مداخلت نہ کرے........ سوتا ہی بنا رہے۔ تاہم اس کا جسم متوقع حملے کے احساس سے تن گیا۔ پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہوئے اور پیٹ میں اینٹھن سی ہونے لگی۔

اسے احساس ہوا کہ اس کے پاس کچھ مہلت ہے۔ مداخلت کار کی نظر ابھی کمرے کی تاریکی سے ہم آہنگ نہیں ہوئی ہوگی۔ اس نے آنکھوں میں جھری سی بنا کے دیکھا مگر اسے فرنیچر کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔ اس نے سوچا' ممکن ہے درحقیقت کوئی گڑبڑ نہ ہو اور یہ محض اس کے نیند اور خواب آور دوا کے مارے ہوئے ذہن کا کرشمہ ہو لیکن کمرے میں کسی کی موجودگی کا احساس بے حد شدید تھا۔ اس نے آہستہ سے اپنا ہاتھ بیڈ کی سائیڈ میں لٹکایا اور نیچے سے اپنا جوتا اٹھا کر دوسری طرف اچھال دیا۔ اس طرح وہ مداخلت کار کی توجہ بھٹکا سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ بستر سے کود کر بیڈ کے نیچے گھس گیا۔ بیڈ کے نیچے رکھے ٹائپ رائٹر سے اس نے ہینڈل کھینچ کر نکال لیا۔ وہ ہینڈل بوقتِ ضرورت خطرناک ہتھیار ثابت ہو سکتا تھا۔

اچانک کمرا کھانسی کی آواز سے بھر گیا۔ وہ جانی پہچانی کھانسی تھی۔ وہ یاد کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ بالآخر اسے یاد آگیا۔ پیٹر جون اسی انداز میں کھانستا تھا۔ اس کا جسم تن گیا۔ ریڑھ کی ہڈی میں سرسراہٹ ہونے لگی۔ "کون ہے؟ کیا بات ہے؟" وہ چلایا۔

ایک شعلہ سا چمکا........ اور شعلے کے وسط میں کسی کا سر اور کندھے نظر آئے۔ کھانسی کی آواز جاری تھی۔ پھر کسی نے کھانسی کے درمیان پکارا۔ "فاروق........ فاروق بلال!"

"کون ہو تم؟"

"میں پیٹر جون ہوں۔"

"کیا بے ہودہ مذاق ہے۔ خدا کے لیے مجھے سونے دو۔"

"فاروق........ تم ہماری دنیا میں نہ آنا۔"

فاروق بیڈ کے نیچے سے نکلا اور اس نے ٹیبل لیمپ کا سوئچ آن کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ شعلہ' سر اور کندھے غائب ہو گئے۔ "ہاں مسٹر پیٹر! تم کیا کہہ رہے تھے؟ مجھے

تم سے ایک بات پوچھنی ہے؟" وہ چلایا۔

لیکن کمرے میں خاموشی تھی۔ فاروق اس کونے کی طرف جھپٹا' جہاں اس نے وہ شعلہ دیکھا تھا۔ اس نے فرش اور پھر چھت کا جائزہ لیا کہیں کوئی علامت نہیں تھی۔ البتہ جس جگہ اس نے وہ شعلہ دیکھا تھا' وہ جگہ بالکل سرد تھی۔ کمرے کی فضا سے یکسر مختلف۔

وہ کھڑکی کے پاس گیا اور پردہ سرکا کر باہر دیکھا۔ کھڑکی بھی بے حد ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ نیچے سڑک سنسان تھی۔ پھر اس نے سوچا کھڑکی کے راستے نہ کوئی آسکتا ہے' نہ جاسکتا ہے۔ اس کا فلیٹ تیسری منزل پر تھا۔ دوسری طرف کمرے کے ایک گوشے میں غیر معمولی ٹھنڈ ہونا بھی کچھ معنی رکھتا تھا اور وہ بھی وہ گوشہ' جہاں اس نے ایک غیر معمولی چیز دیکھی تھی۔ وہ واپس آیا تو وہ گوشہ بھی کمرے کے دیگر حصوں کی طرح گرم تھا۔ فاروق گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اس معاملے کی توجیہہ کرنا اس کے بس میں نہیں تھا۔ وہ بس یہی کہہ سکتا تھا کہ کوئی اسے ڈرانے کی کوشش کر رہا ہے۔ مگر وہ کون ہے' یہ وہ نہیں بتا سکتا تھا اور وہ جو کوئی بھی تھا' اس نے پیٹر جون کی کھانسی کی جو نقل کی تھی' وہ اصل سے کسی اعتبار سے کمتر نہیں تھی۔ فاروق نے سر کھجاتے ہوئے پورے فلیٹ کا چکر لگایا۔ ہر چیز چیک کی مگر سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ اس پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اب وہ اس فلیٹ میں ایک لمحہ بھی نہیں گزار سکتا تھا۔ کیا پتا........ جانے والا پھر لوٹ آئے۔

☆======☆======☆

سادھنا سوتے سے اٹھی تھی۔ فاروق کو دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔ فاروق نے اسے پوری روداد سنائی۔ وہ سر ہلاتی رہی پھر اس نے چائے بنائی۔ دونوں گرم چائے کے گھونٹ لیتے ہوئے دیواروں کو یوں تکتے رہے' جیسے ابھی ان میں سے کوئی بھوت نکل آئے گا۔

"میں یہ سوچ کر الجھتا ہوں کہ ایسی باتیں آدھی رات کے بعد ہی کیوں ہوتی ہیں' دن میں کیوں نہیں ہوتیں؟" فاروق نے کہا۔

"میں یہ سوچ رہی ہوں کہ پیٹر جون کی روح نے تمہیں دوسری دنیا میں آنے سے کیوں منع کیا۔ یہ ہے پریشانی کی بات۔ اس کا مطلب ہے کہ روحیں تمہاری آمد کو مداخلت تصور کر رہی ہیں۔ تمہیں یقین ہے کہ تم نے یہ سب کچھ خواب میں نہیں دیکھا؟"

"نہیں سادھنا' جو کچھ میں نے دیکھا' جاگتے میں دیکھا اور سچ سچ دیکھا' البتہ میں یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ وہ پیٹر جون کی روح تھی یا وہ مکار قاتل' جس نے بلبیر اور ڈاکٹر پال کو

موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ بہرحال وہ کھانسی سوفیصد پیٹر جون کی تھی۔"

"روحیں آتی ہیں تو اکثر اپنی شناخت کے لیے اسی قسم کا مظاہرہ کرتی ہیں۔" سادھنا نے سرہلاتے ہوئے کہا۔

فاروق کو اپنی پلکیں نیند سے بوجھل ہوتی محسوس ہوئیں۔ "ایک پیالی چائے اور نہیں مل سکتی؟" اس نے کہا۔

"ہمیں اب سوجانا چاہیے۔ کل کا دن بہت اہم ہے تمہیں اس تجربے سے گزرنا ہے۔"

"رات کے خوف ناک تجربے سے گزرنے کے بعد سونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"چلو کوشش تو کرو۔"

وہ اسے بستر کی طرف لے گئی۔ "میں تمہیں سلادوں گی۔" اس نے فاروق کے بالوں کو سہلاتے ہوئے کہا۔

اور فاروق کو واقعی نیند آگئی۔

دوبارہ آنکھ کھلی تو تین بجے تھے۔ سادھنا بے خبر سو رہی تھی۔ وہ بستر میں ہی لیٹا کچھ دیر سوچتا رہا۔ اسے یقین تھا کہ وہ روح ہو یا کوئی زندہ شخص...... اسے نشانہ بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس نے سوچا' پولیس سے مدد لی جائے۔ مگر پھر اس نے خود ہی اس خیال کو مسترد کردیا۔ پولیس اسے نفسیاتی مریض قرار دے کر مطمئن ہوجاتی۔ اسے جو کچھ کرنا تھا' خود ہی کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو اسے اپنے دشمن کو تلاش کرنا تھا لیکن نہیں...... پہلے اسے یہ ثابت کرنا تھا کہ روحوں کا وجود ہے اور اس کی ایک صورت موجود تھی۔ وہ بستر سے نکلا۔ اس نے منہ پر پانی کے چھپکے مارے اور سادھنا کے لیے ایک رقعہ چھوڑ کر اس کے فلیٹ سے نکل آیا۔

☆======☆======☆

"کون ہے؟" ہیری کی آواز نیند سے بوجھل تھی اور لہجے میں برہمی تھی۔

"میں ہوں فاروق بلال...... سادھنا کا رپورٹر دوست۔ مجھے تمھاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"چلے جاؤ' یہ بھی کوئی وقت ہے آنے کا۔ جانتے ہو صبح کے چار بجے ہیں۔"

فاروق دروازہ پیٹتا رہا۔ آخر ہیری کو دروازہ کھولنا پڑا فاروق اسے دھکیلتے ہوئے کمرے میں گھس گیا۔ "یہ بدتمیزی ہے؟" ہیری نے غصے سے کہا۔

"میں پرتاپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"اس وقت؟ پاگل ہوگئے ہو؟ نکل جاؤ یہاں سے ورنہ میں......"

فاروق نے اس کی گردن پکڑلی۔ "پرتاپ کو بلاؤ۔ ورنہ میں ہمیشہ کے لئے تمہیں اس کے پاس پہنچادوں گا۔" اس نے غراتے ہوئے کہا۔

ہیری نے خود کو جھٹکے سے چھڑانے کی کوشش کی لیکن فاروق کی گرفت بے حد سخت تھی۔ "میں نے کہانا مجھے پرتاپ سے بات کرنا ہے۔ بلاؤ اسے۔" فاروق پھر غرایا۔

ہیری کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ آنکھیں حلقوں سے ابلی پڑرہی تھیں۔ اس نے بہ مشکل اقرار میں سرہلایا۔ فاروق نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ کوچ پر گر کر دیر تک ہانپتا رہا۔ اس کی نگاہوں میں بے پناہ نفرت تھی۔ "بس اب شروع ہو جاؤ۔ اور یہ نہ کہنا کہ ماحول رابطے کے لیے سازگار نہیں ہے۔" فاروق نے کہا۔

ممکن ہے' رابطہ نہ ہوسکے۔ یہ میرے اختیار کی بات تو نہیں۔"

"کوشش کرو۔ یہ بہت اہم ہے۔ زندگی اور موت کا دارومدار ہے اس رابطے پر۔"

ہیری نے دونوں ہاتھ اپنی گود میں رکھے اور آنکھیں موندلیں۔ اس کا جسم لرز رہا تھا۔ چند لمحے وہ آنکھیں بند کیے رہا۔ پھر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ "رابطہ ہوا؟" فاروق نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"تم خبیث' جھوٹے...... تمہیں معلوم ہے کہ رابطہ نہیں ہوا۔" فاروق غرایا۔

ہیری اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں جو کچھ کرسکتا تھا' میں نے کیا۔ اب تم چلے جاؤ۔"

فاروق نے اسے دوبارہ کوچ پر دھکیل دیا۔ "پھر کوشش کرو۔ میں کچھ معلوم کیے بغیر نہیں جاؤں گا۔"

ہیری نے اچانک ہی فاروق کی ناف سے نیچے کی جگہ کو ٹھوکر سے نشانہ بنایا۔ فاروق تکلیف سے دہرا ہوگیا۔ پھر بھی اس نے اندھا دھند گھونسا چلایا۔ گھونسا ہیری کو ٹھوڑی پر لگا۔ ہیری کا سر کرسی سے ٹکرایا۔ وہ لٹو کی طرح گھوما اور پھر فرش پر ڈھیر ہوگیا۔ فاروق سہم گیا۔ اس نے جھک کر ہیری کی نبض دیکھی اور سکون کی سانس لی۔

اس وقت ہیری کے کھلے ہوئے منہ سے پرتاپ کی آواز نکلی۔ ”میں آگیا ہوں...... میں آگیا ہوں۔“

فاروق کو یقین ہوگیا کہ اس وقت یہ ہیری کی بنائی ہوئی آواز نہیں ہے۔ ہیری تو بے ہوش تھا۔ ”ہیلو ننھے!“ پرتاپ نے مزید کہا۔

”مجھے اس نام سے مت پکارو۔“

”کیوں؟ تمھاری اماں بھی تو پکارتی تھی۔“

”میں کیسے یقین کرلوں کہ وہ میری ماں تھی؟ ٹیلی پیتھی کا کوئی چکر نہیں تھا کیسے یقین کرلوں کہ تم اس وقت بھی میرا ذہن نہیں پڑھ رہے ہو؟ میرے ذہن میں تو وہ باتیں بھی ہوں گی، جنھیں میں اپنی دانست میں بھول چکا ہوں...... لیکن وہ لاشعور میں محفوظ ہوں گی۔ کیا پتا...... میری بیوی نے مجھے بانڈز کے بارے میں کبھی بتایا ہو اور میں شعوری طور پر بھول گیا ہوں۔ میں بھلا کیسے یقین کرلوں کہ مرے ہوئے لوگوں سے رابطہ ممکن ہے؟“

”ان سوالوں کے جواب تو خود سے پوچھو ننھے۔“

”تم بتاؤ پرتاپ! روحوں کی مملکت کے بارے میں بتاؤ مجھے۔ یہ بتاؤ، تم لوگ کپڑے کیسے پہنتے ہو؟ تم لوگ کیسے لگتے ہو جسمانی طور پر کون سی عمر ملی ہے تمہیں؟“

”ہماری دنیا میں یہ سب کچھ ہماری مرضی پر منحصر ہے۔“ پرتاپ نے کہا۔

”تم مجھے بیوقوف بنارہے ہو پرتاپ لیکن میں تمہیں ایک موقع اور دوں گا۔ یہ بتاؤ موت کے بعد زندگی کیسی لگتی ہے؟“

”ننھے...... ہم پورا نقشہ بیان نہیں کرسکتے۔ یہ ناممکن ہے۔ سنو ننھے...... تمھاری ماں بھی موجود ہے۔ وہ تم سے بات کرنا چاہتی ہے۔“ ہیری کے ہونٹ لرزے...... پھر وہ دوبارہ بولا۔ ”وہ کہہ رہی ہے، اسے تمھارے باپ سکندر کے بارے میں یہ جان کر دکھ ہوا کہ وہ اب پاگل خانے میں ہے۔“

”میرا باپ پاگل خانے میں...... اسی شہر میں؟“ فاروق نے سنسنی آمیز لہجے میں کہا۔ یہ بات عجیب تھی کیونکہ وہ اپنے باپ کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ اگر یہ سچ ثابت ہوا تو یہ بھی ثابت ہوجائے گا کہ مرنے والوں سے رابطہ ممکن ہے...... روحوں کا وجود بھی ثابت ہوجائے گا اور عالمِ ارواح بھی......

”اب مجھے جانا ہے ننھے۔“

”ایک بات اور پرتاپ، تمھاری اور میری دنیا میں ان دنوں رابطہ کیوں منقطع ہوگیا ہے؟“

”ہم لوگوں کو اس دنیا کی تکلیف دہ زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ہم بہت خوب صورت زندگی گزار رہے ہیں اور اس میں رخنہ اندازی نہیں چاہتے۔“

”ایک آخری سوال۔“

”نہیں، اب مجھے بلایا جارہا ہے۔“

”کون بلا رہا ہے تمہیں؟ مجھے یہ بتاؤ، کیا بلبیر اور ڈاکٹر پال کی موت روحوں کے ہاتھوں ہوئی ہے؟ کیا روحیں ان تجربات کو روکنا چاہتی ہیں؟ اگر ایسا ہے تو کیوں روکنا چاہتی ہیں؟ کیا پیٹر جون کی روح مجھ سے ملنے آئی تھی؟ پرتاپ...... جواب دو......“

پرتاپ کراہا۔ اسی لمحے ہیری کسمسایا۔ اب کراہنے کی آواز ہیری کی تھی۔ پرتاپ کی نہیں......

☆======☆======☆

فاروق نے مینٹل ہسپتال میں اپنا پریس کارڈ دکھایا اور بتایا کہ وہ سکندر سے ملنا چاہتا ہے۔ ”میں سکندر صاحب کا بھتیجا ہوں۔“ اس نے کہا۔

”حیرت ہے، ہم تو سمجھتے تھے کہ ان کا کوئی رشتے دار نہیں ہے۔“

فاروق نے سر ہلایا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ جھوٹ چلے گا بھی یا نہیں۔ اب وہ ایک ایسے باپ کا بیٹا بننے کو تیار نہیں تھا، جسے وہ آج سے پہلے جانتا بھی نہیں تھا۔ وہ ایسے شخص کی پروا کیوں کرے...... اس کی نگہداشت کی ذمے داری کیوں قبول کرے، جس نے کبھی اس نگہداشت کی ذمے داری کیوں قبول نہیں کی تھی۔ وہ تو یہاں کسی اور وجہ سے آیا تھا۔

”میں دس سال بعد ان سے مل رہا ہوں۔“ اس نے وارڈ بوائے سے کہا۔ ”میں مصروف ہی اتنا رہتا ہوں۔“

”اب تو وہ بہت بدلے ہوئے لگیں گے آپ کو۔ ان کے ہوش و حواس بالکل رخصت ہوچکے ہیں۔ اپنا کوئی کام خود نہیں کرسکتے۔“

وارڈ بوائے فاروق کو ایک وارڈ میں لے گیا۔ اس میں پچاس بیڈ تھے۔ بھانت بھانت کے مریض تھے۔ پاگل خانے کا مخصوص ماحول تھا۔ فاروق کو کسی تعارف کی ضرورت نہیں

پڑی۔ اسے زبردست شاک لگا۔ ۴۴ نمبر بیڈ پر لیٹا ہوا شخص ہُوبہو اس جیسا تھا۔ فاروق کو یقین تھا کہ بڑھاپے میں وہ بھی اس شخص جیسا ہی ہوگا۔ وہ یقیناً اس کا باپ تھا۔

"سکندر صاحب!" فاروق نے اسے پکارا۔

اس شخص نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ منہ سے کچھ نہ بولا۔

"آپ جانتے ہیں کہ آپ کون ہیں؟ ناہید نامی لڑکی یاد ہے آپ کو؟" فاروق نے پوچھا۔ وہ اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔ "آپ کو یاد ہے؟"

"ہاں مجھے آغا حشر کے ڈرامے یاد ہیں۔" سکندر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

فاروق نے اس کے کندھے تھام کر اسے جھنجوڑ ڈالا۔ "آپ کو ناہید یاد ہوگی۔ آپ نے بعد میں اسے بے یارو مددگار چھوڑ دیا تھا۔"

"آنکھ کا نشہ۔" اس نے چیخ کر کہا۔

فاروق نے سر جھٹکا، اسے احساس ہو رہا تھا کہ بات کرنا بے سود ہے۔ اس بدکار شخص کو کچھ بھی یاد نہیں تھا۔ پھر بھی اس نے اصرار کیا۔ "یاد کرنے کی کوشش کیجیے۔"

"باپ کا گناہ۔"

"مسٹر فاروق...... انھیں زیادہ ڈسٹرب نہ کریں۔" ڈاکٹر نہ جانے کب اس کے برابر آکھڑا ہوا تھا۔

فاروق پلٹا اور دروازے کی طرف چل دیا۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہا تھا۔ وہ شخص یقینی طور پر اس کا باپ تھا۔ اب اسے یقین آگیا تھا کہ اس دنیا کے علاوہ دوسری دنیا بھی ہے اور اس سے رابطہ بھی ممکن ہے۔ اب اسے اپنے سفر کی بے تابی تھی۔

☆======☆======☆

ماتھر اور سادھنا لیبارٹری میں بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ ماتھر پژمردہ دکھائی دے رہا تھا۔ جبکہ سادھنا کچھ فکرمند تھی۔ فاروق نے اندر آتے ہی کہا۔ "ایسی کون سی اہم بات تھی جو فون پر مجھے نہیں بتائی جاسکتی تھی؟"

ماتھر نے منہ بنا کر کہا۔ "سب کچھ ختم سمجھو۔ ایڈوائزری بورڈ نے تجربے کی منظوری دینے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ انسانی زندگی کو خطرے میں ڈالنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ ہم ان کے فیصلے کو تسلیم کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں کرسکتے۔"

"کوئی بات نہیں۔" سادھنا نے خوش ہو کر کہا۔ "فاروق شہرت کے حصول کے لیے اور کوئی کام کرسکتا ہے۔"

"آج شاید میرا دن ہی نہیں ہے۔" فاروق نے کہا اور انھیں ہیری کے متعلق سب کچھ بتا دیا۔ ماتھر تلخی سے مسکراتا رہا۔ فاروق نے اپنے لیے پیالی میں کافی انڈیلی اور بولا۔ "منصوبہ تو ڈاکٹر پال نے بنایا تھا۔ انھیں معلوم ہوگا کہ ایڈوائزری بورڈ اس تجربے کی مخالفت کرے گا۔ اس کے باوجود وہ اس سے دست بردار نہیں ہوئے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ اپنے رسک پر یہ تجربہ کرتے...... اور ضرور کرتے۔"

سادھنا نے ماتھر کی آنکھوں میں چمک ابھرتے دیکھی۔ تو پُرتشویش لہجے میں بولی۔ "فاروق...... تم یہ بات اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہو؟ یہ رسک کوئی بھی نہیں لے سکتا۔ بلیک لسٹ کر دیا جائے گا۔ اگر تجربے میں کوئی انسانی جان ضائع ہوگئی تو تم تصور بھی نہیں کرسکتے کہ تجربہ کرنے والوں کو کن نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"تجربہ راز داری کے ساتھ بھی تو کیا جاسکتا ہے۔ اس کے لیے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں۔" فاروق نے کہا۔ "ڈاکٹر پال کے ذہن میں بھی یہی بات ہوگی۔"

ڈاکٹر ماتھر نے اثبات میں سر ہلایا لیکن سادھنا نے احتجاج کیا۔ "تم غلط کہہ رہے ہو۔"

فاروق نے اسے نظرانداز کرتے ہوئے ماتھر سے کہا۔ "ڈاکٹر...... آپ کا کیا خیال ہے؟ جرأت کے بغیر نہ کوئی تجربہ ممکن ہے اور نہ سائنس کے میدان میں پیش قدمی۔ کیا کہتے ہیں آپ؟"

ماتھر نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔ "ہاں...... یہ ممکن ہے۔ میں اپنے اسٹاف سے جھوٹ بول سکتا ہوں کہ بورڈ نے تجربے کی منظوری دے دی ہے۔ ہم دوسری دنیا میں تمھاری رہنمائی کے سلسلے میں ہیری سے مدد لے سکتے ہیں۔ آگے جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔ مجھے تجربے کی کامیابی پر پورا یقین ہے۔"

☆======☆======☆

فاروق ڈیتھ چیمبر میں بستر پر لیٹا تھا۔ بستر کے قریب ایک کرسی پر ہیری بیٹھا تھا۔ وہ اپنا کام شروع کرنے کے لیے اشارے کا منتظر تھا۔ فاروق کا جسم پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ فاروق اور ہیری ایک دوسرے کو نفرت سے دیکھ رہے تھے۔ سادھنا نے انھیں سمجھایا اور ہاتھ

ملانے کی درخواست کی لیکن دونوں نے ہی انکار کر دیا۔ فاروق کے نزدیک ہیری ناقابلِ اعتبار تھا۔ بلکہ ممکن تھا کہ بلبیر اور ڈاکٹر پال کو اسی نے قتل کیا ہو۔

فاروق کا ذہن اس وقت شکوک کا شکار ہو رہا تھا۔ کوئی بھی اسے قتل کرنے کی کوشش کر سکتا تھا تاکہ عالمِ ارواح کا راز راز رہ سکے۔ جو ٹیکنیشن اس وقت اس کے ساتھ مصروف تھے، وہ ایک غلط بٹن دبا کر اسے موت سے ہمکنار کر سکتے تھے۔ روحیں بھی ایسا کر سکتی تھیں۔

پھر اس نے سر جھٹکا۔ اب اس کے نزدیک کسی بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ بے کار شک میں مبتلا ہونے سے فائدہ؟

اسی لمحے کسی نے اس کے رخسار کو چھوا۔ اس نے سر گھما کر دیکھا۔ وہ سادھنا تھی۔

"کیسا محسوس کر رہے ہو؟" سادھنا نے پوچھا۔

"مجھے لگ رہا ہے کہ میں پاگل ہوا جا رہا ہوں۔"

"تم بالکل نہ ڈرو۔ میری نظریں گھڑی پر جمی رہیں گی، میں کوئی گڑبڑ نہیں ہونے دوں گی۔"

"میں دماغ کو نقصان پہنچنے سے نہیں ڈر رہا ہوں۔ میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ ممکن ہے، میری روح وہاں زیادہ دیر رکی رہے۔ اس صورت میں میرا جسم بے روح رہ جائے گا۔"

سادھنا نے اسے تسلی دینے کے لیے اس کا ہاتھ تھام لیا اور سہلانے لگی۔

اچانک ڈاکٹر ماتھر آیا۔ اس کے چہرے پر مایوسی تھی۔ اس نے اپنا لیب کوٹ اتار کر ایک طرف اچھال دیا۔ "اٹھو فاروق کپڑے پہن لو۔ اس بار کھیل سچ مچ ختم سمجھو۔"

"کیوں...... کیا ہوا؟" سادھنا نے پوچھا۔

"بورڈ کے ممبرز کو کہیں سے بھنک مل گئی ہے۔ وہ معائنہ کے لیے آ رہے ہیں۔ کسی بھی وقت یہاں پہنچ سکتے ہیں......"

"انھیں یہاں تک پہنچنے میں چار منٹ تو لگیں گے ہی۔" فاروق نے لیٹے لیٹے کہا۔ ایک منٹ میں مجھے سفر پر روانہ کر سکتے ہو...... اور تین منٹ میں میں واپس بھی آ جاؤں گا۔ جلدی کرو۔ وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں۔"

ڈاکٹر ماتھر کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس نے سادھنا سے کہا۔ "یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔

اب جلدی کرو۔"

☆======☆======☆

ایک ٹیکنیشن نے فاروق کو آپریٹنگ ٹیبل پر باندھ دیا۔ سادھنا نے اس کی پیشانی سے پسینہ پونچھا۔ "تمھیں دوسری دنیا میں کسی کو پیغام پہنچانا ہے تو بتا دو۔" فاروق نے چہک کر کہا۔ "پتا ہے، میں زرینہ کو بتاؤں گا کہ میں اس سے ملنے کے لیے مرا جا رہا تھا۔ سمجھیں؟"

سادھنا اس کی خوش مزاجی اور ہیجان پر مسکرا دی۔ مگر اس کی ایک آنکھ میں پانی سا آ گیا۔ اس نے سر جھٹک کر فاروق کا ہاتھ سہلایا اور دور ہٹ گئی۔ سامنے بیٹھا ہوا ہیری ٹرانس میں جا چکا تھا۔ ڈاکٹر ماتھر نے فاروق کے بازو میں انجکشن لگایا اور بولا۔ "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تمھیں ابدیت کی ایک جھلک دیکھنے کا اعزاز حاصل ہو رہا ہے۔"

ایک لمحے کو فاروق کا جی چاہا کہ چیخ کر منع کر دے۔ کیا پتا...... ابدیت بھیگی بھیگی تاریکی میں بے خواب نیند کے سوا کچھ ثابت نہ ہو، جس سے واپس آنا بھی اس کے اختیار میں نہ ہو۔ وہ اپنی زندگی کا خطرہ کیوں مول لے۔ مگر اتنی دیر میں دوا کا اثر شروع ہو چکا تھا۔ وہ لایعنی الفاظ بڑبڑاتا رہا۔ پھر اسے نیند آ گئی...... آوازیں دور سے آتی محسوس ہو رہی تھیں۔ آنکھوں کے سامنے رنگ برنگے دائرے لہرا رہے تھے۔

وہ خواب دیکھ رہا تھا۔ لہو سے محروم ایک سوکھا ہاتھ تھا، جس میں ایک خنجر تھا اور وہ امید سے محروم تھا۔ وہ رو رہا تھا۔ پھر اسے ایک خوف ناک جھٹکا لگا۔ ایسا لگا جیسے اس کے جسم کا ہر مسام، ہر خلیہ، تمام عضلات کھل رہے ہوں۔ پھر اس کا دل بند ہو گیا۔ زندگی معدوم ہو گئی۔

☆======☆======☆

"اب چارج کر دو۔" ڈاکٹر ماتھر نے کہا۔

ٹیکنیشن نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ وہ اس سیاہ باکس کو بیڈ کے قریب گھسیٹ لایا، جس پر دو الیکٹروڈ پیڈل رکھے تھے۔ ان کے ساتھ گول پلیٹس منسلک تھیں۔ ایک پیڈل فاروق کے سینے پر اور دوسرا کمر کے نیچے رکھ دیا گیا۔ ٹیکنیشن نے ڈاکٹر کے اشارے پر سوئچ آن کیا۔ چار سو واٹ کے شاک نے بندھے ہوئے جسم کو بھی تشنج میں مبتلا کر دیا۔ لمحے گزرے، دل بدستور دھڑکتا رہا لیکن وہ خون پمپ نہیں کر رہا تھا۔ ماتھر نے اسکینر پر نگاہ

ڈالی۔ اب سیاہ اسکرین پر متحرک سفید نقطے نظر نہیں آرہے تھے۔

ماتھر نے سر ہلایا اور الٹے قدموں چیمبر سے نکلا' جیسے کسی شہنشاہ کے دربار سے رخصت ہو رہا ہو۔ اب وہ چار منٹ والے سرجیکل کلاک کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے کوئی خطرہ مول نہ لینے کا فیصلہ کرتے ہوئے کاؤنٹر شاک کو ۱۷۵ سیکنڈ پر سیٹ کردیا۔ پھر اس نے ای ای جی کا جائزہ لیا۔ بکھرا ہوا پیٹرن اب خطِ مستقیم کی شکل اختیار کر رہا تھا۔ کلینیکل اعتبار سے فاروق بلال مرچکا تھا۔

☆======☆======☆

اس کی نگاہوں کے سامنے ہیولے نمودار ہوئے اس نے اپنی ماں کو دیکھا' جو جنرل اسٹور کے دروازے پر کھڑی تھی۔ پھر اس نے ماں کا کمرا اور اپنے کھلونے دیکھے۔ اسے یتیم خانے میں گزرا ہوا عرصہ نظر آیا۔ اسے احساس ہوا کہ وہ بیدار ہو رہا ہے۔ اب وہ سوچ بھی سکتا تھا۔

روح؟ کیا روح محض ایک ٹیپ ریکارڈر ہے' جس پر آدمی کی زندگی کا پیٹرن ریکارڈ ہوتا ہے؟ وہ دوبارہ زندگی گزار رہا تھا۔ ایسا ایک بار پہلے بھی ہوچکا تھا' جب پکنک کے دوران پانی کی ایک تند لہر اس کے وجود پر سے گزر گئی تھی اور پھیپھڑوں میں پانی بھر گیا تھا۔ تب اس نے اپنے ماضی کو دہرایا تھا۔ اب پھر اس کی آنکھوں کے سامنے فلم سی چل رہی تھی۔ ایک فرق تھا۔ اس بار وہ جو کچھ کر سکتا تھا اور نہیں کر سکتا تھا' اس پر پچھتا رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اسے دوبارہ زندگی گزارنے کا موقع ملے تاکہ اس بار وہ درست فیصلہ کر سکے۔

اچانک اسے احساس ہوا کہ اس کا جسم بھاری ہوگیا ہے۔ ایک عجیب سی اینٹھن نے اسے جکڑ لیا۔ اسے ایسا محسوس ہوا' جیسے اس کا خوابیدہ جسم پٹرولیم جیلی کے تالاب سے نکل رہا ہے۔ جسم بوجھل ہو رہا تھا مگر جیسے ہی اس نے خود کو اینٹھن کی گرفت سے چھڑایا' اسے آزادی کے خوش کن احساس نے بھگو ڈالا۔ اب وہ غبارے کی طرح فضا میں تیر رہا تھا۔ نیچے اسے حقیقی دنیا نظر آرہی تھی۔ ٹیبل تھی جس پر اس کا جسم بندھا ہوا تھا۔ اس کے ہونٹ نیلے اور چہرہ بے رنگ ہو رہا تھا۔ روشنی کی لکیروں کا ایک ہیولا اسے پکار رہا تھا...... ”آؤ' ادھر آؤ۔“

وہ پرتاپ کی آواز پہچان گیا۔ پھر وہ تیرتا ہوا پرتاپ کے پیچھے پیچھے چلا۔ وہ دونوں

ڈیتھ چیمبر کی ٹھوس دیواروں میں سے بہ آسانی گزر گئے۔ نکلنے سے پہلے اس نے سادھنا اور ماتھر کو باتیں کرتے دیکھا۔ ”تم روح کو قید نہیں کرسکتے۔“ اس نے چیخ کر کہا۔ ”ہم ہر چیز سے گزر سکتے ہیں۔“ لیکن انھوں نے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ وہ اپنی باتوں میں لگے رہے۔ وہ پھر چیخا...... اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا لیکن وہ اسے نہ دیکھ سکتے تھے نہ سن سکتے تھے۔

اس نے کندھے جھٹکتے ہوئے خود کو یاد دلایا کہ اسے خود پر قابو رکھنا ہے اور جو کچھ دیکھے اور سنے' اسے یاد رکھنا ہے......

آسمان صاف تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی بے شمار آنکھیں ہیں۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس میں اپنے آپ کو ناقابلِ یقین تیزی سے زمین اور آسمان کی کسی بھی چیز میں تبدیل کر لینے کی اہلیت ہے۔ نیچے جانا پہچانا شہر بھی اجنبی لگ رہا تھا۔ اس کی یادداشت غضب کی ہوگئی تھی۔

”یہ موت ہے' اس نے سوچا۔ نہیں...... یہ زندگی ہے...... اتنی آزادی کا احساس پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ یہ زندگی ہے' اس کے خیالات سے پُر ذہن میں ایک پیغام داخل ہوا۔ فاروق...... مجھے افسوس ہے کہ میں روح کی جستجو پر زور دیتا رہا۔ اب میں ہر قیمت پر ان تجربات کو روکنا چاہتا ہوں۔ اسی لیے میں نے تمھیں ختم کرنا ضروری سمجھا۔ اب میں تم سے التجا کر رہا ہوں...... واپس جاکر انھیں یہ نہ بتانا کہ موت ایک روشن زندگی کا آغاز ہے۔ انھیں پہلے آزمائشی زندگی گزارنا ہوگی' تب کہیں ابد کا ٹکٹ ملے گا۔“

وہ پیٹر جون کی آواز تھی۔ پھر ایک اور آواز آئی اور اس نے سات رنگوں کا وجود اوڑھ لیا۔ وہ زرینہ تھی۔

☆======☆======☆

سادھنا نے کلاک کو دیکھا۔ ۱۶۵ سیکنڈ گزر چکے تھے۔ ”خدا کے لیے...... اسے شاک دے کر واپس لاؤ۔“ اس نے سخت لہجے میں سرگوشی کی۔

”نہیں...... چند سیکنڈ اور۔“

”نہیں ماتھر' اسے فوراً واپس لاؤ۔“ اس بار وہ چلا اٹھی۔ ماتھر ہچکچایا۔ پھر اس نے سر کو اثباتی جنبش دی اور ٹیکنیشن کو اشارہ کیا۔

”جلدی کرو۔“ سادھنا نے ٹیکنیشن کو حکم دیا۔

الیکٹروڈ فاروق کے سینے پر اور پیٹھ کے نیچے رکھ دیئے گئے۔ سوئچ آن کیا گیا۔ مگر بھنبھناہٹ کی آواز نہیں ابھری۔ مشین بہت آہستگی سے روتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ڈیتھ چیمبر میں تاریکی چھاگئی۔ روشنی کا نام بھی نہیں رہا۔

"ہے بھگوان...... یہ شارٹ سرکٹ ہوگیا۔" ٹیکنیشن نے چیخ کر کہا۔ وہ ایک گوشے کی طرف لپکا اور اس نے جنریٹر کا لیور کھینچا۔ روشنی ہوگئی۔ مشین کی بھنبھناہٹ بے حد واضح تھی۔ عملہ ای ای جی اور ای کے جی کی سیدھی لائنوں کو دیکھتا رہا۔ وہ منتظر تھے کہ دل اپنے نارمل ردھم پر دھڑکنا شروع کردے۔

اب فاروق کو زندگی سے محروم ہوئے چار منٹ سے زیادہ وقت گزر چکا تھا۔ دس سیکنڈ اور گزر گئے۔ اس کا دل بدستور معطل رہا۔

"نبضوں کی رفتار اب بھی صفر ہے۔" ٹیکنیشن نے کہا۔

"مجھے بھی نظر آرہا ہے۔" ڈاکٹر ماتھر غرایا۔

پھر ای کے جی اسکرین پر کمزور سے نقطے ابھرے۔ اسٹاف نے سکون کی سانس لی۔ ای ای جی پر بھی نقطے متحرک ہوگئے تھے۔

"رفتار بہت کم ہے۔" سادھنا نے کہا۔ "اس کا دماغ...... ہے بھگوان...... اب وہ محض گوشت کا ڈھیر رہے گا۔ اس کا دماغ......"

"میں اس کی زندگی بچانے کی کوشش کررہا ہوں۔" ماتھر نے سخت لہجے میں کہا۔

عملہ ای سی جی اسکرین کی طرف متوجہ تھا' جس پر دل کی شدید جدوجہد نقطوں کی شکل میں نظر آرہی تھی۔ پھر نقطے دھیرے دھیرے اوپر چڑھتے نظر آئے یہ دل کے طاقت پکڑنے کی علامت تھی مگر رفتار ابھی تسلی بخش نہیں تھی۔

ٹیکنیشن پریشر ریڈنگ بتا رہا تھا۔ "پچپن...... ساٹھ...... پینسٹھ......"

"خطرے کی حد سے بہ مشکل اوپر ہے۔" ماتھر نے سادھنا سے کہا۔ پھر اس نے پکارا۔ "آکسیجن دو۔"

ٹیکنیشن پریشر ریڈنگ دہراتا رہا پینتیس...... اور مسلسل گر رہا ہے پریشر۔"

ماتھر دروازے کی طرف لپکا۔ "آلۂ تنفس کہاں ہے؟"

ای کے جی اسکرین پر اب دو نقطے نظر آرہے تھے۔ کمرے کی فضا بے حد کشیدہ تھی۔ ریڈنگ پڑھنے والے ٹیکنیشن نے کہا۔ "اب ریڈنگ ہے ہی نہیں۔"

فاروق بلال دوبارہ مرچکا تھا۔ اس کے باوجود ٹیکنیشن نے آلۂ تنفس اس کے منہ سے لگایا اور اس کے ساکت پھیپھڑوں میں آکسیجن اتارنے لگا۔ ای کے جی لائن اب بھی نارمل نہیں تھی اور ای ای جی لائن بالکل فلیٹ تھی۔ ماتھر نے جلدی سے اس کے بے جان بازو میں دوا انجکٹ کی اور دو قدم پیچھے ہٹ آیا۔

دھیرے دھیرے زندگی کی علامات لوٹ آئیں۔ آپریٹنگ روم میں فون کی گھنٹی بجی۔ استقبالیہ کلرک نے بتایا کہ ایڈوائزری بورڈ کے اراکین لفٹ میں بیٹھ رہے ہیں۔

☆======☆======☆

دھنک رنگ ہالے کے باوجود اس نے زرینہ کو بہ آسانی پہچان لیا۔ زرینہ کی آواز اور لہجے میں مسرت تھی۔ "آؤ فاروق...... تمہیں تمکین سے ملواؤں۔"

فاروق دھیرے دھیرے زرینہ کی طرف بڑھا مگر پھر اچانک جیسے کسی انجانی قوت نے اسے مخالف سمت میں کھینچنا شروع کردیا۔ وہ ایک تاریک سرنگ کی طرف جارہا تھا۔ اس نے اس بے اختیار سفر کو موقوف کرنے کے لیے زور لگایا مگر بے سود۔ تاریکی اسے کھینچ رہی تھی۔ ساتھ ہی اذیت کا احساس بھی ہو رہا تھا۔

پھر اسے سادھنا' ڈاکٹر ماتھر اور لیبارٹری کا دوسرا اسٹاف نظر آیا۔ ہیری سینے سے ٹھوڑی ٹکائے سوگوار سا بیٹھا تھا۔ پھر اس نے اپنے بے روح جسم کو ٹیبل پر بکھرا دیکھا۔

"مجھے واپس جانے دو۔" وہ چلایا۔ مگر تاریکی اسے اپنی طرف کھینچتی رہی۔ سمندر کی برہم موجوں کے اوپر ریت کا تند بگولا مچل رہا تھا۔ ہوا' پانی اور ریت کو ملا رہی تھی۔ ہر طرف کیچڑ اچھلتی نظر آرہی تھی۔ پھر طوفان ختم ہوا اور سورج نکل آیا۔ ہر چیز چٹخنے تڑخنے لگی۔ کیچڑ چٹان میں تبدیل ہوگئی۔

اسے ایسا لگا۔ جیسے وہ سخت اور گرم ریت میں دھنسا جارہا ہو......

☆======☆======☆

"یہ زندہ ہوگئے۔" ایک ٹیکنیشن نے خوشی سے اچھلتے ہوئے کہا۔ "اب ان کا دل خود دھڑک رہا ہے...... بغیر کسی بیرونی مدد کے۔"

ڈاکٹر ماتھر نے نفی میں سرہلاتے ہوئے کہا۔ "مجھے ڈر ہے کہ اس کے دماغ کو کسی نہ کسی حد تک نقصان پہنچ چکا ہے۔ یہ ہمیں اس دنیا کی کہانی کبھی نہیں سنا سکے گا۔"

سادھنا رو رہی تھی۔ "اسے پاگل خانے میں زندہ رہنے کے لیے واپس بلایا ہے تم

نے۔ بھگوان کے لیے........ اسے مرجانے دو۔ یہ تو کوئی زندگی نہیں۔"

"نہیں جو المیہ ہوچکا ہے' وہی بہت ہے۔ ہم ارتکابِ قتل نہیں کرسکتے۔" ڈاکٹر ماتھر نے کہا۔

اسی لمحے ہیری ایک جھٹکے سے ٹرانس سے باہر آیا۔ "مجھے یقین ہے کہ فاروق صاحب دوسری دنیا دیکھ آئے ہوں گے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ بیدار ہوا تو اس کا حلق خشک ہورہا تھا اور کنپٹیاں تڑخ رہی تھیں۔ اسے لگتا تھا کہ دل پسلیوں کا پنجر توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ پورے جسم میں درد کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور خالی خالی نظروں سے اردگرد کھڑے لوگوں کو دیکھا' جو سفید کوٹ پہنے ہوئے تھے۔ ایک اجنبی' نسوانی چہرہ اس پر جھک آیا۔ وہ چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر کمرے میں کچھ اور لوگ داخل ہوئے' وہ سب بھی اس کے گرد کھڑے ہوگئے۔

اس نے اپنا منہ پھیرا اور آنکھیں بند کرلیں۔ وہ اس مہکتی ہوئی حرارت اور چمک دار سکون کو یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا جس کا اسے چند لمحے پہلے تجربہ ہوا تھا۔ اسے اور کسی چیز کا خیال نہیں تھا اسے کسی بات کی بھی پروا نہیں تھی۔

☆======☆======☆

وہ منہ پھیرے لیٹا تھا۔ کھڑکی سے دھوپ اتر آئی تھی' دیوار پر پرچھائیاں تھیں لیکن اسے کسی چیز کی........ بات کی پروا نہیں تھی۔ وہ ہر چیز سے بے نیاز تھا۔ دروازہ کھلا اور اسے اپنی داہنی سمت حرکت کا احساس ہوا لیکن اس نے کوئی توجہ نہیں دی۔

وہ اجنبی' نسوانی چہرہ ایک بار پھر اس پر جھکا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی۔ جو اس نے اس کے بازو میں اتار دی۔ سوئی چبھنے سے اسے تکلیف محسوس ہوئی۔ اس نے اپنا بازو جھٹکے سے ہٹایا۔

وہ عورت سسکتے ہوئے' محبت بھرے لہجے میں اس سے کہہ رہی تھی۔ "فاروق...... میرے فاروق........ ذرا سی تکلیف تو ہوگی۔ مگر یہ دوا تمہیں واپس لے جائے گی۔ جاؤ میری جان' وہ لوگ تمہارے منتظر ہیں۔ شب بخیر میری جان........ میری زندگی........ الوداع........"

☆======ختم شد======☆